FICTION HOUSE

پانی پت کے علماء ومشائخ
کی
علمی و دینی خدمات



ڈاکٹر عبدالمحسن چندریگر

پانی پت کے علماء ومشائخ کی علمی ودینی خدمات

(۶۰۰ھ تا ۱۴۰۰ھ)

ڈاکٹر عبدالمحسن چندریگر

فکشن ہاؤس
○ لاہور ○ کراچی ○ حیدرآباد
e-mail: fictionhouse2004@hotmail.com

نام کتاب : پانی پت کے علماء ومشائخ کی علمی ودینی خدمات (۶۰۰ھ تا ۱۴۰۰ھ)

مصنف : ڈاکٹر عبدالمحسن چندریگر

اہتمام : ظہور احمد خاں

پبلشرز : فکشن ہاؤس لاہور

کمپوزنگ : فکشن کمپوزنگ اینڈ گرافکس، لاہور

پرنٹرز : سید محمد شاہ پرنٹرز، لاہور

سرورق : ریاض ظہور

اشاعت : 2017ء

قیمت : -/600روپے

تقسیم کنندہ:

فکشن ہاؤس: بک سٹریٹ 68- مزنگ روڈ لاہور، فون:042-36307550-1,37249218-37237430

فکشن ہاؤس:52,53 رابعہ سکوائر حیدر چوک حیدر آباد، فون:022-2780608

فکشن ہاؤس: نوشین سنٹر، فرسٹ فلور دوکان نمبر 5 اردو بازار کراچی، فون:021-32603056

فکشن ہاؤس

●لاہور● کراچی● حیدر آباد

e-mail: fictionhouse2004@hotmail.com

انتساب

میں اپنی اس کاوش اور جہد کو اپنے مرحوم والدین سے معنون کرتا ہوں۔
میں آج جس مقام پر ہوں وہ انہی کے طفیل اور مرہون منت ہے
اللہ سے دعا گو ہوں مذکورہ جملہ مساعی وکوششیں میرے والدین کے لئے صدقہ جاریہ
اور آخرت میں بلندی درجات کا سبب بن جائے (آمین)

اظہار تشکر

اپنے تحقیقی مقالے کی معاونت اور رہنمائی کے لئے کرم فرماؤں کی ہمت افزائی اور نصرت کا اظہار نہ کرنا سراسر ناانصافی ہے کیونکہ **من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ** حضرت پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفی خان صاحبؒ کا شکر گزار ہوں جنہوں نے اتنا اہم اور گراں قدر موضوع عنایت فرمایا، پروفیسر ڈاکٹر منیر احمد خان صاحب جنہوں نے نہ صرف ہمت افزائی فرمائی بلکہ رہنمائی بھی کی۔ میں اپنے مقالے کی معاونت میں شفیق و مہربان سپر وائزر/ گائیڈ ڈاکٹر عبید خان کا بے حد ممنون ہوں جنہوں نے قدم قدم پر اپنے قیمتی مشوروں سے رہنمائی فرمائی اور ہمیشہ اپنے قیمتی وقت میں سے خندہ پیشانی کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ فرمایا۔

اس اظہار کے موقع پر ان شخصیات کا بھی فرداً فرداً شکریہ ادا کرنا مناسب سمجھتا ہوں جنہوں نے میرے ساتھ علمی معاونت فرمائی خصوصاً ڈاکٹر عبدالرشید صاحب، ریسرچ اسکالر محکمہ اوقاف و مذہبی امور (حیدرآباد) مولانا ایوب بندھانی کا تہہ دل سے ممنون ہوں اس کے ساتھ مفتی اشفاق، حافظ عرفان، مولانا سعید جدون، ڈاکٹر مسرور احمد زئی، لائبریرین سندھیالوجی ڈیپارٹمنٹ شاہ جہاں صاحب، قاری احمد حسن (سکھر)، قاری شفیق احمد (جھنگ)، قاری عمر (جھنگ)، مولانا شعیب امین (فیصل آباد)، مولانا عبدالقدوس ترمذی (ساہیوال) مولانا ادریس ہوشیار پوری (ملتان) اور پروفیسر ریٹائرڈ عبدالحمید صاحب کا بے حد شکر گزار ہوں۔

جن اداروں نے علمی معاونت فرمائی ان میں دارالعلوم کورنگی لائبریری، لیاقت نیشنل لائبریری (کراچی)، انجمن ترقی اردو (کراچی)، بیدل لائبریری طارق روڈ (کراچی)، سندھ یونیورسٹی لائبریری، علامہ داؤد پوتہ لائبریری (حیدرآباد)، مولانا حسرت موہانی لائبریری (حیدرآباد)، مدرسہ دینیات لائبریری (حیدرآباد) یوسفیہ لائبریری (میر پور خاص) کا بے حد شکر گزار ہوں۔

فہرست

باب___دوم

باب سوم

ابتدائیہ

پانی پت (ضلع کرنال) کا علاقہ بڑا مردم خیز ہے۔ پرفضا اور ہرے بھرے سبزے سے متصف ہونے کے باعث یہ علاقہ دوردراز سے ہجرت کر کے آنے والوں کے لئے مستقل سکونت کا باعث بنا۔ ان خوبیوں کے باعث کئی مسلمان خاندان اس علاقے میں وارد ہوئے جنہوں نے پانی پت کی خوبیوں کو چار چاند لگا دیئے۔ طویل عرصے تک علوم دینیہ بالخصوص حفظ القران، تجوید و قرات اور علم حدیث و تفسیر کا مرکز رہنے کے باعث ایسے صلحاء و علماء نے جنم لیا جنہوں نے اپنے عظیم کارناموں سے بے مثل تاریخ رقم کی۔ ان بے مثل کارناموں کا تحقیقی جائزہ لینے کے لئے پانچ ابواب مرتب کئے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

باب اول: پانی پت کا محل وقوع، سیاسی و تاریخی پس منظر اور تصوف کی تعریف و تفہیم

باب دوم: پانی پت کے علماء و صلحاء

باب سوم: پانی پت کے ادباء

باب چہارم: پانی پت کے حفاظ و قراء

باب پنجم: پاکستان میں پانی پت کی اہم دینی درسگاہیں

باب اول:

میں پانی پت کی جغرافیائی صورتحال کا جائزہ لیا گیا ہے خصوصاً فوجی نقطہ نگاہ کے لحاظ سے اہمیت کے پیش نظر مختلف جنگی سپہ سالاروں کی اس علاقے میں آمد اور ان کے مابین جنگوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ مذکورہ علاقہ سلاطین دہلی اور مغلیہ دور حکومت میں علم و فضل اور روحانی تسکین کی ایسی آماجگاہ تھا جہاں دور دور سے لوگ آ کر اپنی پیاس بجھاتے، ان میں ارباب اختیار سے لے کر سلطنت کے اہم عہدوں پر فائز عہدیدار بھی بزرگوں سے استفادہ کرنے میں پیش پیش ہوتے اور ان بزرگوں کی قدم بوسی کو اپنے لئے باعث برکت سمجھتے تھے ان بزرگوں کے مزارات اس علاقے کی عظمت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

مغلیہ سلطنت کے آخری دور حکومت میں اندرونی خلفشار اور باہمی رسہ کشی کے باعث مغلیہ سلطنت کمزور اور انتشار کا شکار ہوگئی۔ نتیجتاً بیرونی طاقتوں نے پنجہ آزمائی کر کے بآسانی مسلمانوں کے سنہری دور کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا۔ استعماری طاقتوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ زندگی کے ہر شعبہ حیات میں مسلمانوں کو پیچھے دھکیلنے کی پالیسی پر عمل کیا۔ اس پالیسی کو عملی جامہ پہنانے میں مقامی متعصب آبادی جس سے مسلمانوں نے ہمیشہ رواداری اور بھائی چارے کو اپنایا پیش پیش تھی، یہی وجہ ہے کہ قیام پاکستان کی تحریک کے دوران ہندوستان کے جن علاقوں کو ان متعصب ہندوؤں نے اپنی درندگی اور ہوس کا نشانہ بنایا ان میں پانی پت بھی شامل تھا۔

مذکورہ باب کے آخر میں تصوف کی تعریف و تفہیم کا ذکر کیا ہے اس کے علاوہ قرآن وحدیث کی روشنی میں ذکر کی اہمیت وفضیلت بیان کی گئی ہے۔

باب دوم:

میں ان مشہور و معروف مشائخ وعلماء کرام کی خدمات کا تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے جنہوں نے اپنی بصیرت وکاوش کی بدولت پانی پت کو علم وفضل اور باطنی وروحانی علوم کا منبع بنایا۔ ان علماء ومشائخ کی خدمات کی بدولت روشنی کا ایسا چراغ جلا جس نے دہلی اور اس کے اطراف کے گوشے گوشے کو اپنی کرنوں سے منور کیا یہی کرنیں بھٹکے ہوؤں کے لئے راہ ہدایت اور گمراہی وضلالت کی دلدل میں پھنسے ہوئے افراد کے لئے مشعل راہ ثابت ہوئی۔

ان بزرگوں کی خدمات کا ذکر کرنے سے قبل سوانح حیات پیش کی گئی ہے تاکہ ان بزرگان دین کی مکمل تصویر سامنے آئے اور کوئی پہلو تشنہ نہ رہے۔ جن بزرگوں کا مذکورہ باب میں ذکر کیا گیا ہے ان میں خواجہ عبدالرحمن الکاذرونیؒ، خواجہ ملک علی انصاریؒ، مولانا فخر الدین عراقیؒ، بوعلی شاہ قلندرؒ، شمس الدین ترکؒ، جلال الدین کبیرؒ واولادہٗ، شیخ امان اللہ پانی پتی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، قاری عبدالرحمن محدث پانی پتی اور غوث علی شاہ قلندرؒ وغیرہ۔

باب سوم:

لفظ علم چونکہ ادب میں بھی شامل ہے لہٰذا باب سوم میں پانی پتی ادباء کو بھی ضبط تحریر میں لایا گیا ہے۔ ادب کسی بھی قوم کا آئینہ ہوتا ہے جس میں قوم کے مزاج، انداز فکر اور تحقیقی صلاحیتوں کی عکاسی ہوتی ہے۔ ادب کے حوالے سے پانی پتی ادیب کسی تعریف کے محتاج نہیں ہیں۔ سعد اللہ پانی پتی، محمد افضل پانی پتی، الطاف حسین حالی، وحید الدین سلیم پانی پتی، کریم

الدین پانی پتی اورمحمد اسماعیل پانی پتی وہ سرمایہ ہیں جنہوں نے ادب میں تخلیقی رجحان کو پروان چڑھایا۔فرسودہ اورمنجمد خیالات کے بجائے قوم میں بیداری کی روح پھونکی،خصوصاً الطاف حسین حالی نے مسدس کے ذریعے وہ انقلاب پیدا کیا کہ مردہ دلوں میں تازگی اور جینے کی امنگ پیدا ہوگئی۔آپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مولانا وحیدالدین سلیم پانی پتی نے بھی اسی سوچ کو آگے بڑھایا اورقوم کی رگوں میں جینے کا حوصلہ اورحالات کا مقابلہ کرنے کی جستجو پیدا کی۔

مذکورہ باب میں ان بزرگوں کی سوانح حیات کو اول پیش کیا گیا ہے پھران کے تحقیقی کارناموں کا جائزہ لیا گیا ہے تا کہ ایک قاری بھرپور استفادہ کر سکے۔

قران پاک ایسی عظیم اور بابرکت کتاب ہے کہ جس نے اس کو صدق دل سے قبول کیا ان کی زندگیاں تبدیل ہوگئیں۔عرب کے بدوجاہلیت کے دلدادہ اورمنکرات کے پیرو تھے اوردن رات خرافات میں مبتلا رہتے لیکن جب قران کو اپنی زندگی میں ڈھال لیا تو ایسا انقلاب برپا ہوا کہ جاہلیت کے متوالے صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین بن گئے۔اس بابرکت کتاب کی شان وعظمت یہ ہے کہ کسی بھی قسم کی تحریف سے پاک ہے کیونکہ خوداللہ نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

انانحن نزلناالذکر وانالہ لحفظونO(۸:۱۵)

ترجمہ:بے شک ہم نے اس ذکر(قران)کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کر نے والے ہیں۔

اس ضمن میں تجوید وقرأت کا علم قابل ذکر ہے جو قاری کو قران پڑھنے کے اصول وضوابط سے روشناس کراتا ہے اور ایسا خوبصورت اوردیدہ زیب رنگ پیدا کرتا ہے جس سے پڑھنے والے کو لطف ومزہ آتا ہے اوروہ اغلاط سے پاک وصاف رہتا ہے۔علماء وحفاظ کرام نے اس علم/فن کی ترویج واشاعت میں اپنی تمام زندگی صرف کردیں خصوصاً پانی پتی قراء وحفاظ کرام نے قیام پاکستان سے قبل اور بعدازاں تجوید وقرأت کی اشاعت میں خاص طور پر اہتمام کیا۔

باب چہارم:

مذکورہ باب میں پانی پتی قراء وحفاظ کو چھ ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے۔اول:قاری مصلح الدین پانی پتی اوران کے تلامذہ،دوم:قاری محدث عبدالرحمن اوران کے تلامذہ،سوم:قاری عبدالرحمن ضریراوران کے تلامذہ،چہارم:قاری ابومحی الاسلام پانی پتی اوران کے تلامذہ،پنجم:

قاری فتح محمد اعمیٰ اور ان کے تلامذہ، چھٹا: قاری رحیم بخش پانی پتی اور ان کے تلامذہ پر مشتمل ہے۔ جملہ ادوار میں قراء وحفاظ کی سوانح اور علمی ودینی کاموں کا تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے۔

باب پنجم:

قیام پاکستان کے حادثے نے جہاں ہندوستان کے کئی علاقوں کو متاثر کیا اور وہاں کی آبادی کو انخلاء پر مجبور کیا ان میں پانی پت بھی شامل فہرست ہے۔ پاکستان آنے کے بعد یہ قافلے پاکستان کے طول وعرض میں سکون پذیر ہو گئے خصوصاً پنجاب میں پانی پتی علماء وصلحاء نے سکونت کو ترجیح دی اور اپنی سابقہ طرز فکر کو اختیار کرتے ہوئے ایسے دینی مدارس قائم کئے جہاں قران کی صدائیں گونجنے لگیں اور جس کی خوشبو سے پاکستان کا طول وعرض مہکنے لگا۔ ملتان، جھنگ، چنیوٹ، فیصل آباد، سرگودھا، ساہیوال اور سلانوالی میں ان کے قدیم مدارس ہیں جہاں مسلمان بچے اور بچیاں حفظ وضبط اور تجوید قراءت کے علم سے آشنا ہو رہے ہیں۔ راقم نے مذکورہ علاقوں میں مدارس کا تحقیقی مشاہدہ کیا اور ان علماء سے بالمشافہ ملاقات کی اور ان کی خدمات کو قلمبند کیا۔ باب پنجم میں ان علاقوں میں قائم مدارس کا تحقیقی مطالعہ بیان کیا گیا ہے۔

مذکورہ بالا ابواب میں پانی پت کے علماء مشائخ کی علمی ودینی خدمات کا بھرپور طور پر احاطہ کیا گیا ہے اور کوئی پہلو صرف نظر کرنے سے گریز کیا ہے تاکہ آئندہ کا محقق مذکورہ بالا مواد کی روشنی میں اپنے لئے موضوعات کا انتخاب کر کے تحقیق کر سکتا ہے۔

باب___اول

پانی پت کا محل وقوع، سیاسی و تاریخی پس منظر اور تصوف کی تعریف و تفہیم

تاریخ تہذیب وتمدن کا ایک ایسا آئینہ ہے جس میں انسانی خدوخال خوبیوں اور خامیوں کی ساتھ نمایاں ہوکرا جاگر ہوتے ہیں۔انسان تہذیب وتمدن کی جن ارتقائی منازل کو طے کر کے خوب سے خوب تر کی تلاش میں آگے بڑھا ہے ان روداد کو الفاظ کی ترتیب دیکر لکھنے کا نام تاریخ نہیں ہے بلکہ تاریخ ماضی کے واقعات و حالات دریافت کرنے اور مستقبل کی صف بندی کا نام ہے۔تاریخ اسباب وعلت کو گہرائی سے جانچنے کا نام اور علاقے کی سماجی، معاشی، معاشرتی اور جغرافیائی حالات کو صحیح طور پر جاننے اور اس کے عام انسان پر پڑھنے والے اثرات کا جائزہ لینے اور منتشر حالات کو یکجا کر کے پیش کرنے کا نام تاریخ ہے۔ دراصل حقیقت شناسی کا دوسرا نام تاریخ ہے۔سجان رائے بٹالوی کہتے ہیں:

> ''تاریخ محض چند بااقتدارہستیوں کے ذکر تک محدود نہیں ہوتی ہے بلکہ تہذیب انسان اور ہیئت اجتماعی کی مسلسل سرگزشت ہوتی ہے جس کی تکمیل میں مختلف افراد اور جماعتیں حصہ بنتی ہیں''(۱)

جغرافیائی محل وقوع:

(الف) پانی پت تحصیل:

پانی پت تحصیل صوبہ پنجاب کے کرنال ڈسٹرکٹ کی جنوب تحصیل میں ۲۹ ڈگری ۱۱ انچ شمال اور ۲۹ ڈگری ۳۰ انچ شمال اور ۷۶ ڈگری ۸ ۳۱ انچ اور ۷۷ ڈگری ۱۰ انچ مشرق پر واقع ہے۔یہ تحصیل دریائے جمنا کے دائیں کنارے پر واقع ہے۔اور اسکا رقبہ ۴۶۲ مربع میل اور اسکی آبادی ۱۹۰۱ میں ۱۹۶'۲۸۴ تھی جبکہ ۱۸۹۱ میں ۱۸۴'۸۵۶ تھی۔اس میں پانی پت کا شہر (آبادی ۲۶'۹۱۴) ہیڈ کوارٹر اور ۱۷۴ گاؤں بھی

شامل ہیں۔زمین کی ٹیکس کی مد میں اس شہر کی آمدنی ۰۴۔۱۹۰۳ میں ۱۳ اعشاریہ ۵ لاکھ تھی۔اسکے مشرقی جانب جمنا کی نشیبی زمین ہے۔جو کہ زرخیز اور قابل دید ہے۔ریلوے لائن کے مغربی جانب زمین اونچائی کی طرف ہے۔زمین تھور کی وجہ سے زیر کاشت نہیں لائی جاسکی جبکہ تحصیل بہت زیادہ ترقی یافتہ ہے۔بلندی والے علاقے مغربی جمنا کی نہر سے کاشت کیے جاتے ہیں۔

(ب) پانی پت شہر:

یہ پانی پت تحصیل کا ہیڈ کوارٹر ہے جو کہ کرنال ڈسٹرکٹ (پنجاب) میں ۲۹ ڈگری ۲۴ شمال اور ۷۶ ڈگری ۵۹ د مشرق پر دہلی' امبالہ' کالکا ریلوے پر واقع ہے۔یہ کلکتہ سے ٹرین کے ذریعے ۱۰۰۹ میل پر واقع ہے۔بمبئی سے ۱۰۳۵ میل پر جبکہ کراچی سے ۹۱۶ میل پر ہے۔اسکی آبادی (۱۹۰۱) میں ۲۶٬۹۱۴ ہے۔یہ قدیم زمانے کی یادگار ہے۔اور اسکا شمار مہابھارت کے مطابق ان پانچ جگہوں میں ہوتا ہے جنہیں یودھترا نے دوریودھنا سے امن کی قیمت کے بطور وصول کیا تھا۔مسلمانوں کے دور حکومت میں اسکو موجودہ دور کے مقابلے میں بہت زیادہ اہمیت حاصل تھی'' (۲)

کسی شہر اور علاقے کے رہائشی اپنے علاقے کی شناخت وعلامت ہوتے ہیں جس سے وہ علاقہ جانا پہچانا جاتا ہے۔طرز رہائش نہ صرف علاقے کی بود وباش کی عکاسی کرتی ہے بلکہ وہاں کے رہائش پذیر افراد کے رجحانات کا بھی پتہ دیتی ہے۔جب ہم کسی علاقے کا تعارف اور شناخت کی معلومات حاصل کرتے ہیں تو اس سے علاقے کا تصور یک دم ہمارے ذہن کے گوشوں میں واضح ہو جاتا ہے اور اس کے متعلق ہم فوراً رائے قائم کر لیتے ہیں۔مولانا عبدالحئی کے ذیل میں مذکورہ تعارف سے ہمیں اس علاقے کے مکینوں اور ان کی رہائش کے متعلق معلومات اس طرح ملتی ہے:

> ''یہ شہر چار حصوں میں منقسم ہے ایک حصہ انصاریوں کا' انکے متعلقین اور شاگرد پیشہ ور رعایا وغیرہ۔سب اسی محلے میں ہیں۔انکی معافیاں بھی اسی جانب ہیں۔اور رعایا کے مکانات اسی محلے میں ہیں۔تیسرا افغانوں کا' چوتھا راجپوتوں کا' ایک حصے سے نکلیں تو بڑے بڑے پھاٹک ملتے ہیں۔'' (۳)

دنیا کا ہر علاقہ اپنی ہیئت اور وضع وقطع کے لحاظ سے منفرد خصوصیات کا حامل ہوتا ہے۔کوئی علاقہ صحرا وریگستان کی وجہ سے مشہور ومعروف ہے تو کوئی معدنی ذخائر کی بدولت،کوئی تعمیراتی منصوبہ بندی کی وجہ سے بام عروج کو پہنچا تو کوئی سرسبز وشاداب مناظر کے باعث،کوئی صنعت وحرفت کی بدولت شہرت کی بلندیوں کو پہنچا تو کوئی جنگی میدان کے باعث شہرت پا گیا۔پانی پت (۴) کا علاقہ بھی اپنی ہریالی، سبزہ اور جنگی میدان کے باعث بہت مشہور رہا ہے۔ وسیم احمد سعید نے ''ہندوستان کے قدیم شہروں کی تاریخ'' میں اس علاقے

کی جنگی اعتبار سے اہمیت کو بالخصوص اجاگر کرتے ہوئے کہا ہے:

''پانی پت ہمیشہ حملہ آوروں کیلئے ہندوستان کا دروازہ ثابت ہوا۔ تمام شمالی حملہ آوروں نے دہلی پر حملہ آور ہونے کیلئے اسی شہر کا راستہ اختیار کیا کیونکہ ہندوستان کے شمال میں افغانستان کے جنگی مرکز سے جو راستہ حملہ آوروں کیلئے سب سے سہل ہے۔ وہ خیبر، کرم، ٹوچی اور گومل کے دروں سے پنجاب کے میدانوں تک آتا ہے۔ اس لئے دریائے سندھ کبھی کسی منچلے سپہ سالاروں کی راہ میں حائل نہیں ہوا۔ چونکہ جنوب میں راجپوتانہ کے ریگستان مزاحم ہوتے تھے لہٰذا حملہ آور لشکر لامحالہ گنگا اور جمنا کی وادیوں میں اسی تنگ نالے سے داخل ہوتے تھے۔ جو صحرا کے شمال مشرقی سرے اور ہمالیہ کے دامن میں واقع ہے۔'' (۵)

اللہ تعالیٰ نے یہ زمین وسیع وکشادہ بنائی ہے جسے خوبصورت اور دیدہ زیب سامان آرائش سے مزین کیا ہے تاکہ دیکھنے والوں کو حسین وخوبصورت اور خوشنما لگے اور اس میں قسم قسم کے میوے رکھے ہیں تاکہ انسان کو غذا اور توانائی ملے۔ خوبصورت اور رنگ برنگی پھول و پودے اور ہرا بھرا سبزہ اُگایا ہے، تاکہ انسان کو فرحت اور تازگی ملے۔ ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے چشمے بہائے ہیں تاکہ انسان اس سے سیراب ہوکر اپنی پیاس بجھائے اور اس کے ساتھ ساتھ انسان کے قیام کے لئے وسیع وعریض زمین بچھائی ہے تاکہ وہ سکون سے اپنی زندگی گزار سکے۔ مولانا طاہر رحیمی یہاں کی رنگینی اور حسین فضاء کے متعلق فرماتے ہیں:

''یہاں سرسبز وشاداب جنگلوں اور آب وگیا کی فراوانی کے علاوہ ایک طویل اور ہموار میدان وسط میں واقع ہے۔ پانی اور غلے اور چارے کی اس علاقے میں بہتات و افراط ہے۔ اور کوئی دشوار گزار ندی نالہ یا پہاڑی بھی موجود نہیں یہاں ایک نہایت مضبوط قلعہ اور شہر کی فصیل قدیم زمانے سے موجود تھی اور یوں فوجوں کے قیام کیلئے موزوں تھا۔'' (۶)

تاریخی پس منظر:

(الف) جنگی معرکہ آرائیاں

تاریخی پس منظر کا جائزہ لیں تو پانی پت منفرد جغرافیائی حالت اور نوعیت کی بابت ہمیشہ جنگی سپہ سالاروں کی آماجگاہ رہا ہے جہاں مختلف اوقات میں مختلف فوجی سپہ سالاروں نے پنجہ آزمائی کر کے اپنی

قسمت کا فیصلہ کرایا۔ یہ جنگیں عہد قدیم اور ماضی قریب کے فوجی لشکروں کے مابین لڑی گئیں۔ عہد قدیم کی مشہور لڑائی جو کوروں اور پانڈوں کے درمیان لڑی گئی اس کے لئے پانی پت اور تھانیسر کے آس پاس تقریباً اڑتالیس کوس علاقے میں لڑی گئی۔ (۷) مسلم دور حکومت میں خاندان تغلق کے زمانئہ اقتدار میں سلطان محمود شاہ بن سلطان فیروز شاہ کے وزیر تاتار خان اور اسکے مدمقابل سپہ سالار اقبال خان کے درمیان ایک جنگ لڑی گئی جس میں اقبال خان فاتح رہا (۸) ۱۳۸۹ء میں شہزادہ ہمایوں خان اور ابوبکر شاہ کے سپہ سالار عمادالملک کے درمیان پانی پت میں لڑائی ہوئی اول الذکر کو شکست ہوئی (۹) ۱۷۶۷ء میں سکھوں اور بادشاہ دہلی کے درمیان ایک جنگ لڑی گئی۔ (۱۰)

مذکورہ بالا جنگی معرکہ آرائیوں کے علاوہ اس جنگی میدان میں تین مشہور لڑائیاں وقوع پذیر ہوئیں جس نے ہندوستان کے مستقبل پر دوررس اثرات مرتب کئے ان لڑائیوں کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(ب) پانی پت کی پہلی جنگ:

یہ جنگ ۸ رجب جمعۃ المبارک ۹۳۲ھ/ ۱۵۲۶ء میں لڑی گئی۔ اس کا مادہ تاریخ ہی ''شہید شدن ابراہیم'' (۱۱) پانی پت کی یہ مشہور جنگ صبح سے شروع ہو کر دوپہر تک جاری رہی۔ (۱۲) بابر کے پاس صرف پندرہ ہزار سوار اور پیادے تھے۔ اس کے مقابلے میں ابرہیم لودھی کے پاس ایک لاکھ سوار، ہزار ہاتھی تھے۔ (۱۳) سورج ایک نیزہ بلند ہوا تھا کہ لڑائی شروع ہوئی۔ دوپہر ہوتے ہوتے پٹھانوں کی عظیم فوج شکست کھا چکی تھی۔ پندرہ سولہ ہزار موت کے گھاٹ اُترے تھے۔ (۱۴) بابر کی ماہرانہ سپہ سالاری نے ابراہیم کی اندھا دھند یورش کو شکست دی۔ سلطان دہلی مقتولوں کے ڈھیر میں مرا ہوا ملا۔ بابر کے چھوٹے برادر نسبتی خلیفہ کو ابراہیم کی لاش ملی اور اس کا سر کاٹ لایا۔ (۱۵)

(ج) دوسری جنگ:

یہ جنگ ماہ محرم ۹۶۴ھ/ ۱۵۵۶ء جمعہ کے دن لڑی گئی (۱۶) ہمایوں کی وفات کے بعد اکبر کی تخت نشینی کا اعلان ہوا تو ہیموں جو عادل شاہ کا وزیر اور بڑا صاحب قوت و اقتدار ہو گیا تھا دہلی اور آگرہ پر قبضہ کر لینا چاہا۔ (۱۷) دہلی کی فتح سے یہ بقال اتنا پھول گیا تھا کہ اپنے لئے راجہ ''بکرماجیت'' کا خطاب تجویز کیا۔ (۱۸) ہیموں توپ و تفنگ کے علاوہ حلقہ در حلقہ ہاتھی لیکر آیا تھا۔ ان پر ازبک سوار اس طرح آگئے جیسے بھیڑیں لپٹ جاتی ہیں۔ ان کی تیز پائی اور تیراندازی نے ہندی لشکر میں ہل چل مچادی۔ ہیموں زخمی ہو کر بیہوش ہوا۔ زخمی ہاتھی اپنے لشکر پر پلٹ پڑے۔ مذبذب سپاہی جدھر منہ اٹھا بھاگے۔ بکرماجیت کی شان و شوکت کا طلسم چند گھنٹے میں ٹوٹ گیا۔ ہیموں کو مغل سپاہی باندھ لائے۔ (۱۹) آخر خانخاناں نے سب سے پہلے ہیموں پر تلوار چلائی اسکے بعد شیخ گدائی نے پھر دوسروں نے بھی اس فرض کو ادا کیا۔ اور اس بدبخت کی

لاش کے چیتھڑے اڑ گئے۔ اکبری فوج کو پانی پت میں ایک ہزار پانچ سو ہاتھی بے شمار خزانہ اور کافی مال و اسباب غنیمت میں ملا۔(۲۰)

(د) تیسری جنگ:

پانی پت کی تیسری جنگ جمادی الثانی ۱۱۷۴ھ / ۱۷۶۱ء میں لڑی گئی۔ مصرع ''شاہ درانی نمودہ بازِ فتح'' مادہ تاریخ ہے۔(۲۱) پانی پت کا تاریخی میدان جو بارہا پاک و ہند کی فیصلہ کن لڑائیوں کا تماشائی بن چکا تھا اب آخری بار کفر و اسلام کا میدان جنگ بنا۔ یہ لڑائی زیر نظر عہد کا بڑا نتیجہ خیز واقعہ تھی جس نے تاریخی واقعات کا دھارا نئے رخ پر ڈال دیا۔

پانی پت کی تیسری جنگ احمد شاہ درانی افغانستان اور مرہٹوں کے مابین لڑی گئی۔ جب شاہ عالم دوم کے عہد میں مرہٹے دہلی میں داخل ہو گئے اور انہوں نے تمام پنجاب کو فتح کر کے قلعہ ارک پر اپنا جھنڈا لہرا دیا۔ ان کے عروج کو دیکھ کر ہندوستان کے مسلمان حکمران خوفزدہ ہو گئے۔ انہوں نے روہیلہ سردار مجیب الدولہ اور اودھ کے نواب شجاع الدولہ کی زیر قیادت احمد شاہ ابدالی سے مل کر متحدہ محاذ قائم کیا۔ جب ابدالی کی آمد کی خبر مرہٹوں تک پہنچی تو انہوں نے ابدالی کے مقابلے کیلئے زبردست تیاریاں شروع کر دیں۔ اور پانی پت کے میدان میں خیمہ زن ہوئے۔ شروع شروع میں حالات مرہٹوں کے لئے سازگار رہے لیکن ڈٹ کر ابدالی کا مقابلہ نہ کر سکے فتح ابدالی کے ہاتھ رہی اور مرہٹوں کو شکست رہی۔(۲۲)

پیشے:

اللہ تعالیٰ نے زمین کے سینے میں بیش بہا خزانے پوشیدہ رکھے ہیں اور اس کی چھاتی پر وافر مقدار میں رزق مہیا فرمایا ہے جسے بروئے کار لا کر انسان زندگی کے تقاضوں کو احسن طریقے سے پورا کر سکتا ہے۔ انسان کی معاشرتی و سماجی زندگی کا انحصار معاشی تقاضوں سے ہم آہنگ اور منسلک ہے۔ جو قوم اور افراد محنت کے عادی ہوتے ہیں وہ زمین کے چھپے خزانوں کو تصرف میں لا کر خوشحال اور پُروقار زندگی گزارتے ہیں اور جو محنت سے جی چراتے ہیں وہ زندگی کی دوڑ اور معاملات میں مؤثر کارکردگی کا مظاہرہ نہیں کر پاتے اور دنیا میں کوئی ایسا ذی شعور نہیں جس کا رزق اس دنیا میں مہیا نہ کیا ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ومامن دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا و یعلم مستقرھا و مستودعھا ط(۲۳)

ترجمہ: اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمے کرم پر نہ ہو اور وہ جانتا ہے کہ کہاں ٹھہرے گا اور کہاں سپرد ہوگا۔

جب اللہ تعالیٰ ہی رزق مہیا کرنے کا ذریعہ ہے تو اسی سے طلب کیا جائے اور اسی سے اپنی حاجت روائی کی استدعا کی جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

واللہ خیر الرازقین (۲۴)

ترجمہ: اور اللہ بہتر رزق دینے والا ہے۔

اللہ کا فضل تلاش کرنے میں اس بات کو ہمیشہ پیش نظر رکھا جائے کہ حلال اور طیب روزی کے ذرائع اور وسائل کو استعمال میں لایا جائے کیوں کہ اللہ تعالیٰ حرام اور ناپسندیدہ ذرائع سے حاصل کی ہوئی روزی کو ناپسند فرماتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یا ایھا الذین اٰمنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا ط (۲۵)

ترجمہ: اے ایمان والوں اپنے آپ کو اور گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔

جہنم کی آگ سے بچاؤ کی تدبیر اور حکمت اسی میں پوشیدہ ہے کہ اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر عمل پیرا ہونے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔ مال کی حرص اور افلاس کے ڈر سے نہ خود گناہ میں ملوث ہو اور نہ گھر والوں کو اس کا ایندھن بنائے۔ مشائخ وعلماء عظام نے ہمیشہ حلال روزی کمانے کو ترجیح دی ہے اور اپنی تبلیغ میں اسی نقطہ نظر کو ہمیشہ سرِ فہرست رکھا کہ مسلمان باطنی بیماریوں سے دور رہنا چاہتے ہیں تو حرام کے لقمے کو ہر ممکن طریقے سے ترک کر دیں۔ بوعلی شاہ قلندر مثنوی میں ایک جگہ فرماتے ہیں:

لقمہ شبہ چو افتد در شکم

قوت اوے کند سر رشتہ کم (۲۶)

ہندوستان چونکہ ایک زرعی ملک ہے اور اس کی بیشتر آبادی دیہات اور قصبوں میں رہائش پذیر ہے اس لئے یہاں کے اکثر لوگوں کا ذریعہ معاش زراعت ہے اس کے علاوہ تجارتی لین دین سے بھی ہندوستانی آشنا تھے اس لئے دور دراز کے علاقوں میں اس غرض سے آتے جاتے تھے۔ پانی پت کے مکین بھی زراعت اور تجارت کے شعبے سے وابستہ تھے۔ اس ضمن میں محمود الحسن عارف کہتے ہیں:

''پانی پت کے زیادہ تر لوگ زراعت کے پیشے سے وابستہ ہیں یہاں کے زمینداروں میں مخدوم زادے، انصاری، افغان اور راجپوت شامل تھے۔ یہاں کا دوسرا ذریعہ معاش تجارت تھا (اور ہے) یہ شہر بالخصوص اجناس کی غلہ منڈی کے طور پر مشہور تھا۔ یہاں کے ساہوکاروں کا کاروبار کئی ملکوں میں پھیلا ہوا تھا۔ اور یہاں کے بازار پر از تجارت تھے'' (۲۷)

یہاں ہم برصغیر کے مسلم حکمرانوں کے طرز عمل اور طرز حکمرانی کا جائزہ لیتے ہیں کہ کس طرح یہاں کے مسلم حکمرانوں نے ایک غیر مسلم آبادی پر حکمرانی کی اور انہیں کیا کیا سہولتیں فراہم کیں تاکہ تعصب کی عینک پہن کر تنگ نظر اور دقیانوس ہونے کا مسلمانوں پر الزام لگانے والوں کی آنکھیں کھل جائیں اور وہ خود کو روشن خیال اور کھلے ذہن کا کرتا دھرتا نہ کہلوائیں۔ نیز یہاں کے باشندگان کے سیاسی معاشرتی حالات کا بھی بخوبی اندازہ ہو اور اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے دور انحطاط کی بھی ایک جھلک دیکھنا ہے تاکہ مجموعی اور بالخصوص پانی پت پر پڑنے والے اثرات کا اندازہ ہو سکے۔

برصغیر کے سیاسی و معاشرتی حالات:

ہندوستان کے مسلم حکمرانوں پر نظر ڈالی جائے تو کم و بیش ۴۸ حکمرانوں نے ساڑھے چھ سو سال ہندوستان پر حکومت کی ہے، اگر بادشاہان دہلی پر طائرانہ نظر ڈالی جائے تو باہمی کشت و خون، محلاتی سازشوں اور ملک گیری کے جذبہ سے قطع نظر عوامی فلاح و بہبود کو ہمیشہ پیش نظر رکھا لہٰذا ہم دیکھتے ہیں اقتصادی، فلاح و بہبود کیلئے نرخ مقرر کرنا، کسانوں کو قرضے دینا، نہروں کا جال بچھانا، شفاخانے بنوانا، انسداد بے روزگاری، یتیموں اور بے سہارا لوگوں کی سرپرستی کرنا، خیراتی ادارے قائم کرنا جیسے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ سید عبدالرحمن کہتے ہیں:

> ''فیروز شاہ نے نہروں کا بڑا اچھا انتظام کیا اور ملک کی خوشحالی خاطر خواہ طور پر بڑھادی یہاں تک کہ ضروریات زندگی کی تمام چیزیں نہ صرف دارالسلطنت بلکہ پورے ملک میں فراوانی کے ساتھ میسر ہو جاتی تھیں۔ ایسے قوانین بنائے جس سے رعایا مطمئن اور آسودہ حال ہو گئی'' (۲۸)

بادشاہان دہلی کا واسطہ ایک ایسی سوسائٹی سے پڑا تھا جو کہ بتوں کو پوجتی تھی مختلف ذاتوں میں تقسیم تھی اور معاشرتی لحاظ سے ہندو راجاؤں کے ظلم و ستم کا شکار تھی ان حالات میں بادشاہان دہلی نے رواداری کا سلوک کیا اور زندگی کے ہر شعبہ حیات میں انہیں سہولتیں بہم پہنچائیں۔ سنت نبوی ﷺ کی پیروی اور اقتداء میں مذہبی رواداری کا ایسا ماحول پیدا کیا کے ہر شخص اپنے مذہبی جذبات کا اظہار کھلم کھلا کر سکتا تھا اور اسمیں کسی قسم کی پابندی اور زور زبردستی نہ تھی۔ اگر کوئی شخص یہ الزام عائد کرتا ہے کہ ہندوستان میں مسلم حکمرانوں نے تلوار کے زیر سایہ اپنی فتوحات کو برقرار رکھا تو یہ سراسر ظلم و ناانصافی اور تاریخی حقیقت کو جھٹلانا ہے۔ اس ضمن میں صباح الدین عبدالرحمن کہتے ہیں:

> ''مسلمانوں نے اپنی فتوحات کو اپنی تلواروں کے ذریعے برقرار رکھا تو کم از کم

ہندوستان میں اسکا اطلاق نہیں ہوتا۔قطب مینار کی پہلی منزل میں قرآنی آیت لااکراہ فی الدین لکھی ہے۔یعنی مذہب کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ مسلمانوں میں مذہبی رواداری تھی اوراپنی رعایا کے مذہبی جذبات کا خیال تھا''۔(۲۹)

مذکورہ بالا اقتباس کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مسلم حکمرانوں نے اپنی رعایا کا ہر ممکن خیال رکھا اوران کی خدمت کو اپنا مقصود بنایا لہٰذا مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہندو رعایا بھی اہلیت وقابلیت کی بنیاد پر حکومتی عہدوں پر فائز تھی۔غرض ہر ایک کو ترقی کے یکساں مواقع فراہم تھے۔رواداری اور حسن سلوک کا اندازہ ذیل کے اقتباس سے بخوبی ہوتا ہے جس میں محمد میاں اظہار کرتے ہوئے فرمائے ہیں:

''عالمگیر کو کسی شخص نے عرضی دی کہ دو پارسی ملازموں کو جو تنخواہ تقسیم کرنے پر مقرر تھے اس علت پر برخاست کر دیا جائے کہ وہ آتش پرست ہیں اور انکی جگہ کسی تجربہ کار معتبر مسلمان کو مقرر کیا جائے کیونکہ قرآن شریف میں آیا ہے۔(یا ایھاالذین آمنو لا تتخذوا عدوی و عدوکم اولیاء) اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت جانو۔عالمگیر نے عرضی پر حکم لکھا کہ مذہب کو دنیا کے کاروبار میں دخل نہیں اس قول کی تائید میں آیت لکھی (لکم دینکم ولی دین) تم کو تمھارا دین اور ہم کو ہمارا دین۔''(۳۰)

مغلیہ سلطنت کا زوال اور مسلمانوں کا دورِ انحطاط:

مغلیہ سلطنت کا زوال اور مسلمانوں کے دور انحطاط کی کئی وجوہات ہیں اگران سب پر قلم اٹھایا گیا تو ایک علیحدہ تاریخ رقم ہو جائیگی جو کہ اس مقالے کا موضوع نہیں ہے۔یہاں ہمیں دور انحطاط میں سیاسی ومعاشرتی حالات کا اختصاراً جائزہ لیکر ہندوستان پر پڑنے والے مجموعی اثرات اور عمومی طور پر پانی پت کے علاقے پر اسکے اثرات کا جائزہ لینا مقصود ہے۔

مغل حکومت کی بھاگ دوڑ کا دارومدار وراثتی بادشاہت پر مبنی ہے لہٰذا بابر سے عالمگیر تک ایک ہی خاندان کے چشم وچراغ سلطنت کی بھاگ دوڑ سنبھالتے رہے۔عالمگیر کی وفات کے بعد وراثتی جانشین شاہ عالم اول (۱۱۱۸ھ/۱۷۱۱ء) سے شاہ عالم ثانی (۱۲۱۸ھ/۱۸۵۳ء) انگریزوں کے حصول تک تقریباً نو (۹) بادشاہ یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے (۳۱) یہ بادشاہ سپہ گری سے ناواقف، نااہلی، کم علمی اور بزدلی سے لبریز اور عیش وعشرت کے دلدادہ تھے نتیجتاً وہ کارنامے انجام نہ دے سکے جس کی توقعات حکومتی اداروں سے

وابستہ ہوتی ہیں۔لہٰذا یہ وراثتی جانشین امراء کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنے رہے۔امراء سلطنت کے سفید وسیاہ کے مالک بن بیٹھے۔ذیل میں چند اقتباس سے ان حالات پر روشنی پڑتی ہے۔

''جہاں دار شاہ کے عہد ناپائیدار میں فسق وفجور کی بنیاد پوری مستحکم ہوگئی قوالوں اور کلاوتوں اور ڈھاریوں کے گانے اور راگ کا بازار گرم ہوا''۔(۳۲)

''عالمگیر کے انقلاب میں عالمگیر کا نام آتا ہے۔اس کے اعوان اور انصار کا نام بھی کوئی نہیں جانتا لیکن فرخ سیر کے انقلاب کی بھاگ دوڑ حسین علی خاں اور عبداللہ خاں کے ہاتھ میں تھی اور فرخ سیر ان کا تابع تھا''۔ (۳۳)

''محمد شاہ کے لڑکے احمد شاہ کے عہد میں تو حکومت کا نقشہ اور بھی بدل گیا اس کی ماں اودھم بائی ایک نو مسلم طوائف تھی وہ اودھم بائی سے نواب قدسیہ صاحب زمانی حضرت قبلہ عالم ہوگئیں اور پانچ لاکھ سوار کے منصب سے سرفراز کی گئی۔اس کی ڈیوڑھی میں دربار لگتا اور سلطنت کے تمام کام انجام پاتے''۔(۳۴)

اسلام کی تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی مسلمانوں پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹے ہیں اس کی ابتداء گھر والوں سے ہوئی یعنی گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے بمصداق مسلمانوں کی عظیم سلطنت باہمی جھگڑوں، کشمکش اور عیش وعشرت کی بدولت لرزہ براندام ہوگئی اور چاروں طرف سے انحرافی اور سرکشی کے بادل منڈلانے لگے۔سلطنت دہلی کی جاہ وحشمت، رفعت وبلندی پستیوں اور محکومیت کو چھو رہی تھی نتیجتاً ہر شعبہ حیات شکست وریخت سے دوچار تھا اور اندرون وبیرونی طوفان دہلی کی طرف اٹھتا چلا آرہا تھا۔مناظر احسن گیلانی کہتے ہیں:

''حضرت شاہ ولی اللہ (۱۷۰۳ء تا ۱۷۶۳ء) کے زمانہ حیات میں چاروں طرف اسلام نرغے میں گھرا چلا جاتا تھا شمال مغربی علاقوں میں سکھوں کی آتشیں قوت سر اٹھا رہی تھی جنوب ہند سے مرہٹوں کا سیلاب ٹھاٹھیں مارتا ہوا ملک کے ''اعزہ'' کو ''اذلہ'' میں بے دردی سے سرگرم تھا۔دونوں قوتوں میں باہم جو کچھ بھی اختلاف ہو لیکن محمد ﷺ کے آثر ونشانات ان کے نام لیوا اور وابستوں حلقہ بگوشوں کا بلکلیہ قلع قمع کرنے پر دونوں ادھار کھائے بیٹھے تھے۔تیسری طرف خلیج بنگال کے ساحلی علاقوں سے مغربی قوتیں بتدریج اپنا پنجہ ملک پر جماتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھیں اور یہ تو بیرونی فتنے تھے اندرونی ایرانی اور تورانی پھران کے ساتھ روہیلوں کے باہمی تصادم اور مختلف اغراض ومقاصد کی کش مکش سے ''اسلامی حکومت ہند'' کی قبا تار تار

ہورہی تھی"۔ (۳۵)

ناکارہ حکمرانوں کی نفاق پروری، مفاد پرستی، راحت پسندی، جدید طریقہ جنگ سے ناواقفیت نیز رعایا پروری کے بجائے باہمی جنگ وجدل اور لوٹ مار کا منطقی انجام بیرونی حملہ آوروں کا ملک پر قبضہ جمانا ہے۔ دیکھتے دیکھتے اندرونی قوتیں کھوکھلی ہوکر منتشر ہوگئیں انگریز نے موقع غنیمت جان کر پورے ملک پر قبضہ جمالیا۔ اندرونی مزاحمتیں منتشر ہوکر ٹوٹ پھوٹ گئیں۔ انگریز نے زمام اختیار سنبھالتے ہی ایسے قواعد و ضوابط لاگو کیئے جو ہندوؤں کیلئے عموماً اور مسلمانوں کیلئے بالخصوص عداوت کا باعث تھے۔ نیز انگریز نے حکومت کرو اور لڑاؤ کی پالیسی کو ہمیشہ ترجیح دی۔ انگریز کی ان پالیسیوں کے باعث ۱۸۵۷ء میں غدر کا واقع رونما ہوا۔ انتقاماً انگریز نے ملت اسلامیہ کی خصوصاً بڑی تذلیل کی۔ ہاشمی فرید آبادی کہتے ہیں:

"غدر ۱۸۵۷ء کا بدلہ لینے میں انگریز نے وحشیانہ قتل عام، تارابی، غارت گری، خبطیاں قرقیاں، خانہ بربادیاں، جلاوطنیاں کیں ان میں مسلمانوں کو نسبتاً کہیں زیادہ نقصان پہنچایا اور ظلم وتعدی کا خاص نشانہ بنایا" (۳۶)

اٹھارویں صدی کے اختتام اور انیسوی صدی کے اوائل میں انگریزوں کے خلاف ہندوستان میں متحدہ قوم کی حیثیت سے ہندو اور مسلمانوں نے آزادی کی تحریک برپا کی مگر مسلم اکابرین نے ہندوں اور انگریزوں کے ارادوں کو بھانپ لیا اور مسلمانوں کیلئے ایک الگ تنظیم مسلم لیگ ۱۹۰۶ء میں قائم کی جس نے مسلمانوں کیلئے ان کے اکثریتی علاقوں پر مبنی ایک علیحدہ وطن پاکستان کا مطالبہ کیا۔ قیام پاکستان کی تحریک میں ہندوستان کے مسلمانوں کو شہر شہر قریہ قریہ ہزیمت، تباہی و بربادی کا سامنا کرنا پڑا۔ بلوہ، فسادات اور لوٹ مار روزمرہ کا معمول بن گیا نتیجتاً ہندوستان سے مسلمانوں کا انخلاء شروع ہوگیا۔ پانی پت جو کبھی یگانگت و بھائی چارہ، علماوصلحاء اور قرآن کی تدریس کا عظیم مرکز تھا۔ مسلمانوں کے انخلاء سے خالی ہوگیا۔

مجلسیں قائم تھیں شعروسخن کی کوبکو
تیرے علم وفن کا شہرہ تھا جہاں میں چار سو
اب کہاں جاتی ہے وہ ماحول وہ شعروسخن
خواب ہو کر رہ گئیں ساری روایات کہن
گود نے پالے تھے تیرے کس قدر اہل کمال
تجھ کو بخشا تھا انہیں لوگوں نے لاج لازوال
اب نہ پیدا ہوں گے یہ بطل جلیل اس خاک سے
نام روشن تیرا ہم رکھیں گے ارض پاک سے" (۳۷)

پانی پت کے مزارات:

مسلمان فاتحین جب ہندوستان میں وارد ہوئے تو اپنے ساتھ علم وادب فنون وحرفت، تہذیب و تمدن، خلوص ومحبت، رواداری ومساوات اور صنعت وتجارت بھی لائے۔غرض زندگی کے ہر شعبے حیات میں انہوں نے تعمیر وترقی کو مقصد حیات بنایا۔خصوصاً فن تعمیر میں ایسے کارہائے نمایاں انجام دیئے کہ تاریخ کا عجوبہ روزگار بن گئے، فن تعمیر میں اسلامی حمیت اور شعائر کو چار چاند لگادیئے۔آج ہمیں ہندوستان میں قریہ قریہ،شہر شہر مساجد، مقبرے، محلات اور قبے نظر آتے ہیں۔فن تعمیر کے یہ فن پارے اسلامی معاشرت کوفروغ دینے اور اسلام کی شان وشوکت کی گواہی دیتے ہیں۔صباح الدین عبدالرحمن کہتے ہیں:

> ''محلات خصوصاً مقبروں کے بنانے میں جو اسراف کیا جاتا تھا وہ اسلامی نقطۂ نظر سے کبھی جائز نہیں قرار دیا جاسکتا لیکن اسکو بناتے وقت نہ صرف حکمران بلکہ معمار بھی محسوس کرتے کہ وہ اسلامی فن تعمیر کوفروغ دیکر اسلام کی شان وشوکت میں اضافہ کررہے ہیں اور آج تاج محل کو دینی نقطہ ءنگاہ سے کتنا ہی بدعت اور اسراف تصور کیا جائے لیکن بڑے سے بڑا متقی اور منکشف عالم بھی اسکے اندر پہنچ کر یہ محسوس کرنے پر مجبور ہوتا ہے کہ اس نادرہ روزگار عمارت کے ذریعے سے اگر اسلام کا نہیں تو اسلام کے نام لیواؤں کے جلال وجبروت اور عظمت وشوکت کا سکہ دلوں پر ضرور بیٹھا''۔(۳۸)

پانی پت ہندوستان کے ان شہروں میں سے ایک ہے جہاں ہمیں بزرگوں کے مزارات نظر آتے ہیں یہ مزارات پانی پت کی عظمت وشہرت، بندگی وبزرگی کے فن پارے ہیں۔ان فن پاروں کو دیکھنے کے بعد ماضی کے روشن میناروں کا تصور ذہن میں اجاگر ہوجاتا ہے اور دلوں میں ایسا مقدس نقشہ کھنچ جاتا ہے جس سے روحانی ونفسانی تسکین حاصل ہوتی ہے،۔یہ مینار اب بھی راہ ہدایت کے مسافروں اور راہ سلوک کے مبتدین کے لئے روشنی کی کرن ہیں۔

(الف) حضرت بوعلی شاہ قلندر کا مزار:

بوعلی شاہ قلندرؒ کا مزار بہت وسیع وعریض ہے اور نہایت آراستہ مقبرہ ہے ان پر سنگ مرمر کا فرش ہے۔آٹھ ستون اس میں کسوٹی کے پتھر لگے ہیں مقبرہ میں مبارز خان کی قبر ہے مشہور ہے یہ ان کے محبوب تھے(۳۹) مزار کے صدر دروازے سے داخل ہوتے ہی بائیں ہاتھ ایک چبوترے پر مولانا الطاف حسین حالی کی قبر ہے قبر پر الٹرا ماڈرن طرز کی عمارت بنی ہوئی ہے۔مزار کے عقب میں سجادہ نشینوں کی قبریں ہیں۔(۴۰)

(ب) حضرت شمس الدین ترک پانی پتیؒ کا مزار:

حضرت شمس الدین ترک پانی پتیؒ کا مزار شہر سے باہر ہے یہاں بھی دھوم دھام ہوتی ہے (۴۱) آپ کا مزار اسطرح بنا ہوا ہے کہ پچھلے کمرے میں مزار مبارک ہے اور اگلے کمرے میں ایک سکھ نے قبضہ کر کے وہاں گرنتھ صاحب رکھ کر اسے گوردوارہ بنالیا ہے۔ وہ اتنی مہربانی ضرور کرتا ہے کہ جب کوئی مسلمان حضرت کے مزار کی زیارت کیلئے آتا ہے تو وہ دروازہ کھول کر اسے مزار کی زیارت کروا دیتا ہے (۴۲)

(ج) حضرت جلال الدین کبیر الاولیاءؒ کا مزار:

موصوفؒ حضرت شمس الدین ترک پانی پتیؒ کے مرید اور حضرت احمد عبدالحق رودولویؒ کے مرشد تھے۔ ان کا مزار شاندار گنبد کے نیچے ہے۔ ان کے روضۂ مبارک کے صحن میں مولانا بقاء اللہ عثمانی پانی پتی (۴۳) کی آخری آرام گاہ ہے۔ (۴۴) حضرت جلال الدین کبیر الاولیاءؒ کے مزار کے کچھ فاصلے پر ایک چوکھنڈی میں دو قبریں ہیں۔ ان میں سے ایک قبر حضرت مرزا مظہر جان جاناں کی اہلیہ محترمہ کی ہے۔ اور دوسری قبر حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کی ہے محب اللہ پانی پتی نے ھم مکرمون فی جنت النعیم (م ۱۲۳۵ھ) ان کی تاریخ وفات نکالی ہے یہ چوکھنڈی مرور ایام سے ٹوٹ پھوٹ گئی تھی اور پانی پت سے مسلمانوں کی انخلاء کے بعد اس کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ حضرت زید ابوالحسن نے تعمیر کرایا۔ (۴۵)

(د) حضرت غوث علی شاہ قلندرؒ کا مزار:

حضرت غوث علی شاہ قلندرؒ کا مزار شہر سے باہر ان کی وصیت کے مطابق بنایا گیا ہے ان بزرگ نے ہمیشہ سیاحت میں عمر گزاری آخر کو شاہ بوعلی قلندرؒ کے مقبرہ میں قیام فرمایا اور یہیں انتقال فرمایا۔ (۴۶)

پانی پت کے مدارس:

اسلام نے علم کی اہمیت پر بہت زور دیا ہے لہٰذا آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کی بنیاد رکھنے کے بعد ایک دینی درسگاہ اصحاب صفہ کے نام سے قائم کی تاکہ صحابہ کرام (رضوان اللہ اجمعین) علم سے بہرہ ور ہو کر اسلامی خطوط کی روشنی میں اپنی زندگی گزار سکیں۔ اسلامی عہد کے جتنے شہروں کے نقشے اٹھا کر دیکھیں ہمیں جا بجا اسلامی درسگاہیں نظر آئینگی جہاں سے علم و فنون کے دریا بہائے گئے ہندوستان میں بھی سلاطین دہلی اور مغلیہ عہد میں بادشاہوں اور امراؤں کی زیر سرپرستی اور ذاتی حثیت میں کئی مدرسے قائم ہوئے علماء کا ایک طبقہ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے کاموں میں مصروف ہو گیا۔ ان علماء کی کاوشوں کے باعث تہذیب و تمدن، تعلیم و تعلم اور اشاعت اسلام کی بے مثال فضاء قائم ہوئی۔ صباح الدین عبدالرحمن اس ضمن میں کہتے ہیں:

''ہر زمانے میں سلاطین وامراء کی سرپرستی کی وجہ سے ملک میں بکثرت مدارس تھے ان معلمین کے وظائف خزانہ شاہی سے مقرر ہوتے تھے جہانگیر نے یہ قانون بنادیا تھا کہ اس کی مملکت میں جہاں بھی کوئی مالدار رئیس مرجاتا یا تاجر کسی جانشین یا وارث کے بغیر مرجاتا تو اس کی تمام جائداد اور املاک حکومت کی ملکیت ہوجاتی وہ مدرسوں اور خانقاہوں پر خرچ ہوتی''(۴۷)

مسلمانوں نے قرون اولی سے قرآن، حدیث، فقہ، سیرت اور دوسرے علم وفنون کی تعلیم وتعلم، تدوین واشاعت اور تحقیق وتنقید پر انتھک محنت کر کے اسلامی دنیا کی بے مثال خدمات انجام دی ہیں۔اور تاحال یہ سلسلہ جاری ہے اور قیامت تک جاری رہیگا کیونکہ اللہ تعالی نے ہر دور میں ایسے اساتذہ اور تلامذہ پیدا کئے کہ جنھوں نے علم کی شمع منور کر کے بندگانِ خدا کو ہدایت کا راستہ دکھایا اور ظلمت کی گہرائیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی سے روشناس کرایا۔ پانی پت جیسے مردم خیز علاقے میں مسلمانوں کی آمد کے بعد یہاں رشدوہدایت، درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کا ایسا سلسلہ شروع ہوا جو رفتہ رفتہ ترقی کرتے بام عروج پر پہنچ گیا۔ظہور الحسن قرآن کی تعلیم کے متعلق فرماتے ہیں:

''پانی پت میں تعلیم قرآن جاری ہونے کی بناء پر ایک خاص پانی پت لہجہ پیدا ہوگیا جسے بہت شہرت حاصل ہوئی''(۴۸)

آزادی سے قبل پانی پت تجوید وقرأت کا برصغیر پاک وہند میں ایک بڑا مرکز تھا جہاں اس فن پر علمی و تصنیفی کام ہوا اور بڑی مایہ ناز کتابیں تصنیف ہوئیں۔اس کے علاوہ حفظ قرآن کی فوج در فوج موجود تھی۔حفظ قرآن کا شوق جوانوں سے لیکر عورتوں میں بھی بے حد تھا۔شرفاء کے گھروں میں بچے بچیوں کا حفظ کرانے کا شوق بہت زیادہ تھا۔اس ضمن میں محمد اسلم کہتے ہیں:

''آزادی سے قبل پانی پت تجوید وقرأت کا سب سے بڑا مرکز تھا۔تقریباً تمام مسلمان مرد اور عورتیں قرآن کے حافظ تھے۔وہاں جب تک بچوں اور بچیوں کو قرآن حکیم حفظ نہیں کرالیتے تھے کسی اور کام میں نہیں لگاتے تھے۔''(۴۹)

قرآن کی محبت وعظمت اور شوق وشغف کی بدولت پانی پت کا ہر محلہ اور کوچہ تجوید وقرأت کا شیدائی تھا۔اس فن کو جلا بخشنے میں مدارس نے اہم کردار ادا کیا۔ذیل میں چند مدارس کا ذکر کرتے ہیں:

مدرسہ ۱۔اشرئیہ محلہ افغاناں مدرسہ ۲۔تعلیم القرآن محلہ قصاباں مدرسہ ۳۔رحمانیہ محلہ راجپوتاں واقع مسجد سرائے روشن الدولہ نزد شاہ ولایت قائم فرمودہ جناب حفیظ الدین، مدرسہ ۴ ارحمانیہ فرقانیہ محلہ انصار شاخ، مدرسہ ۵ رحمانیہ واقع جامع مسجد پانی

پت قائم فرمودہ جناب قاری عبدالسلام صاحبزادہ حضرت مولانا قاری محدث پانی پتی، مدرسہ ۶ تعلیم القران متصل چوک قلندر، مدرسہ ۷ فیض القران چاہ چوڑا، مدرسہ ۸ تعلیم القران محلہ گراں، مدرسہ ۹ حفظ القران، مدرسہ ۱۰ تعلیم القران محلہ مخدوم زادہ گاں، مدرسہ ۱۱ تعلیم القران واقع مسجد گوپاں والی محلہ ریتی، مدرسہ ۱۲ غربیہ گنبداں۔(۵۰)

تصوف کی تعریف تفہیم اور ذکر واذکار کی فضیلت:

(ا) تصوف کیا ہے؟

امام ابو بکر بن اسحق ؒ چوتھی صدی ہجری کے بزرگ تھے جنھوں نے صوفیہ کے عقائد اور احوال کی تعریف پر کتاب لکھی تھی اور وہ اس موضوع پر قدیم کتاب سمجھی جاتی ہے انہوں نے باب ۳۴ میں لکھا ہے:

''جنید بغدادی (م ۲۹۸ھ) فرماتے ہیں:۔ تصوف اوقات کی محافظت کرنے کا نام ہے اور حفظ اوقات پر ہے کہ بندہ اپنی حدود کے سوا کسی اور چیز کی طرف نگاہ نہ رکھے اور اپنے رب کے سوا کسی اور کا ساتھ نہ دے۔''

ابن عطاؒ (م ۳۰۹ھ) فرماتے ہیں: حق تعالیٰ کا مطیع اور فرمانبردار رہنے کا نام تصوف ہے۔

ابو یعقوب نہر جوری (م ۳۰۳ھ) کے استاد ابو یعقوب سوسیؒ کا فرمان ہے کہ صوفی وہ ہے جو کسی چیز کے چھن جانے سے بے قرار نہ ہو اور نہ کسی چیز کی تلاش میں اپنے آپ تھکائے۔

ایک بار کسی نے جنیدؒ (م ۲۹۸ھ) سے پوچھا: تصوف کیا ہے؟ فرمایا: باطن کا حق تعالیٰ کے ساتھ پیوست ہو جانا اور یہ کیفیت صرف اس وقت حاصل ہوتی ہے جب نفس، روح کی قوت اور حق کے ساتھ قائم رہنے کی وجہ سے اسباب سے بے تعلق ہو چکا ہو۔

کسی نے شبلی (م ۳۳۴ھ) سے دریافت کیا: صوفیوں کو صوفی کیوں کہا جاتا ہے؟ فرمایا: اس لیے کہ انھوں نے موجودہ طریقوں کو اپنایا اور اپنا خاص وصف ثابت کیا۔ اگر وہ پہلے طریقوں کو مٹانے کی رسم ڈالتے تو صوفی کو رسم ڈالنے والا کہا جاتا۔ ان کو ان کے وصف کے ثابت کرنے والے نے ان رسموں سے اتارا ہے۔ شبلیؒ نے اس بات سے انکار کیا ہے کہ محقق صوفی کی کوئی رسم ہوتی ہے یا کوئی وصف ہو سکتا ہے۔

ابو یزید طیورؒ (م ۲۶۱ھ) فرماتے ہیں: صوفی فدا کی گود میں بچے کی طرح ہوتے ہیں۔ امام قشیری ؒ نے بھی ایک عارف کے اوصاف پر کچھ بحث کی ہے۔ مثلاً: اوصاف توبہ، مجاہدہ، خلوت وعزلت، تقویٰ، ورع، زہد، خوف، رجا، جوع، ترک شہوۃ، خشوع وتواضع، مخالفۃ النفس، قناعت، توکل، شکر یقین، صبر، مراقبہ،

رضا، عبودیت، ارادت، استقامت، اخلاص، صدق ، حیا، ذکر، فتوت، فراست، جودوسخا، خلق، فقر، ادب صحبت، توحید، شوق وغیرہ۔(۵۱)

(۲) تصوف کی ضرورت واہمیت:

اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا راستہ بہت نازک اور دشوار ہے۔ کیونکہ نفس اور شیطان انسان کے کھلے دشمن ہیں۔ اور ہر وقت گھات لگائے انسان کو سیدھے راستے سے بھٹکانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ان النفس لامارۃ بالسوء الا ما رحم ربی ان ربی غفور رحیم (۵۲)

ترجمہ: بے شک نفس انسان کو برائی کی طرف لے جانے والا ہے۔ مگر جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ان الشیطان للانسان عدو مبین (۵۳)

ترجمہ: شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

نفس اور شیطان کی گمراہیوں سے بچنے کیلئے ضروری ہے کے کامل مرشد (شریعت وسنت کا جامع ہو) کی تلاش ضروری ہے۔ تا کہ قرب الٰہی کا حصول آسان ہو۔ لہٰذا مرشد کی تلاش اور بیعت کے بغیر چارہ نہیں۔ اس مقصد کے لئے خانقاہی نظام سے وابستہ ہونا ضروری ہے۔ جو کہ نفس اور شیطان کے حملوں سے بچنے کیلئے قلعوں کی مانند ہیں۔ ضروری ہے کہ بیعت کے معنی اور شرعی حیثیت کو پہلے جانیں۔

(الف) بیعت کے معنی:

بیعت اسم مونث، عہد باندھنا، اطاعت میں آنا، مرید ہونا، چیلا بنانا، معتقد ہونا۔(۵۴)

(ب) بیعت کی شرعی حیثیت:

احادیث اور سیرت کی کتب میں بیعت کا ذکر کثرت سے ملتا ہے جہاں آپ نے شرک، چوری، زنا اور جھوٹ سے ممانعت کیلئے بیعت فرمائی نیز صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصاص کیلئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ سے جاں نثاری کی بیعت فرمائی جس کا ذکر سورۃ فتح میں ان الفاظ میں ملتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم فمن نکث فانما ینکث علی نفسہ ومن اوفی بما عٰھد علیہ اللہ فسیؤتیہ اجرا عظیما (۵۵)

ترجمہ: بے شک (اے ﷺ) جو لوگ تجھ سے محبت کرتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ سے

بیعت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ پس جو اپنے اقرار کو توڑتا ہے اس کے توڑنے کا وبال اسی کی ذات پر پڑے گا۔ اور جس نے اللہ تعالیٰ کے اس عہد کو پورا کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو جلد بڑا بھاری ثواب عنایت کرے گا۔

(ج) کامل مرشد:

کامل مرشد سے مراد ایسا شخص جسے دیکھنے سے اللہ یاد آ جائے جو کہ شریعت وسنت کا متبع ہو نہ کہ خود بھی گمراہ ہو اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے لہٰذا قرآن ایسے لوگوں کی تلاش اور گمراہ لوگوں کی صحبت سے بچنے کیلئے فرماتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وابتغوا الیہ الوسیلۃ (۵۶)

ترجمہ: اللہ کی طرف پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرو۔

یا ایھا الذین اٰمنوا تقوا اللہ وکونو مع الصادقین (۵۷)

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ رہو۔

لا تطع منھم اثما او کفورا (۵۸)

ترجمہ: ان میں سے گناہگار اور کافر کی اطاعت مت کرو۔

لا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا واتبع ھوہ وکان امرہ فرطا (۵۹)

ترجمہ: اس شخص کی فرمانبرداری مت کر کہ جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے بھلا دیا اور اس نے اپنی خواہش کی پیروی کی اس کا کام حد سے بڑھا ہوا ہے۔

تصوف کی غرض وغایت:

تصوف کی اصل غرض وغایت اللہ کو راضی کرنا ہے۔ جسکا ذریعہ شریعت کے حکموں کو بجالانا ہے۔ ان میں سے ایک ظاہری اور دوسرا باطنی معاملات ہیں۔ سید زوار حسین شاہ کہتے ہیں:

"ظاہری معاملات میں فرض و واجبات، حلال وحرام، عبادت و معاملات کو احسن طریقے سے ادا کرنا۔ باطنی معاملات میں اللہ کا خوف اللہ سے محبت کرنا، راضی برضا رہنا اور حرص، طمع، لالچ، غصہ وغیرہ کا خاتمہ ہے"۔ (۶۰)

پس باطنی اعمال کا اثر ظاہری اعمال پر پڑتا ہے اگر باطنی اعمال صحیح نہیں ہیں تو ظاہری اعمال لازما درست نہیں ہونگے لہٰذا نفس وقلوب کے تزکیہ کیلئے ظاہری وباطنی اعمال کا درست ہونا ضروری ہے جس کیلئے مختلف سلاسل کے شیوخ نے مختلف ذکر واشغال تجویز فرمائے ہیں تاکہ نفس کی اصلاح ہو اور اللہ کا قرب حاصل رہے۔

راہ تصوف کے چار سلسلے معروف ہیں، سلسلہ نقشبندیہ، سلسلہ قادریہ، سلسلہ چشتیہ اور سلسلہ سہروردیہ، یہ چاروں سلسلے حضور اکرم ﷺ سے جا کر ملتے ہیں۔ ذیل میں ان کا تعارف درج ہے۔

(الف) ہندوستان کے مشہور سلاسل:

چشتیہ سلسلہ: چشتیہ ہندوستان کے بڑے مقبول اور با اثر صوفیوں کے سلسلوں میں سے ایک سلسلہ نام کی نسبت سے چشت ہے جو ہرات کے قریب ایک گاؤں ہے (بعض نقشوں میں اسے خواجہ چشت لکھا ہے) جہاں اس سلسلے کے حقیقی بانی خواجہ ابواسحاق شامیؒ اپنے روحانی پیشوا خواجہ ممشا دعلو دینوری (دینور ھمدان اور بغداد کے درمیان قیستان میں ایک جگہ ہے) کے ایماء پر آ کر آباد ہوئے۔ (۶۱) برصغیر پاک و ہند میں اس کا مبلغ خواجہ معین الدین سجزی چشتیؒ (۵۳۶ / ۱۱۴۱ء ۶۳۳ھ/ ۱۲۳۵ء) کو قرار دیتے ہیں جو بارہویں صدی عیسوی میں ہندوستان تشریف لائے اور اجمیر میں چشتی صوفیہ کا مرکز قائم کیا۔ آپ کے خلیفہ خواجہ بختیار کاکیؒ وفات (۶۳۳ھ/ ۱۲۳۵ء) تھے۔ پھر آپ کے خلیفہ بابا فرید الدین گنج شکرؒ وفات (۶۶۸ھ/ ۱۲۲۸ء) تھے۔ پھر ان کے ایک خلیفہ علی احمد صابرؒ جن کا مزار پیران کلیر میں ہے ان کے پیرو صابری چشتی کے نام منسوب ہیں دوسرے خلیفہ نظام الدین اولیاء وفات (۷۲۵ھ/ ۱۳۲۴ء) تھے جن کے پیرو نظامی کہلائے۔ (۶۲)

نقشبندیہ سلسلہ:

صوفی درویشوں کا ایک سلسلہ جس کو محمد بہاالدین بخاری (۱۳۱۷ء/ ۱۳۸۹ء) نے جاری کیا۔ نقشبند کے معنی مصور کے ہیں چونکہ آپ نے حقیقت کی صحیح تصور پر پیش کی اس واسطے ان کے مرید اس سلسلے کو نقشبندیہ کے نام سے پکارنے لگے۔ (۶۳) خواجہ صاحب نے شروع ہی سے ذکر خفی اختیار کیا اور اتباع سنت پر خاص زور دیا نیز صحانہ کرامؓ کے آثار کی اقتداء سے روگردانی کو بڑا خطرناک قرار دیا...... روحانی اعتبار سے یہ سلسلہ سمرقند و بخارا میں پوری طرح نشونما پا چکا تو حضرت خواجہ باقی اللہ (م ۱۰۱۲ھ/ ۱۲۰۳ء) جلال الدین اکبر کے عہد میں ہندوستان لائے۔ اسے اصل تقویت ان کے اولوالعزم مرید حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کی بدولت حاصل ہوئی جن کی وجہ سے یہ سلسلہ سلسلہ مجددیہ کے نام سے مشہور ہو گیا۔ (۶۴)

قادریہ سلسلہ:

قادریہ سلسلہ حضرت پیرانِ پیر غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ سے شروع ہوا جو ۱۱۱۶ء بغداد میں فوت ہوئے اور جن کے نام پر یہ سلسلہ قادریہ کہلاتا ہے۔ ہندوستان میں سب سے پہلے قادریہ

کے جس بزرگ کا نام ملتا ہے دکن کے شاہ نعمت اللہ قادری التوفی (۱۴۳۰ء) تھے۔ صحیح طور پر جس بزرگ نے ہندوستان میں اس سلسلے کو پھیلایا وہ حضرت مخدوم محمد گیلانی قدس سرہ تھے آپ حضرت غوث اعظم بغداد کی اولاد سے تھے۔ (۶۵)

سہروردیہ سلسلہ:

سلسلہ سہروردی کے بانی شیخ شہاب الدین سہروردی ہیں.... آپ سہرورد میں ۵۳۶ھ میں پیدا ہوئے لہٰذا اس سلسلے سے تعلق رکھنے والے سہروردی کہلائے.... سہرورد دراصل سہراب گرد یا سہراو گرد تھا۔ سہراب قدیم زمانے میں ایرانی گورنر تھا، اس لئے اس کے نام سے یہ قصہ مشہور ہوا بعد میں امتداد زمانہ سے اس کا نام بگڑ کر سہرورد ہو گیا۔ یہ قصبہ عراق عجم کے پہاڑی علاقے میں ایک ایسی سڑک پر واقع ہے جو ہمدان سے زنجان کی طرف جاتی ہے اور مغلوں کے نئے مرکزی شہر سلطانیہ سے شمال کی طرف ہے۔.... برصغیر ہند و پاک میں یہ سلسلہ حضرت بہاالدین زکریا ملتانی التوفی ۶۶۶ھ کے ذریعے گوشے گوشے میں پھیلا۔ (۶۶)

(ب) علماء کا تعلق تصوف:

سلاطین دہلی اور شاہانہ مغلیہ کے عہد میں دہلی اور دیگر شہروں میں مشائخ وعلماء اور دیگر اہل علم وفنون کا جم غفیر تھا جو اسلام کی اشاعت وتبلیغ اور اصلاح وتطہیر میں مصروف رہے۔ مشائخ شاہی دربار کی زندگی سے دور لوگوں سے اپنے کردار وعمل سے دین کی دعوت وتبلیغ دیتے جبکہ علماء کا ایک طبقہ صدر الصدور، قاضی القضاء کے عہدوں پر فائز ہو کر شرعی حدود کی محافظت اور عدل وانصاف کے شعبے سے وابستہ ہو گئے دوسرا طبقہ درس و تدریس اور تصنیف وتالیف میں مشغول ہو گیا۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے مشائخ شاہی دربار کی زندگی سے دور اسلام کی تبلیغ واشاعت میں مصروف رہتے ان کی خانقاہوں پر ہر طبقے کا آدمی ملتا یہاں تک کہ وقت کا سلطان بھی ان کی خانقاہوں پر حاضری کو اپنی سعادت سمجھتا تھا۔ پروفیسر معین الدین کہتے ہیں:

> ''جب فیروز شاہ تغلق کو اطلاع ہوئی کہ اس کے دور حکومت میں ایک عالی مرتبت بزرگ حضرت جلال الدین کبیر الاولیاء پانی پتؒ موجود ہیں.... تو وہ اپنے شیخ مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی اجازت سے آپکی خدمت میں حاضر ہوا اور رخصت ہوتے وقت کافی نقد وجنس طشت میں رکھ کر بطور نذر حضرت کو پیش کیا حضرت نے یہ کہہ کر انکار کا کر دیا ہم فقیر ہیں دربان اور پاسبان کہاں اس کی حفاظت کرے گا یہ سب آپ ہی کو زیب دیتا ہے آپ رکھیں مجھے معاف فرمائیں'' (۶۷)

یہ خرقہ پوش فقراء اگر چہ ملکی سیاست اور نظام حکومت سے دور رہتے تھے مگر بے شمار بندگانِ خدا کے دلوں پر حکومت کرتے تھے انہوں نے اپنے کردار و سیرت، خدمت خلق، خلوص و محبت اور قول وعمل سے غیر مسلموں کو نہ صرف اسلام کی طرف راغب کیا بلکہ مسلمانوں کی اصلاح کر کے اسلام کی محبت کو دلوں میں سمو دیا۔ سید معین الدین اس ضمن میں کہتے ہیں:

''مشائخ نے لوگوں کو مادی نجاستوں اور آلائشوں سے پاک وصاف کیا، ٹوٹے دلوں کو جوڑا انکو برائیوں سے بچایا اور بھلائیوں کے راستے پر لگایا، اخلاص و محبت کا سبق پڑھایا خدمت خلق اللہ کی تلقین کی جس سے وہ لوگوں کے دلوں پر چھا گئے کہ شاہ و گدا، امراو غرباء، مسلم و غیر مسلم سب ان کے سامنے جھکنے لگے۔'' (۶۸)

صوفیاء کرام کا الگ تھلگ رہنے سے مراد ترک دنیا لازم نہیں آتا بلکہ دنیوی آلائش سے دور اسلامی معاشرہ کی تشکیل اور تعمیر میں ان کا کردار بھرپور انداز میں نظر آتا ہے۔ ان کے پاکیزہ سیرت و کردار سے لوگ جوق در جوق اسلام کے دائرے میں داخل ہونے لگے۔ سید عبدالرحمن اس ضمن میں کہتے ہیں:

''حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ نے پانی پت میں تین سو (۳۰۰) راجپوتوں کو مسلمان کیا۔'' (۶۹)

مشائخ اور دعوت اتباع شریعت واحیائے سنت اور اقامت دین:

مشائخ نے اپنے مریدین کو شریعت کی اتباع اور سنت نبوی کی پیروی کے لئے بے حد زور دیا ہے۔ تصوف کی اصل غرض و غایت ہی شریعت کی اتباع اور سنت نبوی کی پیروی ہے تاکہ مسلمان دین میں پورے پورے داخل ہو جائیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ عہد اکبری میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اقامت دین، پابندی شریعت اور احیائے سنت کے لیے شاندار کوششیں کیں۔ اولاً امراء کے ذریعے حکومتی فتنہ انگیزیوں اور کفار کے بڑھتے ہوئے غلبے کی روک تھام کی، ثانیاً اسلامی تعلیمات کو پھر سے زندہ کر کے شریعت و سنت کی ترویج واشاعت کے لئے جدوجہد کی، ثالثاً دنیاوی علماء (علماء سو) جن کی بدولت اسلام روز بروز ضعیف ہو رہا تھا اور اسلامی شعائر کا سر عام مذاق اڑایا جا رہا تھا آپ نے ان علماء کا راستہ روکا، رابعاً تصوف کی آڑ میں اسلامی تعلیمات کی غلط تعبیر کی اصلاح فرمائی اور سنت نبوی اختیار کرنے پر زور دیا اس کے ساتھ ساتھ اپنی خانقاہ میں لوگوں کے نفس وقلوب کی تطہیر کا کام بھی جاری رکھا۔ اس عظیم کام کے لئے آپ نے مکتوبات کا سہارا لیا لہٰذا مکتوبات میں فرماتے ہیں:

''بادشاہ نسبت بعالم در رنگ دل است نسبت بہ بدن کہ اگر دل صالح است بدن صالح

است و اگر فاسد است فاسد صلاح بادشاہ صلاح عالم است و فساد او فساد عالم" (۷۰)
(مکتوب نمبر: ۴۷ بنام شیخ فرید)

"نصیحتے کہ بدوستان سعادتمند نمودہ مے آید اتباع سنت سنیہ است و اجتناب است بدعت نامرضیہ است ہر کہ احیائے سنتے از سنن نماید کہ متروک العمل گشتہ است آنکس راثواب صد شہید ست"

(۷۱) (مکتوب نمبر: ۸۷)

سلاطین دہلی اور عہد مغلیہ میں مشائخ و علماء کی کاوش رہی کہ مسلمانوں کے بنیادی عقائد اور داخلی تصورات ہر طرح سے محفوظ رہیں اس لئے وعظ و تلقین، درس و تدریس اور علمی و تصنیفی سرگرمیاں جاری رہیں مجددؒ کی اتباع شریعت اور احیائے شریعت اور احیائے سنت کی تحریک سے کئی علماء متاثر ہو کر اپنی ذہنی و فکری صلاحتیں وقف کر دیں۔

محمود الحسن عارف اس ضمن میں کہتے ہیں:

"قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے مجددؒ کی برپا کردہ تحریک اصلاح اور احیائے اسلام سے تعارف حاصل کیا اور پھر اس تحریک میں شامل ہو کر اس کے لئے اپنی تمام ذہنی اور فکری صلاحتیں وقف کر دیں۔" (۷۲)

غرض علماء مشائخ اپنے اپنے دائرہ اختیار میں اپنے رہتے ہوئے دین کی تبلیغ و اشاعت میں ہمہ تن مصروف رہے تا کہ اللہ کی مخلوق کو خالق حقیقی کے بتائے ہوئے راستے پر گامزن رکھیں اور شیطان و ابلیسی قوتوں کے چنگل میں پھنسے نہ دیں۔

قران وحدیث کی روشنی میں ذکر کی فضیلت:

ارشاد باری تعالی ہے:

فاذکرونی اذکرکم (۷۳)

ترجمہ: تم مجھے یاد رکھو میں تمھیں یاد رکھوں گا۔

واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا (۷۴)

ترجمہ: اور آپ اپنے رب کے نام کو یاد کرتے رہا کیجیے اور ہر طرف سے لاتعلق ہو کر ان ہی کی طرف متوجہ رہیے۔

الابذکر اللہ تطمئن القلوب (۷۵)

ترجمہ: خوب سمجھ لو اللہ تعالی کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان ہوا کرتا ہے۔

الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبھم (۷۶)

ترجمہ: عقلمند لوگ وہ ہیں جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ہر حال میں اللہ تعالی کو یاد کرتے ہیں۔

واذکر ربک فی نفسک تضرعا وخیفة ودون الجھر من القول باالغدو والاصال ولا تکن من الغافلین (۷۷)

ترجمہ: اور صبح و شام اپنے رب کو دل ہی دل میں عاجزی، خوف اور پست آواز سے قران کریم پڑھ کر یا تسبیح کرتے ہوئے یاد کرتے رہیے اور غافل نہ رہیے۔

احادیث:

عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ قال: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: یقول اللہ تعالی: ان عندظن عبدی بی۔ وانا معہ اذا ذکرنی فان ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی۔ وان ذکرنی فی ملإ ذکرتہ فی ملا خیر منھم، وان تقرب الی شبراً تقربت الیہ ذراعا، وان تقرب الی ذراعا، تقربت الیہ باعا، وان اتانی یمشی اتیتہ ھرولة۔ (۷۸)

عن ابی ھریرة رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: ان اللہ عزوجل یقول: انا مع عبدی اذا ھو ذکرنی وتحرکت بی شفتاہ۔ (۷۹)

قرآن وحدیث کی روشنی میں ذکر واذکار کی فضیلت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کیلئے سب سے بڑی نیک بختی یہ ہے کہ اللہ اسے اپنی یاد میں مصروف کردے اور یہی ذکر مشائخ و بزرگان دین کی پونجی اور پرہیزگاروں کا لباس ہے پس اسی ذکر میں لذت ہے جو عاشقوں کیلئے چراغ، طالبعلموں کیلئے مطلوب اور سالکوں کیلئے راہ سلوک ہے اور اسی میں دلوں کا اطمینان ہے۔

حوالہ جات

۱ سجان رائے بٹالوی ''خلاصہ التواریخ'' مترجم ناظر حسین زیدی، ڈاکٹر، مرکزی اردو بورڈ لاہور، مطبع ۱۹۴۴ء ص:۱

۲ The Imperial Gazetter of India vol xix, p: 397/398

۳ حکیم سید عبدالحئی، مولانا ''دہلی اور اسکے اطراف'' مرتبہ صادقہ ذکی، مکتبہ خلیل لاہور، مطبع ایڈیشن ۱۹۸۹ء: ص: ۲

۴ مولانا سید محمد میاں نے ''پانی پت اور بزرگان پانی پت'' ص:۴۹ پر تحریر کرتے ہوئے ہندوستان کے مشہور سپہ سالار اور فاتح راجہ ''ارجن'' کو پانی پت کا بانی قرار دیا ہے۔ جبکہ کسی اور ذرائع سے اسکی تصدیق نہیں ہوئی۔

۵ ''ہندوستان کے قدیم شہروں کی تاریخ'' وسیم احمد سعید، فیکٹ پبلکیشنز لاہور ص:۹۶

۶ ''سوانح فتحیہ'' طاہر رحیمی، مولانا، مسجد سراجاں حسین آگاہی ملتان، ۱۹۸۸ء، ص:۳۶

۷ ''خلاصہ التواریخ'' سجان رائے بٹالوی، مترجم ناظر حسین زیدی، ڈاکٹر، مرکزی اردو بورڈ لاہور ۱۹۴۴ء: ص: ۱۵۳

۸ ''طبقات اکبری'' نظام الدین خواجہ، مترجم: محمد ایوب قادری، اردو سائنس بورڈ مطبوع ۱۹۴۷ء: ص: ۳۸۰/۳۷۹

۹ ایضاً ص: ۳۶۹

۱۰ The Emperial Gazetter of India vol: IXX P:398

۱۱ ''منتخب التواریخ'' عبدالقادر، ملا بن ملوک شاہ بدایونی، اردو مترجم محمود احمد فاروقی، شیخ غلام علی اینڈ سنز، مطبع ۱۹۶۲ء ص: ۲۲۱/۲۲۰

۱۲ ''ظہیرالدین بابر اور انکا عہد'' حسین نواز، شیخ غلام علی اینڈ سنز، مطبع ۱۹۹۲ء ص: ۴۵۵

۱۳ محولہ بالا: ص: ۲۲۵

۱۴ احمد بشیر ''ظہیرالدین محمد بابر پادشاہ غازی'' اردو اکیڈمی سندھ ص: ۴۲/۴۱

۱۵ ''بابر (شیر ببر)'' سید ہاشمی فرید آبادی، شیخ غلام علی اینڈ سنز، مطبع ۱۹۶۹ء ص: ۲۱۳/۲۱۴

۱۶ ''طبقات اکبری'' نظام الدین، خواجہ، اردو مترجم محمد ایوب قادری، اردو سائنس بورڈ، مطبوعہ ۱۹۹۰ء ص: ۱۵۹

۱۷ اردو انسائیکلو پیڈیا، فیروز سنز (مطبوعہ اول ۱۹۶۲ء) طبع ثانی ۱۹۲۸ء ص: ۳۸۰

۱۸ ''تاریخ مسلمانان پاکستان اور بھارت'' ھاشمی فرید آبادی، جلد اول، انجمن ترقی اردو ص: ۲۱/۴۲۰

۱۹ ''منتخب التواریخ'' عبدالقادر، ملا، اردو مترجم محمود احمد فاروقی، شیخ غلام علی اینڈ سنز، مطبوعہ ۱۹۶۲ء ص: ۳۳۳

۲۰ ''تاریخ مسلمانان پاکستان اور بھارت'' ہاشمی فرید آبادی، جلد دوم، انجمن ترقی اردو، مطبوعہ ۱۹۵۳ء ص: ۳

۲۱ ''تاریخ پاک و ہند'' عبدالرسول، صاحبزادہ، حصہ دوم، ایم آر برادرز، مطبوعہ ۱۹۶۶ء ص: ۲۴۰

۲۲ ''تاریخ پاک و ہند'' ایم اے قدوس اور سعید احمد اطہر، کتاب مرکز اردو بازار لاہور، مطبوعہ ۱۹۶۷ء ص: ۱۷

۲۳ القرآن ۱۱:۶

۲۴ القرآن ۶۲:۱۱

۲۵ القرآن ۶۶:۶

۲۶ ''مثنوی بو علی شاہ قلندر'' بو علی شاہ قلندر، مطبع مجیدی کانپور، ۱۳۳۹ھ، ص: ۸

۲۷ ''تذکرہ ثناء اللہ پانی پتی'' ڈاکٹر محمود الحسن عارف، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۹۵ء، ص: ۲/۳

۲۸ ''ہندوستان کے عہد وسطی کی ایک جھلک'' صباح الدین عبدالرحمن، سید، معارف پریس اعظم گڑھ، مطبوعہ ۱۹۵۸ء، ص: ۳۰۶

۲۹ ایضاً ص: ۴۳۶

۳۰ ''ہندستان شاہان مغلیہ کے عہد میں'' سید محمد میاں، مولانا، برہان اردو بازار دہلی، مطبوعہ ۱۹۶۴ء، ص: ۴۲

۳۱ ''تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت'' جلد دوم، ہاشمی فرید آبادی، سید، انجمن ترقی اردو، مطبوع ۱۹۵۳ء: ص: ۲۱

۳۲ ''ہندستان شاہان مغلیہ کے عہد میں'' سید محمد میاں، مولانا، برہان اردو بازار دہلی، مطبوعہ ۱۹۶۴ء: ص: ۱۶۰

۳۳ ''ہندستان شاہان مغلیہ کے عہد میں'' سید محمد میاں، مولانا، برہان اردو بازار دہلی، مطبوعہ ۱۹۶۴ء: ص: ۱۷۵

۳۴ ''ہندوستان کے سلاطین علماء و مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر'' صباح الدین عبدالرحمن، سید، معارف پریس اعظم گڑھ، مطبوعہ ۱۹۹۴ء، ص: ۸۴

۳۵ ''تذکرہ شاہ ولی اللہ'' مناظر احسن گیلانی، مولانا، نفیس اکیڈمی کراچی، مطبوعہ ۱۹۵۹ء، ص: ۲۵۲

۳۶ ''تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت'' ہاشمی فرید آبادی، سید، جلد دوم، انجمن ترقی اردو: مطبع ۱۹۵۳ء، ص: ۳۴۸

۳۷ ''پانی پت اور بزرگان پانی پت'' سید محمد میاں، مولانا، جمعیت پبلیکشنز: مطبوعہ ۱۹۶۴ء، ص: ۲۲۱

۳۸ ''ہندوستان کے سلاطین، علماء اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر'' صباح الدین عبدالرحمن، سید، معارف پریس اعظم گڑھ، مطبوعہ ۱۹۶۴ء، ص: ۴/۳

۳۹ ''دہلی اور اس کے اطراف'' عبدالحئی، مولانا، مرتبہ صادقہ ذکی'' مکتبہ خلیل لاہور، مطبوعہ ۱۹۸۹ء، ص: ۱۷

۴۰ ''سفرنامہ ہند'' محمد اسلم، پروفیسر، ریاض برادر لاہور، مطبع ۱۹۹۵ء، ص: ۳۹۳

۴۱ محولہ بالا، ص: ۷۲

۴۲ محولہ بالا،ص:۳۹

۴۳ ۱۹۴۷ء پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد ہندوستان کے جن شہروں میں ہنگامے فسادات، لوٹ مار اور بلوں ہوئے جن بناء پر ان شہروں سے مسلمانوں کا مکمل انخلاء ہوا ان بدقسمت شہروں میں پانی پت بھی شامل فہرست ہے۔ ان حالات میں مولانا لقاء اللہ عثمان پانی پتی مرحوم نے تن تنہا تگ ودو اور جدوجہد کر کے مسلمانوں کی آبادکاری، مغویہ عورتوں کی بازیابی، جائدادوں کی واپسی، اوقاف کی واگزاری اور مسلمانوں کی ارتداد سے واپسی جیسے امور کو بخیر وخوبی اپنے رفقاء اور غم خواروں کی معاونت ومشورے سے انجام دیئے۔ (دیکھئے پانی پت اور بزرگان پانی پت) ص: ۳۲۴ تا ۳۴۹

۴۴ ''دہلی اور اس کے اطراف'' عبدالحئی، مولانا، مرتبہ صادقہ ذکی، مکتبہ خلیل لاہور، مطبع ۱۹۸۹ء

۴۵ ''سفرنامہ ہند'' محمد اسلم، پروفیسر، ریاض برادر لاہور، مطبع ۱۹۹۵ء، ص:۳۹۶

۴۶ ''سفرنامہ ہند'' محمد اسلم، پروفیسر، ریاض برادر لاہور، مطبع ۱۹۹۵ء، ص:۳۹۶

۴۷ استفادہ: صباح الدین عبدالرحمن، سید ''ہندوستان کے سلاطین، علماء مشائخ پر ایک نظر'' معارف پریس اعظم گڑھ ۱۹۶۴ء، ص: ۱۵/۱۶

۴۸ ''تذکرہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی'' محمود الحسن عارف، ڈاکٹر، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، مطبوعہ ۱۹۹۵ء، ص:۲

۴۹ ''سفرنامہ ہند'' محمد اسلم، پروفیسر، ریاض برادر لاہور، مطبع ۱۹۹۵ء، ص:۳۹۶

۵۰ ''سوانح فتحیہ'' طاہر رحیمی، مولانا، مسجد سراجل حسین آگاہی ملتان، مطبع ۱۹۸۸ء، ص:۴۷

۵۱ ''خاندان نقشبندیہ کی علمی خدمات'' از ڈاکٹر آفتاب احمد خاں، المصطفیٰ اکیڈمی حیدرآباد، ۱۹۸۸ء، ص:۲۴/۲۸

۵۲ القرآن ۱۲:۵۳

۵۳ القرآن ۱۲:۵

۵۴ ''فرہنگ آصفیہ'' سید احمد دہلوی، مولوی، جلد اول دوم، اردو سائنس بورڈ طبع دوم ۱۹۸۷ء ص :۴۹۷

۵۵ القرآن ۴۸:۱۵

۵۶ القرآن ۵:۳۵

۵۷ القرآن ۹:۱۱۹

۵۸ القرآن ۷۶:۲۴

۵۹ ۲۸:۱۸

۶۰ ''عمدۃ السلوک'' سید زوار حسین شاہ، مولانا، زوار اکیڈمی کراچی، مطبع پانچواں ایڈیشن ۱۹۹۸ء، :۵۲

۶۲ ''اردو انسائیکلوپیڈیا'' فیروز سنز لاہور، مطبع اول ۱۹۶۲ء، مطبع ثانی ۱۹۶۸ء، ص:۵۶۶

۶۳ ایضاً، ص: ۱۴۳۴

۶۴ ''اردو معارف اسلامیہ'' جلد ہفتم، دانش گاہ پنجاب، مطبع ۱۹۶۲ء، ص:۴۳۶

۶۵ ''رود کوثر'' محمد اکرام شیخ، فیروز سنز لاہور، مطبع ۱۹۵۸ء، ص:۵۸/۵۷

۶۶ ''عوارالمعارف'' محمد شہاب الدین سہروردی، مترجم: حافظ رشید احمد، شیخ غلام علی، ۱۹۶۲ء، ص: مقدمہ

۶۷ ''سیر الاقطاب'' حضرت الہدایہ ابن شیخ عبدالرحیم، مترجم: پروفیسر معین الدین، نفیس اکیڈمی کراچی، طبع دوم، ۱۹۷۹ء، ص: ۲۲۴

۶۸ ''معاشرتی وعلمی تاریخ اسلامی ہندوستان'' ڈاکٹر معین الدین، سلمان اکیڈمی کراچی، مطبع ۱۹۶۵ء، ص:۹۷

۶۹ ''ہندوستان کے سلاطین علماء اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر'' صباح الدین عبدالرحمن، معارف پریس اعظم گڑھ، ۱۹۶۴ء، ص:۱۹۶

۷۰ ''مکتوبات'' حضرت مجدد الف ثانیؒ، جلد اول، مکتوب نمبر ۷۴، مکتبہ القدس، کانسی روڈ کوئٹہ

۷۱ ''مکتوبات'' حضرت مجدد الف ثانیؒ، جلد دوم، مکتوب نمبر ۸۷، مکتبہ القدس، کانسی روڈ کوئٹہ

۷۲ ''تذکرہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی'' از ڈاکٹر محمود الحسن، ص:۲۸

۷۳ القرآن ۱:۱۵۲

۷۴ القرآن ۷۳:۸

۷۵ القرآن ۱۳:۲۸

۷۶ القرآن ۳:۱۹۱

۷۷ القرآن ۷:۲۰۵

۷۸ ''صحیح بخاری'' امام محمد اسماعیل بخاری، جلد دوم، باب: قول اللہ تعالیٰ ویحذرکم اللہ نفسہ، قدیمی کتب خانہ کراچی، ص:۱۱۰۱

۷۹ ''سنن ابن ماجہ'' امام ابن ماجہ، باب: فضل الذکر، قدیمی کتب خانہ، ص:۲۶۸

•□•••□•

باب ــــ دوم

پانی پت کے علماء و مشائخ کی علمی و دینی خدمات

عبدالرحمان الکاذرون:

مسلمان فاتحین جن علاقوں میں فتوحات کرتے ہوئے داخل ہوئے وہاں علم و ہنر، امن و سکون اور رواداری و بھائی چارے کی ایسی خوشگوار فضا قائم کی کہ قدیم باشندے جو مختلف النوع مثال سے دوچار تھے ایسی خوشگوار فضا سے بے حد متاثر ہوئے اور دائرہ اسلام میں ذوق در جوق داخل ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ان فاتحین کے لشکر جرار میں نہ صرف سپاہیانہ صلاحیتوں سے متصف جنگجو اور مرد مجاہد ہوا کرتے تھے بلکہ عالم باعمل مسلمان بھی ہوتے تھے جو دن میں کلمہ حق کی سربلندی کی خاطر جان کی بازی لگانے میں مشغول ہوتے تھے تو رات کی تاریکی میں مالک حقیقی کے سامنے سر بسجود رہتے تھے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی باقاعدہ حکومت کی تشکیل قطب الدین ایبک (م ۶۰۷ھ) کے زمانۂ حکومت میں ہوئی اور رفتہ رفتہ مسلم حکمراں تخت نشین ہوتے گئے اور حکومت کی بنیادیں مستحکم و گہری ہوتی گئیں۔ ان بنیادوں کو مضبوط اور طاقتور بنانے میں حکمرانوں کے ساتھ ساتھ علماء و مشائخ کا کردار انتہائی اہم ہے جن کی بدولت ہندوستان میں قال اللہ و قال الرسول کی صدائیں بلند ہوئیں۔

پانی پت جو صدیوں سے روحانی مرکز اور علم و ادب کا گہوارہ رہا ہے اور جہاں بزرگان دین اور نامور ہستیاں مدفن ہیں اپنی خوبصورتی، حسین نظاروں اور جغرافیائی اہمیت کے باعث نووارد مسلمانوں کے لئے ہمیشہ جاذب نظر رہا جس کی بدولت سینکڑوں مسلمانوں نے اس علاقے میں مقیم ہونے کو ترجیح دی۔ انھی مسلمانوں میں ایک نامور نام حضرت خواجہ عبدالرحمن بمعروف الکاذرونی (۱) کا بھی ہے۔ الکاذرون سے عثمانی خاندان (۲) کی یہ شاخ ہندوستان کیسے پہنچی اس بابت محمد میاں ایک معروف پانی پتی بزرگ مسیح اللہ پانی پتی کے حوالے سے اپنی کتاب ''پانی پت اور بزرگان پانی پت'' ص: ۳۱۷ پر رقم طراز ہیں کہ آپ سلطان محمود غزنوی کی فوج میں اعلیٰ عہدے پر مامور تھے۔ سلطان کی واپسی کے بعد خواجہ صاحب نے پانی

پت میں قیام فرمایا۔ایک اور روایت کے مطابق خواجہ صاحبؒ سلطان محمود غزنوی کے ایماء پر بغرض اشاعت اسلام پانی پت میں توطن اختیار کیا تھا۔(۳)

مذکورہ بالا بیانات کی روشنی میں یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ خواجہ صاحبؒ سلطان محمود غزنوی (م۴۲۱ھ) کی فوج میں ایک اعلیٰ عہدے پر مامور تھے یعنی دلی میں مسلمانوں کی باقاعدہ حکومت قائم ہونے سے تقریباً دوسو سال قبل سے یہاں آباد تھے۔(۴) مذکورہ مئوقف قیاس پر مبنی ہے کیونکہ سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر تقریباً سترہ حملے کئے اور وہاں کی حکومتوں کو شکست سے دوچار کیا نیز وہاں سے جو مال غنیمت ہاتھ آتا اسے اپنی ملکیت میں لے کر غزنی لے آتا۔(۵) سلطان کے پے در پے حملوں اور وہاں کی حکومتوں سے خون ریز معرکہ آرائیاں نیز ان کی تباہی و بربادی نیتجتاً ردعمل کے طور پر اہل ہندوستان کے دل و دماغ میں سلطان کے خلاف نفرت اور عناد کا پیدا ہونا لازمی امر ہے۔اور اگر خواجہ عبدالرحمن الکاذرونی نے سلطان کی فوج میں ایک اعلیٰ عہدے پر خدمات انجام دیں اور پھر پانی پت کو اپنا مسکن ٹھہرایا تو یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کیونکہ جس فوج نے ہندوستان میں اتنے خون ریز معرکے انجام دیئے ہوں اور اس فوج کا اعلیٰ عہدے دار تن تنہا متعصب ہندوؤں کے درمیان امن وسکون کے ساتھ رہے یقیناً ناممکن بات معلوم ہوتی ہے۔لہٰذا آپ کی فوجی خدمات سلطان محمود غزنوی کے بجائے سلطان قطب الدین ایبک سے وابستہ کی جائیں تو درست معلوم ہوتی ہیں۔

ہمارے مذکورہ بالا مؤقف کی تائید محمود الحسن عارف کے اس تحقیقی بیان سے ہوتی ہے جو انہوں نے خواجہ عبدالرحمن کے متعلق تحریر کیا ہے کہ خواجہ صاحب کی فوجی خدمات سلطان محمود غزنوی کے بجائے قطب الدین ایبک کے ہمراہ ہونا چاہیے چونکہ دونوں سلاطین کے حکومتی علاقے قریب قریب ایک ہی جیسے تھے۔اس لئے خواجہ صاحبؒ کا بغرض جہاد ان کے لشکر میں شامل ہونا اور دہلی کی فتح کے بعد پانی پت میں آباد ہونا دونوں ہی درست معلوم ہوتے ہیں۔آگے چل کر محمود الحسن صاحب ایک قلمی نسب نامے جو کہ حضرت جلال الدین کبیر الاولیاء (م۷۶۵ھ) کے بڑے صاحب زادے خواجہ عبدالقادر کی اولاد و احفاد پر مشتمل ہے اور مذکورہ نسب نامہ پیر فرید محمد صابری ساکن مین بازار شاہدرہ کی ملکیت ہے کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ قلمی نسب نامے سے اس بات کی تصدیق ہوگئی ہے کہ خواجہ الکاذرونی قطب الدین ایبک کے ہمراہ وارد ہندوستان ہوئے۔(۶)

خواجہ صاحب مرد مجاہد اور غازی صف شکن تھے۔آپ برصغیر پاک وہند کے جملہ عثمانی خانوادوں کے مورث اعلیٰ ہیں۔آپ کا نسب چند واسطوں سے امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ (م۳۵ھ) سے ملتا ہے۔آپ کے بارھویں نسب میں حضرت مخدوم جلال الدین کبیر الاولیاء جیسے فضل وکمال اور بلند و ارفع بزرگ پیدا ہوئے جن کی بدولت سلسلہ صابریہ چشتیہ برصغیر کے اطراف واکناف میں پھیلا۔جلال الدین کبیر الاولیاء کی تیرھویں پشت پر قاضی ثناء اللہ پانی پتی ہیں۔(۷)

آپ کا سلسلہ نسب شاہ اعلیٰؒ تک اس طرح مذکور ہے۔شیخ عبدالسلام شاہ اعلیٰ ابن شیخ نظام الدین ابن شیخ عثمان زندہ پیر ابن خواجہ عبدالکبیر ابن خواجہ عبدالقدوس ابن خواجہ شبلی ابن قطب ربانی حضرت شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء ابن خواجہ محمود ابن خواجہ یعقوب ابن خواجہ عیسیٰ ابن خواجہ اسماعیل ابن خواجہ محمد ابن خواجہ ابی بکر ابن خواجہ علی ابن خواجہ عثمان ابن خواجہ عبداللہ ابن خواجہ عبدالرحمن الکاذرونی ابن خواجہ عبدالعزیز سرخسی ابن خواجہ خالد ابن خواجہ ولید ابن خواجہ عبدالعزیز ابن خواجہ عبدالرحمن الکبیر جو مدینہ منورہ سے کاذرون آئے ابن خواجہ عبداللہ ثانی ابن خواجہ عبدالعزیز ابن خواجہ عبداللہ کبیر ابن خواجہ عمر ابن خواجہ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفانؓ جامع القرآن۔(۸)

خواجہ ملک علی انصاریؒ:

جب آپ ﷺ کو نبوت سے سرفراز فرمایا گیا تو مکہ کے مشرکین کو توحید کی دعوت دی اور بت پرستی ترک کرنے کی تبلیغ فرمائی۔آپ ﷺ کی تبلیغی کوششوں کی بناء پر ابتداً چند لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے اور اس طرح رفتہ رفتہ اسلام کی قوت میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔کفار مکہ نے اسلام کی بڑھتی ہوئی قوت کو روکنے کے لئے آپ ﷺ اور دیگر مسلمانوں کے خلاف خوف و لالچ جیسے گھٹیا ہتھکنڈے استعمال کرکے اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کی کیونکہ انہیں اپنی انانیت اور چودراہٹ ختم ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔جب کفار مکہ دین اسلام کی حقانیت اور سچائی کے آگے عاجز ہوگئے تو انہوں نے آپ ﷺ قتل کرنے کا ناپاک منصوبہ بنایا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ویمکرون ویمکر اللہ واللہ خیر المکرین (۹)

ترجمہ: (ادھر) وہ چال چل رہے تھے اور (ادھر) خدا چال چل رہا تھا اور خدا سب سے بہتر چال چلنے والا ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ اس دین حق کے ذریعے تاقیامت لوگوں کو ہدایت دینے کا ارادہ کرچکا تھا اور دین حق کو باطل پہ غالب کرنا چاہتا تھا چہ جائیکہ کفار ومنافقین کو یہ عمل ناگوار گزرتا۔

هو الذی ارسل رسوله بالهدی ودین الحق لیظهره علی الدین کله ولو کره المشرکون(۱۰)

ترجمہ: وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے پڑے برا مانے مشرک۔

اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ حق کو باطل سے علیحدہ کر کے باطل کو زمین بوس کر دیتا ہے اور حق کا بول بالا فرماتا ہے۔ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مدینہ ہجرت کر جانے کا حکم فرمایا تو آپ ﷺ نے امانتیں حضرت علیؓ (م ۴۰ھ) کے سپرد کیں اور حضرت ابوبکر صدیقؓ (م ۱۳ھ) کے ہمراہ مدینہ ہجرت فرما گئے۔ جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو مدینے کے ہر انصاری کی یہ خواہش تھی کہ وہ آپ ﷺ کی میزبانی کا شرف حاصل کرے لیکن حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس جگہ ناقہ بیٹھے گا وہیں آپ مقیم ہونگے۔ ناقہ حضرت ابوایوب انصاریؓ (م ۴۲ھ) کے دروازے پر بیٹھا۔ ان کا مکان دومنزلہ تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے نیچے قیام فرمایا اور سات ماہ تک یہاں رہے۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ کا شمار اسلام کے جانباز مجاہدین میں ہوتا ہے۔ آپؓ اکثر غزوات میں شریک ہوتے۔ امیر معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں قسطنطنیہ کی مہم پیش آئی تو اس میں نمایاں حصہ لیا اور وہیں وفات پائی۔ مرتے وقت وصیت فرمائی کہ شہر پناہ کے متصل دفن کیا جائے چنانچہ آپؓ کو وہیں دفن کیا گیا۔ آپؓ کی قبر کے پاس بطور یادگار ایک مسجد بھی تعمیر کی گئی جو ترکی کی قدیم ترین مساجد میں سے ہے۔ (۱۱)

پانی پت کے مشہور مردم خیز خاندان (انصار) کے جداعلیٰ ابو منصورا جو تابعی ہیں اور آپ مشہور صحابی رسول حضرت ابوایوب انصاریؓ کے فرزند ارجمند تھے۔ عہد عثمانی میں احنف بن قیس کی قیادت میں جہاد کی غرض سے خراسان کی مہم پر آئے اور ہرات میں سکونت اختیار کر لی۔ (۱۲) ہرات میں ان کی اولاد میں ”پیر ہرات“ شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری (۳۹۶ھ/۱۰۰۶ء تا ۴۸۱ھ/۱۰۸۸ء) پیدا ہوئے۔ آپ سلسلہ عالیہ انصار کے بانی اور اس علاقے کے صاحب علم و فضل اور کشف و کرامات بزرگ تھے۔ (۱۳)

شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاریؒ کی اٹھارہویں پشت پر قاضی ملک علی ہراتی پیدا ہوئے جو ہندوستان کی انصاری شاخ کے بانی ہیں۔ وہ غیاث الدین بلبن (۶۶۵ھ تا ۶۸۶ھ) زمانے میں بغرض سیاحت پانی پت آئے اور شیخ شرف الدین بوعلی قلندر (م ۷۲۴ھ) سے پانی پت میں ملنے کے بعد دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے دہلی چلے آئے۔ (۱۴) چونکہ پہلے آپ کا ارادہ سیر و سیاحت اور بادشاہ دہلی سے ملاقات کا تھا لہٰذا اسی غرض سے دہلی چلے آئے۔ آپ صاحب علم و فضل بزرگ تھے دہلی میں قیام کے دوران بادشاہ دہلی بلبن سے گہرے مراسم ہو گئے۔ بلبن آپ سے بے حد عقیدت و محبت رکھتا تھا۔ اس عقیدت و محبت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ ایک دفعہ چشت سے دو بزرگ سجادہ نشینی کے قضیہ کو نمٹانے کے لئے آپ کو لینے دہلی آئے تو آپ نے ان کے ساتھ چشت جانے کا ارادہ فرمایا جب بلبن کو اس ارادے کا پتا چلا تو وہ آپ کے قدموں میں گر پڑا اور آپ کے ہمراہ چلنے کا ارادہ فرمایا۔ خواجہ صاحب نے بلبن کی محبت و عقیدت کو دیکھتے ہوئے ارادہ ترک فرما دیا کیونکہ ایک عالم بادشاہ سے مستفید ہو رہا تھا اور بادشاہ کے یکدم چلے جانے سے مملکت

میں پریشانی اور سراسیمگی پھیلنے کا اندیشہ تھا لہٰذا خواجہ صاحب نے دہلی ہی میں قیام کا فیصلہ کر لیا۔ (۱۵) خواجہ صاحب کو شاہی دربار سے منصب قضاء و خطابات اور چند پرگنے عطا ہوئے۔ (۱۶)

آپ ۴ شوال (۶۷۵ھ/ ۱۲۷۶ء) کو حسب وعدہ اپنے دونوں صاحب زادوں نظام الدین مسعود (بعمر ۲ سال) اور خواجہ نصیر الدین محمد (۱۴ سال) کے ہمراہ پانی پت حاضر ہوئے اور یہیں سکونت اختیار کر لی۔ خواجہ صاحب کو بوعلی شاہ قلندر سے بہت محبت تھی۔ پانی پت میں آپ کی نسل کو قلندرؒ کی دعا کے باعث فروغ اور عروج حاصل ہوا۔ قلندرؒ نے آپ کے دونوں صاحب زادوں کا عقد حضرت مخدوم جلال الدین کبیر الاولیاء کی دختران سے کرا کر یہ دعا دی تھی کہ تمہاری اولاد قیامت تک یہاں رہے گی اور بڑے بڑے علماء و صلحاء اور ذی اقتدار لوگ تمہاری نسل سے پیدا ہونگے۔ (۱۷)

خواجہ صاحب کے بڑے صاحب زادے خواجہ نصیر الدین کی نسل کو خوب فروغ حاصل ہوا اور بڑے بڑے امراء، رؤساء، علماء، ادباء اور شعراء ان کی اولاد سے ہوئے۔ پانی پت کی قابل فخر ہستیاں قاری عبدالرحمان پانی پتی اور خواجہ الطاف حسین حالی بھی انہی کی اولاد میں تھے۔ خواجہ ملک علی انصاری کا انتقال ۹ رمضان ۷۱۸ھ بمطابق ۱۳۱۸ء کو نوے سال کی عمر میں قصبہ پائل میں ہوا۔ خواجہ ملک علی انصاری کی اولاد پٹنہ، عظیم آباد، اورنگ آباد، دکن اور فرید آباد میں بھی پائی جاتی ہے۔ (۱۸)

مولانا فخر الدین عراقیؒ:

شیخ فخر الدین عراقی حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریاؒ (م ۶۶۱ھ) کے داماد تھے۔ آپ کی اول اہلیہ لاولد فوت ہو گئیں۔ آپ کا عشق باطنی میں مشغولیت انتہا درجے کا تھا اسی عشق کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے کامل شیخ کی تلاش میں ہمدان پہنچے وہاں حضرت سید نعمت اللہ کرمانی (۷۱۱ھ) جو کہ شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کے تربیت یافتہ تھے بیعت سے سرفراز ہوئے۔ آپ نے سید نعمت اللہ کرمانی کی تربیت میں رہ کر ریاضت و مجاہدہ کیا اور کمال درجے پر فائز ہوئے۔ سید نعمت اللہ نے اپنی ہمشیرہ بی بی حافظہ جمال سے نکاح کر دیا۔ آپ کے بطن سے ایک فرزند نظام الدین پیدا ہوئے۔ آپ ۱۴ سال کی عمر میں تجارت کی غرض سے ہندوستان تشریف لائے۔ پانی پت کے پرفضاء مقام کو دیکھ کر یہیں سکونت اختیار کر لی۔ آپ کے والد نے خط و کتابت کے ذریعے آپ سے رابطہ رکھا اور کوشش کی کہ آپ دوبارہ وطن آ جائیں۔ آپ کی کوشش کارگر ثابت نہ ہوئی تو آپ مع اہلیہ کے پانی پت تشریف لے آئے۔ (۱۹)

آپ ۶۰۰ھ میں دوبارہ ہندوستان وارد ہوئے آپ کی تشریف آوری کے بعد ۶۰۴ھ میں آپ کے یہاں ایک اور فرزند کی ولادت ہوئی جس کا نام آگے چل کر بوعلی شاہ قلندر کے نام سے مشہور ہوا۔ (۲۰)

شیخ شرف الدین بوعلی شاہ قلندرؒ:

آپ کا اصل نام شیخ شرف الدین اور لقب بوعلی قلندر تھا۔ آپ امام اعظم ابوحنیفہ کی اولاد سے تھے۔ سلسلہ نسب اس طرح مذکور ہے، شیخ شرف الدین بوعلی قلندر بن سالار فخر الدین بن سالار حسن بن سالار عزیز بن ابوبکر غازی بن فارس بن عبدالرحمن بن عبدالرحیم بن محمد بن وانک بن امام اعظم ابوحنیفہؒ (۲۱)

شیخ بوعلی قلندرؒ ۶۰۵ھ میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ (۲۲) ذہانت وفطانت میں اس قدر تیز تھے کہ کم سنی میں تمام ظاہری علوم کی تحصیل سے فارغ ہوگئے تھے۔ فارسی، عربی، ہندی اور مقامی زبان پر عبور حاصل تھا اور اس زمانے کے مروجہ علوم میں دسترس حاصل تھی۔ آپ شعر وسخن اور ادبی ذوق کے حامل تھے۔ حسب ذیل اشعار آپ کے ادبی ذوق اور فن عربی پر مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہے:

اہل ملامتم نہ شکیبم زطاعناں   لورقت القلوب وان شقت الجیوب
برکش نقاب از رخ آتش جمال خویش   اے از رخ تواوقدت النار فی القلوب
طال القرا الفراق واحترقت لی ترترائب   من کربت التشق یا کاشف الکروب (۲۳)

آپ کے والدین کا تعلق عراق وعجم سے تھا اس لئے طبیعت میں زیادہ تر رجحان فارسی کی طرف تھا لہٰذا آپ کی تصانیف فارسی ادب سے لبریز ہیں۔ آپ ہندی اور مقامی زبان سے بھی آشنا تھے۔ جب امیر خسرو دہلوی (م ۷۲۵ھ) بادشاہِ وقت علاؤ الدین خلجی (م ۷۱۵ھ) کے سفیر کی حیثیت سے پانی پت آئے تو دونوں اطراف سے غزل گوئی کا اظہار ہوا۔ جب آپ نے غزل کہہ دی تو امیر خسرو سے ان الفاظ میں مخاطب ہوئے:

''ترکا کچھ سمجھدا ہے'' (۲۴)

مذکورہ بالا بیان اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ مقامی زبان سے واقف تھے۔ آپ ہندی زبان سے بھی بخوبی واقف تھے۔ آپ نے چند دوہے ہندی زبان میں بھی پڑھے ہیں۔ مبارز خان جس سے آپ کو گہرا تعلق تھا اور جو آپ کا مرید اور معتقد تھا اس کے ارادہ سفر پر آپ نے حسب ذیل دوہا پڑھا:

سجن سکارے جائیں گے اور نین مریں گے روئیں
بدھنا ایسی رین کر بھور کدھی نہ ہوے

آپ نے مندرجہ بالا شعر کو فارسی میں اس طرح ادا کیا ہے:

من شنیدم یار من فرد اروو رد اشتاب
یاالٰہی یاقیامت برنیاید آفتاب (۲۵)

چند اور ملاحظہ فرمائیے:

گھونگھٹ کھول بدن حسین لکھ دیکھن دی موہے   ناترنعرہ ماروں جو سب دیکھے تو ہے
پنڈت ریکھا باچ کر پوتھی پانی پور   سگرے انجھر میٹ کر من میں سائیں لوڑ
پوتھی بہی تھوتھی پنڈت بہا نہ کوئے   اکو انجھر کا بڈھے سو پنڈت ہوے (۲۶)

آپ جید عالم اور فاضل اجل تھے۔ پانی پت چونکہ اس وقت علوم وفنون کا مرکز تھا اس لئے وہاں مختلف اساتذہ سے علم وادب حاصل کیا۔ آپ نے کن اساتذہ سے ابتدائی اور اعلیٰ تعلیم حاصل کی، اس بارے میں تذکرہ نویس صرف مولانا سراج الدین مکی کا ذکر کرتے ہیں۔ آپ نے مولانا سراج الدین مکی سے کن علوم میں استفادہ کیا اس بارے میں تذکرہ نویس خاموش ہیں۔ بہرحال آپ عصر حاضر کے جید عالم تھے۔ علم وفضل کا یہ ماہتاب ۶۴۴ھ میں سلطان ناصر الدین محمود (م ۶۶۴ھ) کے زمانے میں دہلی پہنچا تو قطب مینار کے قریب درس وتدریس اور بعد ازاں افتاء سے متعلق ہوگیا۔ آپ بیس سال تک اس خدمت پر مامور رہے اس دوران دہلی کے اہل علم ودانش جن میں مولانا قطب الدین، مولانا وجیہ الدین پائلی، قاضی ظہور الدین بجواری، قاضی حمید الدین، مولانا فخر الدین پائلی وغیرہ آپ کے علم وفضل اور شان وشوکت کے معترف ہوگئے۔ (۲۷)

جب کوچہ تصوف وطریقت میں قدم رکھا اور ریاضت ومجاہدے میں مشغول ہوئے تو جذب وسکر کی حالت میں علوم وفنون کی تمام کتب کو دریا میں ڈال کر جنگل کی راہ لی اور پانی پت کے مضافات باگھونی اور کرنال کے نواح بڈھا کھیڑہ میں آخر وقت تک مقیم رہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک دن قلندرؒ مسجد قوۃ الاسلام میں وعظ فرما رہے تھے کہ ایک فقیر مسجد میں آیا اور با آواز بلند کہا ''شرف تو جس کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے اس کو بھول گیا؟ کب تک اس قیل وقال میں لگا رہے گا۔'' یہ کہہ کر تو فقیر چلا گیا مگر آپ کے دل میں عشق الٰہی کا ایک شعلہ بھڑک اٹھا۔ (۲۸)

خود قلندرؒ اپنے دیوان میں اس کی توضیح اس طرح کرتے ہیں:

بشو فارغ زعلم وزہد یک دم   بکش یک جرعہ از جام منعانہ (۲۹)

یہاں ہم لفظ قلندر کے معنی، اصطلاح اور تعریف پر بحث کرتے ہیں تا کہ قلندر کی وضع اصطلاح سے بخوبی آگاہ ہوجائیں۔

معنی:

قلندر۔ معرب کلندر (۱) کندہ ناتراشیدہ (۲) دین ودنیا سے آزاد آدمی (۳) بے ننگ ونام (۳۰)

اصطلاحی معنی:

اصطلاح میں قلندر وہ شخص ہے جو دونوں جہاں سے پاک اور آزاد رہے۔ اگر ذرا بھی اسے کونین سے لگاؤ ہو تو وہ مذہب قلندر سے دور اور صاحبان غرور میں شامل ہے۔ کیونکہ قلندر اس ذات سے عبارت ہے کہ وہ نفوس واشکال عادتی بلکہ اعمال بے سعادتی سے بالکل مجرد و بے تعلق ہو جائے اور روح کے مرتبے تک ترقی کر کے تکلیفات رسمی کی قیود و تعریفات اسمی کی گرفتاری سے چھٹکارا پائے اپنے دامن وجود کو دنیا سے سمیٹ لے اور دست خواہش کو تمام خلائق سے کھینچ لے یہاں تک کہ دل و جان سب سے قطع تعلق کر کے جمال جلال حق کا طالب اور اس کی درگاہ کا واصل ہو جائے۔

چنانچہ قلندروں کا قول ہے:

عالم ہمہ بطائفہ صوفیاں پُراست   بسیار رباشد از میہاں یک قلندرے (۳۱)

تعریف:

قلندر ایک قسم کے درویش کو کہتے ہیں جو قیود و تکلفات رسمی اور علائق دنیوی سے مجرد اور دنیا اور اہل دنیا سے کنارہ کش محض طالب جمال حق اور اس کی فکر و ذکر میں مستغرق ہو۔ (۳۲)

قلندری طریقت:

طریقہ قلندریہ میں صحیح قلبی اعمال پر زور دیا جاتا ہے اور ہمہ وقت مشغول بہ حق رہنے کی تلقین کی جاتی ہے یعنی عرفان نفس، راضی بہ رضائے حق رہنا، استغناء، عالی ہمتی، عمل پیہم اور نفس کے ساتھ جہاد قلندریت کے اجزائے ترکیبی ہے۔

بقول علامہ اقبال:

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق (۳۳)

چونکہ قلندر ہر وقت محو و استغراق کی کیفیت میں رہتے ہیں اور بے خودی کا مکمل نمونہ ہوتے ہیں دراصل یہی قلندرانہ روش ہے جسے خود قلندرؒ اپنے الفاظ میں اس طرح اظہار کرتے ہیں:

مایم کوئے عشق و خرابات و بیخودی   ویں رسم و سیر نیست کہ خاص قلندراست (۳۴)

قلندر اور سالک میں فرق:

قلندر نہایت آزاد اور مجرد عن العلائق ہوتا ہے اور جہاں تک بنتا ہے عادت و عبادت میں کوشش کرتا ہے۔ (۳۵) سالک، راہ رو کو کہتے ہیں اور سلوک یہ ہے کہ جو کچھ مقسوم میں ہے بزرگوں کی تعلیم و تلقین میں سے آہستہ آہستہ حاصل ہو جاتا ہے جیسے راہ رو چلتا چلتا اپنی منزل مقصود کو پہنچتا ہے۔ (۳۶)

ہندوستان میں قلندریہ سلسلے کی آمد:

یوں تو ہر سلسلے میں قلندر ہوا کرتے ہیں اور سلسلے کے اکابر اولیاء قلندر گزرے ہیں لیکن ہندوستان میں مشرب قلندریہ حضرت شاہ خضر رومیؒ سے فروغ پایا۔ شیخ عبدالحق دہلوی فرماتے ہیں:

”شاہ خضر رومی قلندر مشرب تھے۔ آپ کا اصل وطن روم تھا۔ آپ دہلی اس وقت آئے جب شیخ الاسلام خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ بقید حیات تھے۔ ان کی خدمت سے آپ نے روحانی فیض حاصل کیا۔ خواجہ صاحب نے اپنی کلاہ، خرقہ شاہ خضر رومی کی قیام گاہ پر بھجواہ کر رخصت کیا پھر شاہ خضرؒ کو جون پور کی طرف جانے کا اتفاق ہوا جب موضع سرہر پور پہنچے تو وہاں شاہ قطبؒ آپ کے مرید ہو گئے آپ ان کو خلافت عنایت کر کے پھر روم چلے گئے۔ ابھی تک ہندوستان میں آپ کا سلسلہ قائم ہے جسے سلسلہ قلندریہ چشتیہ کہتے ہیں۔“ (۳۷)

ایک غلط روایت کی تصحیح:

یہاں ہم ایک غلط روایت کی تصحیح کرتے ہیں جو عوام و خواص میں مشہور ہے کہ دنیا میں اڑھائی قلندر ہیں۔ یہ روایت سراسر لاعلمی اور کم علمی کا نتیجہ ہے۔ آئیے بوعلی قلندرؒ اس کے متعلق تحفۃ الکرام میں کیا کہتے ہیں آپ کی زبانی سنتے ہیں:

”۶۶۲ھ میں جب لعل شہباز مروندی دہلی پہنچے تو غیاث الدین بلبن کے صاحب زادے سلطان محمد سے ملاقات کی جب وہ شیخ بوعلی شاہ قلندرؒ کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے فرمایا کہ ہندوستان میں پہلے ہی ۳۰۰ قلندر موجود ہیں اس لئے بہتر ہے کہ آپ پھر سندھ واپس تشریف لے جائیں“۔ (۳۸)

قلندر اور پابندی شریعت:

قلندر ظاہری احکام شریعت سے آزاد ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ قلندرانہ طریقت سے وابستہ بیشتر سالکین ہر وقت بے خودی اور استغراق کی کیفیت طاری رہتی ہے اور یہ عالم ایسی محویت کا ہوتا ہے کہ ان کو دنیا و مافیہا کی خبر نہیں ہوتی۔

بقول قلندرؒ:

تا نشاں تو یا فتیم بعشق
مادریں دہر بے نشاہ شدہ ایم (۳۹)

اس بے خودی اور محویت کے عالم میں دین و دنیا، جنت کی خواہش اور دوزخ کا خوف ترک ہو جاتا ہے اور مقصود صرف محبوب کے عشق میں مستغرق اور دیدار محبوب کی تمنا ہوتی ہے۔

بقول قلندرؒ:

ترک دنیا و دین چو بنمودیم
غافل از سبودواززیاں شیدہ ایم
شرک اندر ہوائے جلوہ دوست
فارغ از دوزخ وجناب شذہ (۴۰)

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ لاتقربو الصلوٰۃ وانتم سکری (۴۱) یعنی نماز کے نزدیک نہ جاؤ جب تم نشے کی حالت میں ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نشے کی حالت میں جب تن بدن میں ہوش نہ ہو تو نماز کس طرح ادا کرے اسی لئے قلندریہ سالک جب اپنی محویت اور استغراق کی وجہ سے ہر وقت ذات حق میں فانی اور باقی ہوتا رہتا ہے تو اس پر سے ظاہری آداب کی پابندی اٹھ جاتی ہے۔ بقول قلندرؒ:

آزاد از ظواہر حکم شریعت است
خوش طالع کسے کہ بہ عالم قلندر است (۴۲)

اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے اس طرح فرماتے ہیں:

نماز میگزارم در خرابات
نہ اندر دے سجودے نے قیامے (۴۳)

اصول شریعت کے مطابق نماز میں رکوع وسجود اور قیام کرنا لازمی ہے لیکن قلندریہ سالکین چونکہ جذبات حق اور انوار محبوب کے جمال میں ہمیشہ محو رہتے ہیں اس لئے مجبوراً ان پر ظاہری پابندی نہیں رہتی۔ جس کا اظہار قلندر یوں فرماتے ہیں:

منم محو جمال اونمے دانم کجا رفتم — شدم غرق وصال اونمے دانم کجا رفتم
بآں ماہ آشت گشتم زجان ودل فدا گشتم — فنا گشتم فنا گشتم نمے دانم کجا رفتم
شدم صرف مبتلائے اور نہادم سرسپائے او — شدم محو قبائے اونمے دانم کجا رفتم
قلندر بوعلی ہستم بنام دوست سرمستم — دل اندر عشق او بستم نمی دانم کجا رفتم (۴۴)

اس محویت اور استغراق کی کیفیت میں آپ کی ریش مبارک کاٹ دی گئی جس کا اظہار یوں فرماتے ہیں:

قلندر از برسرے بزد شرف درعشق
کہ محو زلف تو گردید وریش وسر نسترد (۴۵)

جذب وسکر اور عشق ومستی میں جب آپ کی ریش مبارک کاٹی گئی تو آپ اس کو چومتے اور اس

طرح فرماتے:

”مولانا ضیاء الدین سنامی (م ۷۰۹ھ) جو شریعت کا کوڑا لئے پھرتے تھے وہ ایک مرتبہ قینچی ہاتھ میں لئے پہنچے اور شیخ کی داڑھی ایک ہاتھ سے پکڑ کر مونچھوں کے بال کاٹ ڈالے اس کے بعد سے شیخ اپنی داڑھی کو چومتے اور کہتے یہ شریعت محمدی ﷺ کے راستے میں پکڑی جا چکی ہے“ (۴۶)

فی زمانہ لوگ قلندر کی آغوش میں پناہ ڈھونڈھ کر شریعت سے آزادی کا اظہار برملا کر کے دراصل قلندرؒ پر بہتان تراشی کرتے ہیں ان کا یہ عمل حقیقتاً دین سے فرار اور حضور اکرم ﷺ کی سنت سے روح گردانی کے مترادف ہے نیز ان کے پاس عشق کا جذبہ اور دیدار محبوب کا شوق مفقود اور سوائے نمائشی ڈھونگ اور مستی کے کچھ نہیں ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے قلندر نے فرمایا ہے:

گر تو مردی نفس کافر را بکش — ورنداری دسترش بنیش شمش
می کنی طاعت تواز بہر ریا — گر نکردی سجدہ از بہر خدا (۴۷)

جس عظیم ہستی کے لئے قلم رواں دواں ہے اس کی سنت سے محبت اور اطاعت نبوی ﷺ حسب ذیل اشعار سے ملاحظہ فرمائیے:

نازم آں فتنہ دو عالم را — کہ قیامت غلام قامت اوست
اے شرف دو جہاں اگر خواہی — ہمہ در بندگی حضرت اوست (۴۸)

مئولف خزینت الاصفیاء (غلام سرور) معارج الولایت کے حوالے سے کہتے ہیں:

”صاحب معارج الولایت مئیر دکہ دی خلیفہ خواجہ قطب الدین بختیار اوشی است بعضی بہ شیخ نظام الدین بداونی نسبت کنند“ (۴۹)

مذکورہ بالا بیان کے برعکس سیر الاقطاب (ص:۱۹۰) پر آپ کا شجرہ بیعت وخلافت اس طرح درج ہے:

”قلندرؒ شیخ شہاب الدین کے خلیفہ ہیں، جو عاشق خدا کے لقب سے مشہور تھے۔ شیخ شہاب الدین، شیخ امام الدین ابدال کے خلیفہ ہیں اور شیخ امام الدین نے شیخ بدرالدین غزنوی سے خرقہ خلافت حاصل کیا اور شیخ بدرالدین حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے خلیفہ مجاز تھے“۔

ہمارے اس موقف کی تائید عبدالحق محدث دہلوی کے تذکرہ اخبار الاخیار (ص: ۲۳۱) سے بھی ہوتی ہے کہ آپ نے قلندرؒ کی بیعت وارادت کی نفی مشہور صوفی بزرگوں سے کی ہے اس لئے گمان غالب ہے کہ آپ شیخ شہاب الدین عاشق خدا کے خلیفہ مجاز تھے۔

طالب حق کے لئے دست بدست بیعت حاصل کرنا عادت اللہ اور سنت نبوی کے موافق ضروری ہے کیونکہ راہ سلوک کے پیچ در پیچ اور خم دار راستوں سے منزل مقصود تک رہبری کے لئے مرشد کی راہنمائی ضروری ہے ورنہ سالک تنگ راہوں میں بھٹک کر گمراہ نہ ہو جائے۔ قلندر اتباع شیخ کو طریقت کا جزو اعظم قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

مرشد کوتا براہم آورد   راہ گم شد در بیاباں الغیاث (۵۰)

اوپر قلندر کے مرشد اور سلسلہ چشتیہ میں بیعت اور ارادت کا ذکر کر آئے ہیں اب ہم سہروردیہ سلسلہ میں بیعت و ارادت کے طریقے میں مولانا عبدالحئی کا قول نقل کرتے ہیں۔ نزہۃ الخواطر (ص:۵) الجزالثالث میں مولانا عبدالحئی اس طرح رقم طراز ہیں:

"وفی اعراسنامه انه اخذالطریقه عن الشیخ شمس الدین التبریزی عن الشیخ قطب الدین البیری عن الشیخ الکبیرضیاء الدین ابی النجیب عبدالقاهر السهروردی"

اگر اس بیان کو درست سمجھا جائے تو اس کی توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ آپ نے سلسلہ چشتیہ میں حضرت شیخ شہاب الدین سے فیض حاصل کیا اور سلسلہ سہروردیہ میں حضرت شیخ شمس الدین تبریزی سے روحانی طور پر مستفیض ہوئے۔

یہاں تک ہم نے ظاہری بیعت وارادت اور سلسلہ چشتیہ اور سلسلہ سہروردیہ میں فیض روحانی اکتساب کرنے کا ذکر کیا ہے اب ہم اویسیہ فیض کا بھی ذکر کرتے چلیں۔ ثقہ راویوں کا اس بات پر متفقہ رائے ہے کہ آپ کو براہ راست امیر المومنین حضرت علیؓ سے روحانی فیض حاصل ہوا۔ اسی روحانی فیض کی بدولت آپ حضرت علیؓ کے اخلاق اور دیگر صفات سے آراستہ تھے اس لئے آپ نے بوعلی لقب اختیار کیا۔ اس میں تعجب اور حیرت نہیں کیونکہ بعض لوگوں کو اسی طرح فیض حاصل ہوا ہے۔ اس ضمن میں تذکرہ غوثیہ میں ہے:

"قلندر صاحب کا مرشد سوائے حضرت علیؓ کے کوئی نہیں اور یہ بات کچھ تعجب کی نہیں ہے بعض بزرگوں کو اسی طرح سے فیض ہوا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوالحسن خرقانی کو بایزید بسطامی سے فیض ہوا ہے حالانکہ ان کے انتقال کو سو برس گزر چکے تھے"۔ (۵۱)

نیز اویسیہ فیض اور باطنی تربیت کا اظہار خود قلندر نے اپنے دیوان میں اس طرح فرمایا ہے:

بوعلی لامائیم ومولا علی   بوعلی باشد علی مولائے ما (۵۲)

یہاں ہم شیخ قلندرؒ کا مولانا روم (م ۶۷۲ھ) سے زانوئے تلمذ طے کرنے کا بھی ذکر کرتے

چلیں تا کہ قلندرؒ کی مکمل تصویر واضح ہو جائے۔ علامہ شبلی نعمانی "سوانح مولوی روم" (ص:۳۴) ریاض العارفین کے حوالے سے صحبت فیض کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

"شاہ بوعلی قلندر پانی پتی جن کو تمام ہندوستان جانتا ہے مدت تک مولانا کی صحبت میں رہے اور اس سے مستفیض ہوئے۔"

نیز شیخ قلندر نے اپنی مثنوی میں مولانا کا تین (۳) جگہ ذکر انتہائی ادب واحترام سے کیا ہے۔ نمونے درج ہیں۔

۱ این سخن در گوش داری ایجوان
مولوی گفتہ زروی امتحان (۵۳)

۲ مولوی فرمود در نظم این بیان
برتو گرد روشن اسرار نہاں (۵۴)

۳ مولوی فرمود نشنیدی مگر
سنگ گرمے بودمیکردی اثر (۵۵)

مذکورہ بالا بیان کردہ مولانا شبلی کا بیان قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کیونکہ مولانا روم کی زندگی کا دوسرا دور یعنی روحانی وادبی دور شمس تبریز کی وفات (م ۶۴۴ھ) کے بعد شروع ہوتا ہے اور مثنوی معنوی کا چرچہ بھی اسی دور کے بعد ہوا۔ یہ وہ دور ہے جب آپ دہلی میں درس وافتاء جیسے اہم منصب سے وابستہ تھے اور یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ آپ دوران فرائض ہزاروں میل کا سفر طے کر کے مولانا کے پاس پہنچ کر زانوئے تلمذ ہوئے ہوں نیز یہ بھی قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ آپ دہلی کو خیر آباد کہنے کے بعد سیر وسیاحت کرتے ہوئے پہنچے ہوں کیونکہ یہ وہ دور ہے جب آپ ۶۷ یا ۶۸ برس کی عمر میں داخل ہو چکے تھے اور اس عمر میں سفری تقاضوں کو پورا کرنا خام خیالی معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا اس بات کی توجیہ اس طرح ہوسکتی ہے جسے انوار الحسن بیان کرتے ہیں:

"علامہ اقبال جن کو مولانا روم کی مثنوی نے کندن بنایا اور وہ غائبانہ مولانا روم کے مرید ہو گئے چنانچہ اپنے آپ کو مرید ہندی اور مولانا کو پیر رومی کے لقب سے بار بار پکارا کرتے ہیں دراصل مولانا روم کے فیض یافتہ ہیں، اسی طرح ہر دور میں علماء اور صوفیاء کی جماعت نے مثنوی سے بہت کچھ باطنی فیض حاصل کیا ہے"۔ (۵۶)

مذکورہ بالا بیان کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ آپ نے غائبانہ مولانا روم کی مثنوی سے فیض حاصل کیا اسی لئے مثنوی میں ادب و احترام سے آپ کا ذکر فرمایا ہے نیز جس بحر میں مثنوی معنوی

تحریر ہے اسی بحر میں قلندرؒ نے بھی مثنوی تحریر کی ہے جس کا ذکر آگے آئے گا۔

شیخ بو علی قلندرؒ کے زمانہ قیام پانی پت، شمس الاولیاء حضرت خواجہ شمس الدین (م ۷۱۵ھ) اپنے پیرو مرشد حضرت خواجہ علاؤ الدین صابرؒ (م ۶۹۰ھ) کے حکم سے یہاں آ کر قیام پذیر ہوئے۔ شیخ بو علی قلندر اور شمس الدین ترک کے درمیان ایک بڑا دلچسپ واقعہ ہے جس سے دونوں بزرگوں کے درمیان محبت والفت کی تصویر جھلکتی ہے۔ مصنف سیر الاقطاب اس طرح رقم طراز ہیں:

"جب آپ پانی پت میں جلوہ افروز ہوئے تو آپ نے دودھ سے بھرا پیالہ خادم کے ہاتھ شیخ بو علی قلندر کی خدمت میں بھیجا شیخ خادم کو دیکھ کر مسکرائے گلاب کے چند پھول آپ کے سامنے پڑے تھے ان کی پنکھڑیاں دودھ میں ڈال کر اسے خواجہ شمس الدین کے پاس واپس کر دیا۔ خواجہ نے پیالے میں گلاب کی پتیاں دیکھ کر تبسم فرمایا حاضرین نے اس کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ دودھ کا پیالہ قلندرؒ کے پاس بھیجنے سے مراد یہ ملک میرے شیخ نے مجھے عطا کیا ہے جو مجھ سے پُر ہو گیا ہے دودھ کا پیالہ واپس لوٹانا اور گلاب کی پنکھڑیاں اس پر ڈالنا سے مراد کہ وہ میرے ملک سے تعلق نہیں رکھیں گے اور یہاں اس طرح رہیں گے جیسے دودھ میں گلاب کی پنکھڑیاں۔ چنانچہ دونوں بزرگوں میں آخر وقت تک اخلاص و محبت قائم رہی"۔ (۵۷)

قلندرؒ کا فیض:

انصاریوں کے جد اعلیٰ ملک علی انصاری بو علی شاہ قلندرؒ کے معتقد اور معاصرین سے تھے۔ آپ کا ذکر پچھلے صفحات میں تفصیلاً ہو چکا ہے۔ آپ قلندرؒ سے گہری عقیدت و محبت رکھتے تھے آپ سے عقیدت و محبت اور حسن ظن کے متعلق عطا محمد کہتے ہیں:

"جب قاضی ضیاء الدین نے پانی پت کے تاجک سرداروں کے اغواء پر قلندر صاحب کے خلاف محضر نامہ تیار کر کے خواجہ موصوف کے پاس مہر تصدیق کے لئے بھیجا تو آپ نے محضر کے پرزے پرزے کر دیئے یہ صرف حسن ظن کا نتیجہ تھا"۔ (۵۸)

پانی پت میں عثمانی خاندان کے جد بزرگ حضرت کبیر الاولیاء بو علی شاہ قلندرؒ سے گہری عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ آپ بو علی شاہ قلندرؒ کی نظر فیض سے راہ طریقت پر گامزن ہوئے۔ ایک دن شیخ بو علی قلندرؒ سر راہ بیٹھے ہوئے تھے کہ کم سنی کے زمانے میں شیخ جلال الدین گھوڑے پر سوار ادھر سے گزرے ان کو دیکھ کر بو علی قلندرؒ نے فرمایا:

"[illegible] سوار" (۵۹)

شیخ بو علی قلندر کے حکم کے مطابق آپ نے خواجہ شمس الدین ترک سے روحانی فیض اخذ کیا اور بیعت و خلافت سے مستفید ہوئے۔ آپ کی بیعت و خلافت کا ذکر آئندہ صفحات میں آئے گا۔ الغرض پانی پت میں ان دونوں بزرگوں کی نسلوں میں ذی وقار اور ذی علم لوگوں کا ہونا صرف بو علی شاہ قلندر کی دعاؤں کی برکت کا نتیجہ ہے۔ اس ضمن میں عبدالحلیم انصاری کہتے ہیں:

"پانی پتی انصاریوں کے جد اعلیٰ خواجہ ملک علی انصاریؒ کے صاحب زادوں (خواجہ نصیر الدین اور خواجہ مسعود) کی شادی بو علی قلندرؒ نے حضرت مخدوم جلال الدین کبیر الاولیاء کی دختران سے کرا کر یہ دعا دی تھی کہ تمہاری اولاد قیامت تک یہاں بسے گی اور بڑے بڑے علماء اور ذی وقار لوگ تمہاری نسل میں پیدا ہونگے"۔ (۶۰)

بادشاہان دہلی آپ سے گہری عقیدت و محبت رکھتے تھے اور آپ کی قدم بوسی اور التفات کرم کو اپنے لئے سعادت اور برکت کا باعث سمجھتے تھے۔ مختلف دور حکومت میں بادشاہان دہلی سے آپ کے تعلقات اور عقیدت کا اظہار حسب ذیل واقعات سے ہوتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

علاؤ الدین خلجی (۶۹۵ھ/ ۱۲۹۵ء ۷۱۵ھ/ ۱۳۱۵ء) آپ سے بڑی عقیدت و محبت رکھتا تھا۔ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ کچھ تحائف بھیجنے کا ارادہ کیا درباری امراء کے مشورے سے قرعہ امیر خسرو دہلوی کے نام نکلا۔ علاؤ الدین نے ایک امیر سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء (۷۲۵ھ) کی خدمت میں بھیج کر امیر خسرو کے لئے اجازت طلب کی۔ شیخ نے پہلے تامل کیا پھر کچھ سوچ کر اجازت دے دی۔ امیر خسرو تحائف لے کر پانی پت روانہ ہوئے قلندر صاحب نہایت مشفقت و محبت سے پیش آئے۔ ان کا کلام سنا اور خود اپنا کلام بھی سنایا اور یہ کہہ کر تحائف لئے کہ اگر مولانا نظام الدین کا درمیان نہ ہوتا تو ہرگز قبول نہ کرتا۔ امیر خسرو روانہ ہونے لگے تو ایک خط شیخ نظام الدین اولیاء کے نام تحریر فرمایا اور دوسرا علاؤ الدین کے نام اس طرح لکھا:

"علاؤ الدین فوطہ دار دہلی مقرر دادند کہ با بندگان خدائے نیکو کند"۔

جب یہ خط سلطان علاؤ الدین خلجی کو ملا تو امراء نے کہا بادشاہ کو اس طرح خط لکھنا سوءِ ادب ہے لیکن سلطان نے کہا غنیمت ہے کہ ذرہ بے قدر کو اس مرتبہ فوطہ (۶۱) دہلی تو لکھا ایک مرتبہ شحنہ دہلی (۶۲) لکھا تھا۔ (۶۳)

سلطان غیاث الدین (م ۷۲۵ھ) ایک بار اپنے بیٹے جونا (محمد بن تغلق) اور بھتیجے فیروز (فیروز تغلق) کے ساتھ شیخ بو علی قلندر کی خدمت اقدس میں پہنچا انہوں نے کھانا منگوا کر سامنے رکھا۔ تینوں نے ایک ہی پیالے میں کھانا شروع کیا تو قلندر صاحب نے فرمایا:

"سہ پادشاہ دریک کاسہ طعام می خورند" (۶۴)

سلطان محمد بن تغلق (م ۷۵۲ھ) بھی اپنے والد بزرگوار کے نقش قدم پر چلتے ہوئے شاہ صاحب سے عقیدت رکھتا تھا۔ ایک بار سلطان نے ان کو یہ رباعی لکھ کر بھیجی تھی۔

گہ راست کند صورت مردی وزنی — گہ بشکند ایں طلسم جاد ووطنی
کس نیست کہ استاد قضا را پرسد — کز بہر چہ سازی وچرا می شکنی

شیخ شرف الدین نے جواب دیا:

شرطست کہ درامر قضادم ترنی — ایں نوع گفتی نہ تومردی نہ زنی
گل راچہ مجال است کہ پرسد زکلال — کز بہر چہ سازی وچرامی شکنی (۶۵)

شیخ بوعلی قلندرؒ فیروز شاہ تغلق (م ۷۹۰ھ) سے بہت محبت والفت کرتے تھے آپ اکثر جذب و سکر کی حالت میں رہتے تھے، کھانا کم کھاتے تھے۔ کبھی خواہش ہوتی تو "شیر بانبایات" چکھ لیتے تھے اپنا بچا ہوا کھانا کسی کو نہ دیتے تھے لیکن اکثر اوقات فیروز کو ان الفاظ کے ساتھ بھجوادیتے تھے۔

"برائے فرزند من فیروز ببرند" (۶۶)

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وادع الی ربک (اپنے رب کی طرف بلائیے) کے بمصداق ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیلے راہ خدا کے سفیروں نے بندگان خدا کو اسلام کے دامن عافیت میں لانے کے لئے تبلیغی کوششیں کیں جن کی بدولت کفر وظلمت کے اندھیروں میں روشنی کی کرنیں پھوٹیں۔ اللہ کی محبت کے دیوانوں اور صلح کل کے پروانوں نے دین کی عمارت ایسے اصولوں پر پروان چڑھائی کہ اللہ کی مخلوق باہم محبت والفت سے رہیں اور اللہ کی محبت کے سوا کچھ بھی منشاء ومقصد نہ ہو لہٰذا سینکڑوں غیر مسلموں نے ان کے دامن عافیت میں پناہ تلاش کی اور بھٹکے ہوئے مسافروں نے راہ پائی۔ بوعلی شاہ قلندر نے پانی پت اور اس کے مضافات میں تبلیغ واشاعت کا پرچار کر کے سینکڑوں غیر مسلموں کو گوشہ اسلام سے وابستہ کیا۔ اس ضمن میں آرنلڈ کہتے ہیں:

"The Muslim Rajputs of this city numbering about 300 males, are descended from a certain Amir Singh who was converted by this saint."(۶۷)

عشق ومعرفت اور دیدار محبوب میں مستغرق یہ دیوانہ دنیا سے رخصت ہوا تو ایک پیغام عالم کو دے گیا کہ دنیا کی محبت اور طمع عارضی اور فنا ہونے والی ہے جبکہ عشق الٰہی میں فنا ہونے والے اور دیدار محبوب کے آرزومند ہمیشہ نشان راہ ہوتے ہیں۔ آپ ۱۳ رمضان المبارک ۷۲۴ھ میں اس دنیا سے رخصت ہوتے

ہیں۔ تاریخ وفات "یا شرف الدین ابدال" سے نکلتی ہے۔ آپ کرنال میں مدفون ہوئے لیکن کہا جاتا ہے کہ عزیز واقارب ایک رات پوشیدہ طور پر نعش مبارک کو پانی پت میں لے جا کر دفن کر دیا (۶۸) چنانچہ کرنال، پانی پت، بڈھا کھیڑہ اور باگھوتی میں آج بھی آپ کے معتقدین کا ہجوم رہتا ہے۔ (۶۹)

آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں: (۷۰)

۱۔حکم نامہ ۲۔مکتوبات بنام اختیارالدین ۳۔دیوان بوعلی قلندرؒ ۴۔مثنوی بوعلی قلندرؒ

حکم نامہ:

یہ چھوٹا سا کتابچہ ۵ صفحات پر مشتمل ہے جس میں آپ کی سوانح تحریر ہے۔ (۷۱)

مکتوبات:

آپ کے خطوط عشق ومحبت، تصوف کے اسرار ورموز، توحید، طلب آخرت اور نفس کشی پر مبنی ہیں جن کا ذکر شیخ عبدالحق دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) نے اخبار الاخیار میں کیا ہے۔ چند نمونے درج ہیں:

"اے بھائی اللہ کی عنایت ہے کہ تم میں جذبہ پیدا کیا ہے اور تم کو خودی وخود رائی سے بچایا اور پھر تم میں عشق پیدا کر کے جلوہ حسن کو دکھایا۔ تم جب عشق کو جان لو گے تو معشوق کو پہچان لو گے اور حقیقی طور سے معشوق کے عاشق بن جاؤ گے۔ جب عاشق اپنے معشوق سے ملے تو معشوق کے طور طریق اور عاشق ہونے کے قاعدوں کو پیش نظر رکھے تو اس وقت عاشق ومعشوق کو پہچانا جا سکتا ہے۔" (۷۲)

"اے بھائی ذرا سوچو کہ تم کو ایک زبردست مہم طے کرنا ہے تمہیں اپنے لئے ایک مونس وہمدرد کی ضرورت ہے ہوش کے ناخن لو اور یقین کر لو کہ تم بحالت موجودہ اپنے نفس کے غلام بنے ہوئے ہو اسی سے کسی طرح چھٹکارا حاصل کرو"۔ (۷۳)

دیوان بوعلی شاہ قلندر:

آپ کا دیوان عشق ومحبت، تصوف کے اسرار ورموز، توحید، طلب آخرت، جذب وسکر کی کیفیات اور راہ سلوک کے حالات پر مشتمل ہے۔ اس میں ۸۹ غزلیں مذکور ہیں۔ پچھلے صفحات میں چند نمونے درج کر آئے ہیں۔

مثنوی بوعلی شاہ قلندر:

مثنوی کے لغوی معنی دو والا ہے۔ اصطلاح میں اس نظم کو مثنوی کہا جاتا ہے جس کے ہر شعر میں دو قافیے ہوں ایک پہلے مصرعے میں اور ایک دوسرے مصرعے میں۔ مثنوی بوعلی شاہ قلندرؒ بحر رمل مسدس مخذوف میں لکھی گئی ہے جس کا وزن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات، آخر رکن فاعلات بھی ہو جاتا ہے۔ مولانا روم کی مثنوی

''معنوی''، شیخ فریدالدین عطار کی مثنوی ''منطق الطیر'' اور بہاؤالدین آملی کی مثنوی ''نان وحلوا'' بھی اسی بحر میں لکھی گئی ہے۔(۷۴)

مثنوی بوعلی شاہ قلندر عشق ومحبت، ترک دنیا، تصوف کے اسرار ورموز، دعوت الی اللہ، ذکر اللہ، توحید، فلسفہ اور قرآنی تلمیحات پر مبنی ہے اس میں ۱۳۶۲ اشعار ہیں۔ چند نمونے درج ہیں۔

نظریہ عشق ومحبت:

فلسفہ اور علم کلام عقلی استدلال کے ذریعے سے خدا کی راہ دکھاتے ہیں جبکہ تصوف عشق ومحبت کے راستے اس منزل کو طے کرنا چاہتا ہے۔ عشق کا کمال یہ ہے کہ عاشق کا اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، سونا جاگنا غرض ہے کہ اس کے تمام افکار واعمال کا محور محبوب کا عشق اور اس کا تصور ہو۔ عشق کا عرفان وکمال یہ ہے کہ عاشق کی مرضی معشوق کی مرضی میں گم ہوجائے۔ عشق کی قوت سے غیر اللہ کے خیالات دل سے فنا ہوجاتے ہیں اور اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ یہ جو مختلف صوفیہ نے عشق کو اللہ کی محبت کے لئے لازمی قرار دیا ہے اس کی وجہ یہی ہے۔

خواجہ معین الدین چشتیؒ فرماتے ہیں:

''عاشق کا دل انس ومحبت سے دہکتا رہتا ہے اس میں جو خیال آتا ہے وہ خاکستر ہوجاتا ہے اور آنے والی چیز نابود ہوجاتی ہے کیونکہ انس ومحبت سے زیادہ کسی اور آگ میں اتنی تیزی نہیں''۔(۷۵)

صوفی حمیدالدین ناگوری کہتے ہیں:

''عشق کے بغیر اللہ کی توجہ اور قرب حاصل نہیں ہوسکتا لہٰذا عشق میں کوشش کرنا چاہیے۔''(۷۶)

اقبال کے نزدیک عشق جملہ اقسام کی حرکت اور ان کے عمل کی روح رواں ہے۔ اسی کے دم قدم سے زندگی کی رنگینی ہے۔

عشق سے پیدا نوائے زندگی میں زیر و بم   عشق سے مٹی کی تصویروں میں سوز دمبدم (۷۷)

بوعلی شاہ قلندرؒ کے یہاں عشق کے جوش کی بدولت مذہب میں خلوص، انہماک، عظمت اور جانداری کا تصور ملتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

ہر دلے کز عشق جانی یافتہ
تا ابد روئی روانی یافتہ
بردل ہر کس کہ نور عاشق تافت
خویش را با جان جانان زندہ یافت (۷۸)

آگے چل کر عشق کی بے خودی میں محو ہوکر اللہ سے التجا اور دعا کرتے ہیں کہ الٰہی مجھے عشق میں دیوانہ و پاگل کردے۔

عشق دہ تا بے خبر سازد مرا   بادہ گو بے پا و سر سازد مرا (۷۹)

عشق کی تعریف کرتے ہوئے خود ہی فرماتے ہیں کہ عشق سے مراد محبوب کا غم ہے جس نے پی وہ خودی سے بیگانہ ہوا۔

بادہ عشق از غم جانانہ است   ہر کہ خورد از خویشتن بیگانہ است (۸۰)

ایک جگہ لوگوں سے مخاطب ہوکر سوالیہ انداز میں پوچھتے ہیں کہ عشق کی اصل کے بارے میں معلوم ہے کہ عشق کیا ہے؟ پھر خود ہی جواب عرض کرتے ہیں اور عشق کی فضیلت واہمیت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

ہیچ میدانی کہ اصل عشق چیست   عشق را از حسن جانان زندگیست
عشق چوں جبرئیل در معراج حسن   برسر عاشق ہند صد تاج حسن (۸۱)

عشق کے سبب حسن کی معراج پانے کے لئے اس کی راہ میں کوشش اولین شرط ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے۔

وجاھدوا فی اللہ حق جھادہ (۸۲)

ترجمہ: اللہ کی راہ میں اس کی خوشنودی کی خاطر خوب اچھی طرح کوشش کرو۔

ار توانی اے دلاور عشق کوش   ایں حکایت راز عاشق دار گوش (۸۳)

عشق کے راستے میں آرزو اور تمنا کو خاکستر کرکے ہی عاشق معشوق کو پاسکتا ہے یعنی رضا بر رضا الٰہی میں معشوق کو پانا ہے جیسا پروانہ شمع کے گرد جل کر خاکستر ہوجاتا ہے اور ہم رنگ بن جاتا ہے۔

در محبت تا سوزی بال و پر   کہ شوی ہم رنگ آتش سربسر
سوز شوں پروانہ در جسم قفس   تا شوی با جانان ہمنفس (۸۴)

یہاں ایک اور مطالبہ عاشق سے کیا جارہا ہے کہ اگر تو معشوق کا ہم رنگ بننا چاہتا ہے تو اپنی انانیت ختم کردے۔

تا توئی کے یار گردد یار تو   چون نباشی یار باشد یار تو (۸۵)

جب عاشق اپنے ذاتی عیوب کو برا جانے اور انوار الٰہی سے اس کا باطن درخشاں ہوجائے کہ تمام دنیا اور دنیاوی شان وشوکت کی اس کی نظر میں وقعت نہ رہے۔ جس وقت یہ حالت ہوجاتی ہے تو حیوانی صفات، غصہ، غرور، کنجوسی، حرص ولالچ کے بجائے عفو، بردباری، تواضع اور ایثار جیسی خوبیاں پیدا ہوجاتی ہیں

اور وہ اس آیت کی تشریح بن جاتا ہے۔ صبغتہ اللہ و من احسن من اللہ صبغتہ ٥ (۸۶) رنگ دیا ہے ہم کو اللہ نے اور کون ہے بہتر خدا سے رنگ میں۔ بقا اور فنا کی منزل بھی یہی ہے اور دوسرے الفاظ میں اس کو موتو قبل ان تموتو بھی کہہ دیتے ہیں۔

پیش مردن میرا ے نیکو سیر   جان نجانان دہ زحال خود گزر (۸۷)

اگر معشوق کی مرضی میں اپنی مرضی کو گم کردے گا تو تیرے لئے خوش خبری ہے کہ تخلقو ابا خلاق اللہ سے آراستہ ہوجائے گا۔

گر بمعشوقی تو از خود جان دہی   قالب خود را کن از جان تہی
در تو گردد جان جانان جلوہ گر   خویش را با چشم معشوق نگر (۸۸)

ترکِ دنیا:

ترک دنیا سے مراد ترک نفسانی خواہشات ہیں کیونکہ انسانی نفس اور خواہشات انسان کے کھلے دشمن ہیں دونوں راہ خدا سے علیحدہ کرنے والے اور برائی کا فتنہ پیدا کرتے ہیں جیسا کہ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

افرایت الذین من اتخذ الھہ ھوہ و اضلہ اللہ ٥ (۸۹)

ترجمہ: بھلا دیکھو تو وہ جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا ٹھہرا لیا اور اللہ نے اسے گمراہ کیا۔

و من اضل ممن اتبع ھوہ بغیر ھدی من اللہ (۹۰)

ترجمہ: اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون جو اپنی خواہش کی پیروی کے اللہ کی ہدایت سے جدا۔

دنیاوی خواہشات اور آرزوؤں کے حصول کے لئے کوشش کرنا نادانی ہے۔ آپ کے اشعار میں حب دنیا کی مذمت، نفس کو قابو کرنے کی ترغیب اور خواہشات کو ترک کرنے کی تاکید نظر آتی ہے۔

حبِ دنیا چوں کند بر دل نگاہ   دل چو خارا گردوش سخت و سیاہ
کو دگر بود روشن چشم یقین   بستہ گردد بعد ازاں درہائے دین
مرد باید تانہد برنفس پا   بگزرد از شہوت و حرص و ہوا
دست ہمت دار برا فراز و بلند   نفس را چوں صید آرد در کمند (۹۱)

ذکر اللہ:

نفس اور خواہشات کو کمند میں لانے کے لئے بوعلی شاہ قلندر نے ذکر اللہ اور فقر و زہد سے زندگی گزارنے کے لئے ترغیب دی ہے تا کہ اللہ کا قرب حاصل ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ولذکر اللہ اکبر ۹۲)٥)

ترجمہ: اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے۔

فاذکرونی اذکرکم ٥ (۹۳)

ترجمہ: مجھ کو یاد کرو میں تم کو یاد رکھوں گا۔

واذکرو اللہ کثیر العلکم تفلحون ٥ (۹۴)

ترجمہ: اور اللہ کو باکثرت یاد کرتے رہو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

مثنوی میں ذکر اللہ کی فضیلت اور رغبت ان اشعار میں ہے:

ہوش دردم دارائے خدا   یک نفس یکدم مباش ازحق خدا
نفی گرداں از دل خود ماسوا   تا نگنجید دردلت غیراز خدا
زنگ دل از صیقل لا پاک کن   سینہ باتیغ محبت چاک کن
اسم ذات اوچو بر دل نقش بست   سکہ ضرب محبت خوش شست
چوں شوی فانی تو از ذکر خدا   راہ یابی در حریم کبریا (۹۵)

حلال روزی:

آپ نے اطاعت الٰہی اور قرب الٰہی کے لئے حلال و پاکیزہ روزی کو بہت اہمیت دی ہے اس کے بغیر حرص و ہوا ختم نہیں ہوسکتی اور نفس امارہ کو نفس مطمئنہ میں تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔ حرص و لالچ، دولت و امارت کی چاہت انسان کو قرب الٰہی سے دور کرتی ہیں اور انسان دنیاوی بھنور میں پھنس کر دنیا و آخرت دونوں کو تباہ و برباد کردیتا ہے۔ تزکیہ نفس کا تقاضہ ہے کہ حیوانی اور بری صفتوں سے دور رہ کر انسان اچھے اوصاف سے متصف ہو جس کے لئے ضروری ہے کہ حلال روزی کا اہتمام کیا جائے۔ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

کلو امما رزقکم اللہ ولا تتبعوا خطوات الشیطن ٥ (۹۶)

ترجمہ: کھاؤ اس چیز سے کہ رزق دیا ہے تم کو اللہ نے اور مت پیروی کرو شیطان کی۔

فکلو امما رزقکم اللہ حللا طیبا و اشکرو انعمت اللہ ان کنتم ایاہ تعبدون (۹۷)٥

ترجمہ: پس کھاؤ اس چیز سے کہ دیا ہے تم کو اللہ نے حلال پاکیزہ اور شکر کرو نعمت اللہ کی اگر ہو تم اس کی عبادت کرتے۔

مثنوی کے اشعار حلال روزی کے متعلق حسب ذیل ہیں:

بہر طاعت لقمہ باید حلال   تا بنفیزاید ترا رنج و ملال
لقمہ شبہ چوافتد درشکم   قوت اوئے کند بسر رشتہ کم

چوں نجواہی لقمہ نادان ز آز　　نفس گرداند دہان حرص باز
چوں تکبر مرتزار سوا کند　　شہوت حرص و ہوا پیدا کند
گرخوری یک لقمہ ازوجہ حلال　　نورتابہ بردل ازمہر کمال
گرشوی از لقمہ شبہ نفیر　　نفس راسازی بفضل حق اسیر (۹۸)

دعوت الی اللہ:

آپ کا انداز بیاں پر اثر اور دل پذیر ہے سادہ اور بلیغ انداز میں مخاطب کو جھنجھوڑ کر اس کو حالت بیگانگی اور نالائقی سے بیدار کرتے ہیں۔ محبت وخلوص سے اللہ کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ الغرض مثنوی میں دعوت وتبلیغ کا اثر نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ قرآن پاک میں خیر وبھلائی کے امور کی طرف تبلیغ، نیکی اور بھلائی کے کاموں میں اعانت کے بارے میں ارشاد باری تعالی ہے۔

وادع الی ربک (۹۹)

ترجمہ: اپنے رب کی طرف بلایئے۔

ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ٥ (۱۰۰)

ترجمہ: آپ اپنے رب کی راہ کی طرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعے بلایئے۔

مثنوی میں شاہ صاحب دعوت الی اللہ کی تبلیغ دیتے ہوئے یوں فرماتے ہیں:

اے گرفتاری بہ بند نام ونگ　　شیشہ ناموس راہشکن بسنگ
اوست پیدا در تو از خویش گم　　مرگ آید ناگہاں گوید کہ کم
ناگہاں بر خیزی اتی درمناک　　روز محشر منفعل خبری زحاک
رحم کن برحال خودای ابوالہوس　　بار گردو توبہ کن در ہر نفس (۱۰۱)

نظریہ وحدت الوجود:

مسئلہ وحدت الوجود کے مطابق وجود صرف ایک ہے اور تمام اشیاء اسی ایک وجود کی تجلیات اور مظاہر ہیں۔ وجودِ حقیقی اور کائنات میں ذات وصفات کی نسبت ہے اور چونکہ صفات عین ذات ہیں اس لئے کائنات بھی حق تعالی سے الگ کوئی وجود نہیں رکھتی بلکہ سب کچھ وہ وہی ہے۔ (۱۰۲) بوعلی شاہ قلندرؒ بھی وحدت الوجود کے حامی ہیں آپ فرماتے ہیں:

ہر چہ بینی درحقیقت جملہ اوست
شمع وگل پروانہ بلبل ہم ازوست (۱۰۳)

حضرت شمس الدین ترک پانی پتی:

آپ کا نام شمس الدین، لقب شمس الاولیاء اور خطاب شمس الدین ترک (تا کے زبر کے ساتھ) ہے۔ اس خطاب کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ آپ نے راہ خدا میں وطن، اہل وعیال، مال ومتاع اور جو کچھ تھا وہ سب اللہ کی راہ میں ترک کردیا یہاں تک کہ حضرت صابرؒ کی صحبتِ فیض میں رہ کر مہمانوں کی مہمان نوازی اور لنگر کے لئے جنگل سے لکڑیاں کاٹ کرلانا جیسی ذمہ داریاں ادا کرکے اپنے آرام وسکون کو ترک کردیا اور پھر راہِ سلوک وتصوف میں ایسے مستغرق ہوئے کہ اہل وعیال کی خبر تک نہ لی۔ اگر آپ کو تا کے پیش کے ساتھ پڑھا جائے تو صحیح معلوم نہیں ہوتا کیونکہ آپ نسلاً ہاشمی اور علوی تھے۔ (۱۰۴)

آپ کا سلسلہ نسب اس طرح مرقوم ہے۔ حضرت خواجہ شمس الدین پانی پتؒ ابن سید احمد ابن سید عبدالمومن ابن سید عبدالملک بن سید سیف الدین ابن خواجہ درعنا ابن بابا قرعنا۔ (۱۰۵) سلسلہ نسب میں ابھی بہت سے واسطے ہیں چونکہ یہ نامکمل ہے اس لئے وثوق سے نہیں کہا جاسکتا کہ آپ محمد بن حنفیہ کی اولاد میں ہیں اور نہ ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ فاطمی ہیں پس آپ علوی سادات میں سے ہیں۔ سیر الاقطاب میں آپ کے نسب کے بارے میں اس طرح مذکور ہے:

"شمس الاولیاء اصل از سادات صحیح النسب ترکستان شت" (۱۰۶)

آپ کی پیدائش کے متعلق کسی تذکرہ نگار نے قلم کو جنبش نہیں دی البتہ قیاس کیا جاتا ہے کہ آپ کی پیدائش ۶۲۳ھ تا ۶۲۸ھ کے درمیانی حصے میں ترکستان میں ہوئی ہوگی کیونکہ اس دور کے مروجہ علوم کی تحصیل میں کم وبیش ۱۸ یا ۲۲ سال درکار ہوتے تھے پھر ماوراء النہر کے بزرگان سے فیض روحانی اکتساب کیا اس طرح تقریباً ۵ یا ۷ سال ان بزرگوں کی صحبت میں رہے ہونگے لہٰذا کل ۲۵ یا ۲۷ سال اندازاً بنتے ہیں۔ آپ کی اجودھن (پاکپتن) آمد ۶۵۸ھ تحریز ہے۔ (۱۰۷) اس طرح قیاس کیا جاتا ہے کہ آپ ۲۵ تا ۲۸ سال کی عمر میں اجودھن پہنچے ہونگے۔ جبکہ تذکرہ صابر کلیرؒ میں مندرج ہے کہ آپ ۶۲ سال کی عمر میں ۶۵۸ھ میں بابا فرید گنج شکرؒ کی خدمتِ اقدس میں پہنچے۔ ۶۲ سال کی عمر میں سفری تقاضوں کو پورا کرنا پھر بابا فریدؒ اور علاؤ الدین صابرؒ کی خدمتِ اقدس میں رہ کر ریاضت ومجاہدہ شاقہ کرکے خرقہ خلافت حاصل کرنا نیز بلبن کی فوج میں فوجی خدمات انجام دینے جیسے کام کے لئے اس عمر میں تندرست وتوانا اور چاک وچوبند ہونا ضروری ہے جبکہ محولہ بالا کام ۶۲ سال کی عمر کے بعد انجام نہیں دیئے جاسکتے لہٰذا قیاس کیا جاتا ہے کہ بابا صاحبؒ کے پاس شمس الدین ترکؒ کی آمد ۲۵ سے ۲۸ سال کی عمر کے لگ بھگ ہوئی ہوگی۔

آپ نے ظاہری علوم کن اساتذہ سے حاصل کئے اس کے متعلق تذکرہ نگار کچھ کہنے سے

قاصر ہیں البتہ اختر دہلوی نے مراۃ الاسرار کے حوالے سے لکھا ہے کہ آپ ترکستان میں علوم معقول و منقول، منطق، ریاضی، ہیئت، ہندسہ وغیرہ سے فارغ ہوئے۔ علوم ظاہری کی تحصیل کے بعد باطنی علوم کی تحصیل کے لئے کامل پیر کی تلاش میں گھر بار چھوڑا۔ بزرگان ماوراالنہر کی خدمت میں رہے مگر کسی کی خدمت میں اطمینان قلب اور تشفی نہ ہوئی تو ہندوستان کا رخ کیا اور اجودھن پہنچے۔ اجودھن میں بابا فرید گنج شکرؒ (م ۶۶۸ ھ) کی قدم بوسی سے مشرف ہوئے۔ شمس الدین آپ کی خدمت میں رہ کر فیوض و برکات اور باطنی فیض سے مستفیض ہوئے۔ بابا فرید الدینؒ نے آپ کی تربیت فرما کر حضرت صابرؒ (م ۶۹۰ ھ) کی خدمت اقدس میں روانہ کیا اور فرمایا کہ ان کا حصہ دوسرے مرشد کے پاس ہے۔ (۱۰۸)

مخدوم علاؤالدین صابرؒ نے آپ کو دیکھ کر فرمایا: "اے شمس الدین تو میرا فرزند ہے میں نے خدا سے چاہا کہ میرا سلسلہ تجھ سے جاری ہو اور قیامت تک رہے"۔ آپ کو بیعت سے مشرف فرمایا اور اسم اعظم اور دیگر نعمتائے چشتیہ جو سینہ بہ سینہ چلی آتی ہیں آپ کو تعلیم کیں۔ آپ (۱۵) پندرہ سال تک حضرت صابرؒ کی خدمت اقدس میں رہے اور جب آپ کے ذمے پانی پت کی ولایت سپرد کی گئی تو آپ نے معذرت فرماتے ہوئے تحفظِ وطن کی خاطر فوج میں ملازمت کو ترجیح دی جسے قبول کر لیا گیا۔ (۱۰۹)

شمس الدین ترک ۶۵۹ ھ یا ۶۶۰ ھ میں اجودھن سے کلیر پہنچے اور تقریباً پندرہ سال حضرت صابرؒ کی تربیت میں رہ کر مختلف خدمات انجام دیں۔ پھر تقریباً ۶۷۶ ھ میں بلبن کی فوج میں ملازمت اختیار کی اور تقریباً پانچ یا چھ سال ملازمت کر کے تقریباً ۶۸۲ ھ میں حضرت صابر کی خدمت اقدس میں پہنچے۔ آپ سے باطنی فیوض و برکات حاصل کر کے پانی پت کی خلافت سے مستفید ہوئے۔ حضرت صابرؒ نے آپ کو خلافت دے کر فرمایا میرے وصال کے بعد تین دن سے زیادہ نہ رہیں آپ کا انتقال ۶۹۰ ھ میں ہوا آپ اسی سال پانی پت پہنچے۔ (۱۱۰)

یہاں اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ آپ نے بلبن کی فوج میں ملازمت کیوں اختیار کی جبکہ ہم پچھلے صفحات میں ذکر کر آئے ہیں کہ آپ نے راہ خدا میں ہر چیز ترک کر دی اس لئے آپ کا خطاب ترک ہوا۔ جبکہ آپ کی ملازمت آپ کے خطاب سے میل نہیں کھاتی۔ اگر ہم اسلامی تاریخ کے جھرونکوں میں جھانکیں تو یہ بات صاف طور پر نظر آئے گی کہ مسلمان دن کی روشنی میں میدان جنگ کے شہسوار اور رات کی تاریکی میں مالک حقیقی کے آگے سربسجود اور نیاز و التفات کرتے تھے۔ مسلمان جب تک انہی خصائل سے وابستہ رہے تو دنیا پر حکمراں رہے اور اس آیت کی عملی تفسیر رہے۔

ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنہ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون (۱۱۱)

ترجمہ: بے شک اللہ نے خرید لئے ہیں مسلمانوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال اس معاوضے میں کہ ان کو جنت ملے گی۔ یہ مسلمان راہ خدا میں جہاد کرتے ہیں قتل بھی کئے جاتے ہیں اور دوسروں کو بھی قتل کرتے ہیں۔

اگر ہم بلبن (۶۶۶ ھ تا ۶۸۶ ھ) کے دور حکومت کا جائزہ لیں تو بلبن نے فوج کشی کے بجائے بغاوتوں کو فرو کرنے اور مغلوں کے حملوں سے بچاؤ کے لئے مدافعتی اور حفاظتی تدابیر اختیار کیں۔ نظام الدین کی زبانی اس بارے میں سنتے ہیں:

"جب اس کی سلطنت مستحکم ہو گئی تو چند شمسی امیروں نے عرض کیا کہ اب قوت واقتدار حاصل ہو چکا ہے گجرات، مالوہ اور ہندوستان کے دوسرے علاقوں کو چھوڑ نا مناسب نہیں ہے سلطان نے جواب دیا کہ چونکہ مغل ہر سال حملہ کر دیتے ہیں ان کا خیال رکھنا ضروری ہے اور دہلی سے دور ممالک کے لئے جانا مناسب نہیں سمجھتا۔ پہلے اپنے ملک کو مطمئن کر دینا چاہا اس کے بعد دوسرے ملک کی فکر کرنی چاہیے۔ شاہان سلف کا قول ہے کہ اپنے ملک کو مضبوط اور پر امن رکھنا بہتر ہے بہ نسبت اس کے دوسرے ممالک پر ہاتھ ڈالا جائے اور جس نے اپنے ملک کے امن و سکون میں فروگزاشت کی وہ ضرور خدا کے سامنے ماخوذ ہو گا۔" (۱۱۲)

مندرجہ بالا بیان اور واقعات کی روشنی میں قیاس کیا جاتا ہے کہ بادشاہ نے فوج میں بھرتی کے لئے عام اعلان کیا ہو اور آپ نے جہاد کو مقدم سمجھ کر فوجی خدمات کے لئے خود کو وقف کر دیا ہو۔ ہمارے اس مئوقف کی تائید خلیق احمد نظامی کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے:

"گو چشتیہ سلسلے کے مشائخ اور مولانا زاہدؒ کے ہم خیال علماء حکومت کی ملازمت کو اچھا نہیں سمجھتے تھے اور بالعموم سرکاری ملازمتوں سے گریز کرتے تھے لیکن بلبن کی دینی دلچسپیوں سے متاثر ہو کر بعض اہم مذہبی شخصیتیں دامن حکومت سے وابستہ ہو گئیں تھیں۔ اس سلسلے میں مولانا شمس الدین خوارزمیؒ، حسن سنجریؒ، مولانا شمس الدین ترک اور شمس دبیر خاص طور پر قابل ذکر ہیں" (۱۱۳)

جہاد کے دوران ایک مہم پر قلعے کی تسخیر میں کچھ دشواریاں پیش آئیں اور رات کو ایسی آندھی چھائی کہ ہر جگہ کی روشنی ختم ہو گئی لیکن ایک سقہ نے دیکھا کہ ایک خیمے میں چراغ روشن ہے اور ایک درویش قرآن پاک کی تلاوت میں مصروف ہے۔ سقہ نے ان کی بزرگی کا حال بلبن سے بیان کیا۔ بلبن عقیدت اور خادمانہ انداز میں آپ کی خدمت اقدس میں پہنچا اور آپ سے قلعے کی تسخیر کے لئے دعا کے لئے عرض کیا آپ کی

دعا کی برکت سے قلعہ فتح ہو گیا۔ (۱۱۴)

حضرت شمس الدین ترک اس واقعے سے رنجیدہ خاطر رہے کہ آپ کا حال ظاہر ہو گیا۔ آپ جلد فوجی ملازمت ترک کر کے پیرو مرشد حضرت صابرؒ کی خدمتِ اقدس میں پہنچ گئے۔ مزید باطنی فیوض و برکات کو سمیٹ کر اپنے مرشد کی ہدایت کے مطابق ۶۹۰ھ میں پانی پت روانہ ہوئے۔ بو علی شاہ قلندر کی سیرت میں ہم دونوں بزرگوں کے مابین دلچسپ واقعہ پڑھ آئے ہیں۔ بہر حال بو علی شاہ قلندرؒ اور حضرت شمس الدین ترک کے مابین الفت و محبت کا رشتہ قائم رہا۔ آپ کی پانی پت آمد کے بعد بو علی شاہ قلندرؒ باگھوتی اور بڑھا کھیڑا کے علاقوں میں درویشانہ زندگی گزارتے تھے جہاں آپ استغراق کی کیفیت میں رہتے۔

حضرت شمس الدین ترک نے پانی پت میں رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا اور سلسلہ صابریہ کو تقویت دی۔ حضرت جلال الدین کبیر الاولیاء سے آپ کا سلسلہ دوام پایا۔ آپ صاحب عظمت و ولایت تھے، علم ظاہری و باطنی میں اپنی مثال آپ تھے۔ زہد و تقویٰ آپ کا مشہور تھا اور مجاہدہ و ریاضت میں بے مثل تھے۔ وضع و قطع سے قلندر معلوم ہوتے تھے اور قلندروں کا لباس پہنتے تھے۔ آپ کا وصال ۷۱۵ھ میں ہوا اور پانی پت میں مرجع خلائق ہیں۔ (۱۱۵)

حضرت جلال الدین کبیر الاولیاءؒ پانی پتی:

آپ کی ولادت باسعادت ۶۳۵ھ میں ہوئی، آپ کا اصل نام محمد تھا، پیرو مرشد نے آپ کا خطاب جلال الدین رکھا اور طریقت کے پیرو کاروں نے آپ کو کبیر الاولیاء کا خطاب دیا، عوام میں مخدوم صاحب سے مشہور ہوئے۔ (۱۱۶) آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء ابن خواجہ محمود ابن خواجہ یعقوب ابن خواجہ عیسیٰ ابن خواجہ اسماعیل ابن خواجہ محمد ابن خواجہ ابی بکر ابن خواجہ علی ابن خواجہ عثمان ابن خواجہ عبداللہ ابن خواجہ عبدالرحمن الکاذرونی ابن خواجہ عبدالعزیز سرخسی ابن خواجہ خالد ابن خواجہ ولید ابن خواجہ عبدالعزیز اکبر ابن خواجہ عبدالرحمن اکبر ابن خواجہ عبداللہ ثانی ابن خواجہ عبدالعزیز ابن خواجہ عبداللہ کبیر ابن خواجہ عمرو ابن امیر المومنین حضرت عثمان بن عفانؓ۔ (۱۱۷)

آپ نے ظاہری علوم پانی پت میں حاصل کئے بچپن میں سایہ پدری سے محروم ہو گئے تو چچا نے پرورش کی ذمہ داری لی۔ اللہ نے حسن ظاہری کے علاوہ حسن باطنی سے بھی خوب نوازا تھا۔ آپ کے خاندان کا ذریعہ معاش زمیندارہ تھا۔ آپ کو بچپن سے سیر و سیاحت اور شکار کا بے حد شوق تھا۔ حضرت شیخ بو علی شاہ قلندرؒ بچپن ہی سے آپ پر بہت مہربان تھے۔ آپ بو علی شاہ قلندرؒ سے بیعت کی خواہش کا اظہار فرماتے مگر شاہ صاحبؒ فرماتے اے فرزندِ عزیز تمہارا مرید ہونا کسی اور صاحب کمال کے ہاتھ پر مقدر ہو چکا ہے۔ چنانچہ جب

شمس الدین ترک پانی پت تشریف لائے تو آپ حضرت کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر بیعت و ارادت سے شرفیاب ہوئے اور ریاضت و مجاہدہ شاقہ کے بعد خلافت و اجازت سے بھی سرفراز ہوئے۔ (۱۱۸)

آپ بچپن ہی سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور محبوب حقیقی کے طلب کے اسیر ہوئے۔ شاہ صاحبؒ کو آپ سے بہت محبت و الفت تھی۔ عشق الٰہی آپ کی بدولت رگ و پے میں سرایت کر گیا تھا مگر آپ کی باطنی تربیت شمس الدین ترک پانی پتی کے ذمہ تھے اس لئے قلندرؒ نے باوجود اسرار کے مرید نہیں کیا۔ جب شمس الدین ترک پانی پت تشریف لائے تو آپ دولت صابری سے مستفید ہوئے اس طرح آپ دوہری باطنی دولت سے مستفید ہوئے۔ (۱۱۹)

ایک مرتبہ آپ سیاحت کرتے ہوئے دریا کے کنارے پہنچے ایک جوگی آنکھیں بند کئے گیان دھیان میں بیٹھا تھا آپ کے وہاں پہنچنے پر جوگی نے آنکھیں کھولیں اور آپ کو سنگ بار دیتے ہوئے کہا کہ اس کو جس لوہے پر مل دو گے سونا ہو جائے گا۔ آپ نے اس پتھر کو دریا میں پھینک دیا جوگی خفا ہوا، آپ نے فرمایا اے نادان! اس چشمے میں اتر جا اور اپنے پتھر کو لے آؤ مگر شرط یہ ہے کہ اس جیسا اور پتھر نہ ہو۔ وہ جوگی پانی میں اترا تو پارس جیسے بے تحاشہ دوسرے پتھر موجود تھے وہ جوگی آپ کی خدمت میں دو پتھر لئے حاضر ہوا اور آپ کی کرامات کو دیکھ کر حلقہ بگوش اسلام ہوا۔ (۱۲۰)

آپ پیرو مرشد کے حکم سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے، آپ کے پانچ صاحب زادے اور دو صاحب زادیاں تھیں۔ صاحب زادوں نے والد بزرگوار کے نقش قدم پر چلتے ہوئے پانی پت کے اطراف میں طریقہِ صابریہ چشتیہ کی بہت خدمت کی۔ آپ کے صاحب زادوں کے اسمائے گرامی اس طرح مذکور ہیں۔ خواجہ عبدالقادر، خواجہ ابراہیم، خواجہ شبلی، خواجہ کریم اور خواجہ عبدالواحد۔ آپ کی وفات کے بعد خواجہ ابراہیم سجادہ نشین ہوئے مگر انہوں نے خواجہ شبلی کو اس منصب پر مقرر کیا۔ آپ کے چالیس خلفاء ہیں جن میں شیخ عبدالحق ردولویؒ (م ۸۳۷ھ)، شیخ بہرامؒ (م ۸۵۴ھ) اور حضرت شیخ نظام قدس سرہ قابل ذکر ہیں۔ (۱۲۱)

یہاں ہم اختصاراً آپ کے معروف خلفاء کا تذکرہ کرتے چلیں تاکہ ان کی خدمات سے آشنا ہو سکیں۔

(الف) شیخ عبدالحق ردولویؒ:

آپ ردولی شریف یوپی میں ۷۷۶ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ شیخ جلال الدین پانی پتی کے نامور خلیفہ تھے۔ آپ نے سلسلہ عالیہ کو نہ صرف دوام بخشا بلکہ برصغیر کے اطراف و کناف میں پھیلانے میں اہم

کردار ادا کیا۔ آپ صاحبِ تصرف و کرامات بزرگ تھے، شوق وذوق کے ساتھ بے خودی کی حالت میں زندگی بسر کرتے رہے۔ آپ فرماتے تھے کہ حق کی ذات پاک اور بے نام ونشان ہے اگر اس ذات پاک کا کوئی نام مقرر کرے تو حق سے زیادہ کوئی اور بہتر نہیں ہے کیونکہ حق کے معنی جملہ کمالات کا سزاوار اور ثابت بالذات ہے۔ اس لئے ذات پاک کو حق کہنا اس کے کمال کی وضاحت ہے۔ آپ نے ۱۵ جمادی الثانی ۷۸۳ھ کو وفات پائی۔ آپ کا مزار ردولی شریف میں ہے۔(۱۲۲)

(ب) شیخ بہرامؒ:

حضرت مخدوم شیخ بہرام بیڈولوی اپنے وقت کے بہت بڑے عالم وفاضل اور عارف کامل بزرگ تھے۔ آپ مخدوم صاحبؒ کے کبائر خلفاء میں سے تھے۔ آپ نے بیڈولوی میں ساری عمر گزاری اور وہیں آسودہِ خاک ہیں۔(۱۲۳) آپ کا انتقال ۸۵۴ھ میں ہوا۔ مذکورہ شعر سے آپ کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔

سال وصل وے شداز سرورعیاں زبدہ آفاق قطب الاتقیاء(۱۲۴)

(ج) شیخ نظامؒ:

حضرت شیخ نظامؒ بہت بڑے عالم وفاضل اور حضرت جلال الدینؒ کے خلفاء کبائر میں سے تھے۔ آپ تیس برس تک اپنے پیرومرشد کی خدمت اقدس میں رہ کر ریاضت ومجاہدہ اور عبادات میں مشغول رہے پھر خلافت واجازت سے سرفراز ہو کر سنام رخصت ہوئے۔ آپ کا مزار سنام میں مرجع خلائق ہے۔(۱۲۵)

یہاں ہم اپنا سلسلہ دوبارہ مخدوم صاحبؒ سے جوڑتے ہیں۔ آپؒ کشف وکرامات بزرگ تھے آخر عمر میں استغراق کا بہت غلبہ ہو گیا تھا جس کے باعث نماز کے اوقات آپ کے کان میں تین مرتبہ حق حق حق کہا جاتا تب آپ کو ہوش آتا اور نماز ادا کرتے۔ آپ شریعت وطریقت کے پیکر تھے سلسلہ صابریہ چشتیہ کو آپ کے خلفائے عظام اور صاحب زادگان نے اطراف وکناف میں پھیلایا اور ایک عالم فیوض وبرکات سے مستفیض ہوا آپ صاحبِ تصنیف بزرگ تھے۔ زادالابرار آپ کی علمی کاوش کی آئینہ دار ہے۔ آپ نے ۱۳ ربیع الاول ۷۶۵ھ کو انتقال فرمایا۔ آپ کا مزار مبارک پانی پت میں زیارت گاہِ ہر خاص وعام ہے۔(۱۲۶)

حضرت خواجہ شبلیؒ:

حضرت خواجہ شبلیؒ ابن خواجہ جلال الدین کبیر الاولیاءؒ صاحب کشف وکرامت بزرگ تھے۔ شریعت وطریقت کے پیکر تھے اور ہمیشہ ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ آپ لوگوں سے میل جول میں احتیاط کرتے تھے خصوصاً دولت مندوں سے اجتناب برتتے تھے۔ اس دور کے علماء وفضلاء آپ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے تھے آپ نے خرقہ خلافت والد بزرگوار سے حاصل کیا تھا۔(۱۲۷) آپ کا انتقال ۷ ربیع الاول ۸۵۲ھ کو ہوا۔(۱۲۸)

حضرت خواجہ عبدالقدوسؒ:

خواجہ عبدالقدوسؒ ابن خواجہ شبلی عبادت وریاضت اور کرامت میں مشہور تھے۔ آپ ذکر الٰہی میں مشغول رہتے۔ آپ مستجاب الدعوات تھے۔ آپ کا پیشہ کھیتی باڑی تھا۔ خرقہ خلافت اپنے والد بزرگوار سے حاصل کیا۔(۱۲۹)

حضرت خواجہ عبدالکبیر الاولیاءؒ:

حضرت خواجہ عبدالکبیر ابن خواجہ حضرت عبدالقدوس جامع کمالات اور صاحب کشف وکرامات بزرگ تھے۔ آپ مستجاب الدعوات تھے اس لئے لوگ بالا پیر کہتے تھے۔ آپ کے معتقدین میں علماء وفضلا اور خاص وعام شامل تھے۔ آپ بزرگوں کا عرس مناتے اور غرباء ومساکین میں لنگر تقسیم فرماتے۔ آپ نے خرقہ خلافت اپنے والد بزرگوار سے حاصل کیا۔(۱۳۰) آپ کا انتقال ۷۹۴ھ کو ہوا۔(۱۳۱)

حضرت شیخ عثمان زندہ پیرؒ:

حضرت شیخ عثمان زندہ پیر ابن شیخ عبدالکبیر مشائخ عصر میں سے تھے۔ زہد وتقویٰ اور علوم ظاہری وباطنی میں کامل اور مکمل تھے۔ ایک بار دو شخص قوم جاٹ کے ایک ان میں ہندو اور دوسرا مسلمان تھا۔ لڑتے لڑتے آپ کی خدمت میں پہنچے۔ آپ نے دونوں کا بیان سنا اور فیصلہ مسلمان کے حق میں کر دیا اور ڈگری جاری کر دی۔ ہندو اس فیصلے سے بہت خفا ہوا کہ آپ نے اپنی ملت کی پاسداری کی ہے۔ آپ نے یہ سن کر مراقبہ کیا اور سر اٹھا کر فرمایا کہ تمہاری دونوں کی عورتیں حاملہ ہیں جو سچا ہے اس کے گھر لڑکا اور جھوٹا ہے اس کے گھر لڑکی پیدا ہوگی۔ تھوڑے عرصے بعد ہندو کے گھر دختر اور مسلمان کے گھر لڑکا پیدا ہوا اس وقت دونوں کا نفاق ختم ہوا۔ آپ کی وفات ۹۹۹ھ میں ہوئی۔ مزار پانی پت میں مرجع خلائق ہے۔(۱۳۲)

شیخ نظام الدینؒ ابن شیخ عثمان زندہ پیرؒ:

آپ خلیفہ اپنے پدر کے تھے۔ آپ عمدہ اور حمیدہ اوصاف کے مالک تھے، ریاضت ومجاہدہ اور

عبادت الٰہی میں بے مثل تھے۔ دونوں جہاں سے بے پرواہ ہروقت یادالٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ والد بزرگوار کے وصال کے بعد آپ مسند خلافت مقرر ہوئے آپ نے ایک مدت ہدایت وارشاد میں مشغول رہ کر ۱۰۱۸ھ میں رحلت فرمائی۔ مزار پانی پت میں ہے۔(۱۳۳)

شاہ اعلیٰ چشتیؒ:

شاہ اعلیٰ چشتیؒ ۸۹۰ھ میں پیدا ہوئے آپ کا اصل نام عبدالسلام تھا۔ حضرت نارنولیؒ (م ۹۹۷ھ) کی قدردانی اور حوصلہ افزائی نے آپ کو اعلیٰ کا خطاب دیا۔ شیخ کی شفقتوں اور محبت کے باعث خطاب اتنا مشہور ہوا کہ اسی نام سے معروف ہوئے۔ ظاہری و باطنی علوم والد بزرگوار شیخ عثمان زندہ پیرؒ سے حاصل کئے۔ والد کی صحبت میں رہ کر خلافت وارادت حاصل کیا۔ طبیعت میں سیر وسیاحت اور بزرگوں کی صحبت کا ذوق وشوق آپ کو حضرت نارنولیؒ کی خدمت میں لے گیا، ان کی خدمت میں رہ کر فیض صحبت سے مستفیض ہوئے۔ آپ نے ایک عرصہ بابری فوج کے کمانڈر قراخاں کی سربراہی میں فوجی ملازمت اختیار کی۔ بابری فوج میں آپ تیراندازی اور نشانہ بازی میں ملکہ رکھتے تھے۔ آپ نے تقریباً ۲۰ سال تک لوگوں کی تعلیم وتربیت فرمائی اور امانت بزرگان چشت سے ایک عالم کو فیض یاب کرتے رہے۔ آپ کا انتقال ۱۰۳۳ھ میں ہوا۔ مزار پانی پت میں مرجع خلائق ہے۔(۱۳۴)

قاضی عبدالغفور پانی پتیؒ:

آپ بھولا کے عرف سے معروف تھے۔ شیخ وقت اور عالم فقیہ تھے۔ ان کا شمار اپنے عصر کے مشاہیر فقہا میں ہوتا تھا، حنفی المسلک تھے۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی (م ۹۴۵ھ) کے معاصر تھے۔ وحدت الوجود کے مسئلے سے متعلق انہوں نے شیخ سے مناظرہ اور مباحثہ کیا شیخ کے بیٹے رکن الدین محمد بن عبدالقدوس نے لطائف قدوسی میں اس کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ مناظرہ خاصی دیر جاری رہا، بالآخر قاضی ممدوح خاموش ہوگئے۔(۱۳۵)

شیخ امان اللہ پانی پتیؒ:

شیخ امان اللہ پانی پتی کا نام عبدالملک بن عبدالغفور تھا۔ عالم، صوفی، موحد شیخ مودود لاری (۱۳۶) اور شیخ محمد حسن بن شیخ حسن طاہر جون پوری (۱۳۷) کے مرید تھے۔(۱۳۸) آپ ۸۷۲ھ میں پیدا ہوئے۔ عام طور پر آپ کو امان کے لقب سے زیادہ یاد کیا جاتا ہے۔ آپ ایک صوفی اور توحید پرست عالم

تھے اور شیخ ابن عربیؒ (م ۶۳۸ھ) کے پیرو تھے۔ فرقہ صوفیہ میں بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ مسئلہ توحید میں کافی موثر تقریر کرتے تھے۔ توحید کی باتیں صاف صاف بیان کرتے اور کہتے تھے آج اگر عدل وانصاف موجود ہوتا تو عالَم توحید کو برسرِ منبر اعلانیہ اس طرح واضح کرتا جس میں کسی کو انکار کی گنجائش نہ رہتی۔ آپ تہذیب واخلاق وعادات میں کامل مرتبے کے مالک تھے، فرمایا کرتے تھے درویشی میرے نزدیک دو چیزوں میں ہے۔ ایک خوش اخلاقی اور دوسری محبت اہل بیت، اور کمال محبت کی علامت یہ ہے کہ محبوب کے سوائے اس کے متعلقین سے بھی محبت کرے اور اللہ تعالیٰ سے کامل محبت کی علامت یہ ہے کہ اس کی محبت میں رسول اکرم ﷺ کی پیروی کرے اور سرور عالم ﷺ کی محبت کی علامت یہ ہے کہ آپ کی محبت کے زیراثر آپ کے خاندان والوں سے بھی محبت کرے۔(۱۳۹)

آپ اہل بیت کی محبت کا عملی نمونہ تھے سرکار دوعالم ﷺ کی اولاد کا ادب واحترام اپنے لئے لازمی سمجھتے تھے۔ شیخ عبدالحق دہلوی کہتے ہیں:

"اگر آپ کے پڑھتے پڑھاتے گلی سے سیدزادے کھیلتے کودتے نکلتے تو آپ ہاتھ سے کتاب رکھ کر سیدھے کھڑے ہوجاتے اور جب تک سیدزادے موجود رہتے آپ بیٹھتے نہ تھے"۔(۱۴۰)

آپ سیدزادوں کا ادب واحترام ہی نہ کرتے بلکہ دل وجان سے عزیز رکھتے تھے۔ کسی ایسی مجلس میں شرکت سے گریز کرتے تھے جہاں سیدزادوں کی تذلیل ورسوائی ہوتی ہو۔ عبدالحق دہلوی کہتے ہیں:

"اسلام شاہ بن شیر شاہ لودھی کے عہد میں دو سیدزادے عراق سے دہلی آئے۔ سید شاہ محمد فیروز آبادی نے انہیں اپنے مہمان خانے میں ٹھہرایا اتفاقاً دونوں کا قتل ہوگیا۔ شاہ محمد کو قتل کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا مگر وہ اس سے صاف انکار کرتے تھے۔ علماء کی مجلس میں تفتیش کے لئے اس معاملے کو لایا گیا جس میں شیخ امان کو بھی دعوت دی گئی۔ آپ لاکھ بلانے پر حاضر نہ ہوئے اور اپنے مقام پر بیٹھے ہوئے کہتے رہے کہ کسی معاملے میں اگر اہل بیت کے افراد کو ذلیل وخوار کر کے پیش کیا جائے اور فیصلہ دینے والوں میں امان بھی شریک ہو تو وہ لازماً دوزخ میں جائے گا"۔(۱۴۱)

آپ کا رشد وہدایت کا سلسلہ عام صوفیہ سے ہٹ کر تھا۔ آپ کی باقاعدہ خانقاہ نہ تھی جہاں مسافر اور طالب حقیقی قیام کر سکیں اور آپ کی صحبت سے فیض یاب ہوسکیں بلکہ آپ تصوف کی کتابیں پڑھاتے اور درویشوں کو سلوک کا درس دیا کرتے تھے۔ شیخ عبدالحق دہلوی کہتے ہیں:

"آپ تصوف کی کتابوں سے زیادہ مانوس تھے اور اکثر وبیشتر اس کے مطالعے اور

سپرد ہوا تو آپ اس عہدے کو سنبھال نہ پائے اور جلد ہی سے اس سے سبکدوش ہو گئے۔ آپ بہترین واعظ اور مقرر تھے، عربی اور فارسی کے اشعار کی فصیح و بلیغ انداز میں توضیح فرماتے جس سے لوگ وجد میں آجاتے۔ (۱۵۰)

آپ توحید مشرب تھے اور کسی کے آگے سوال نہ کرتے۔ آپ قرآن کریم کے بہترین مفسر تھے، اس کے مشکل مقامات اور ناسخ و منسوخ کی نہایت عمدگی سے وضاحت فرماتے۔ پھر شان نزول، قرآن کی عبارات، استعارات، واقعات و قصص، اجمال و تفسیر، متشابہات و محکمات وغیرہ مسائل پر علمی و تحقیقی گفتگو فرماتے کہ سامعین عش عش کر اٹھتے۔ آپ کا انتقال ۱۱۰۱ھ کو اجین میں ہوا اور مورخین نے ''قاضی زندہ دل'' کے الفاظ سے تاریخ وفات نکالی۔ (۱۵۱)

نواب لطف اللہ خاں صادقؒ:

آپ کا وطن پانی پت ہے۔ بہادر شاہ اول (م ۱۱۲۴ھ) کے زمانے میں بادشاہی دربار میں آپ کی آمدورفت ہوئی اور کم رتبے سے امارت کے رتبے پر پہنچے۔ جہاں دار شاہ (م ۱۷۱۳ء) کے زمانے میں معتوب ہوئے اور گھر بار ضبط ہو گیا اسی وجہ سے آپ نے محمد فرخ سیر (م ۱۷۱۹ء) کے ساتھ تعلق قائم کیا۔ جب فرخ سیر ہندوستان کا بادشاہ ہوا تو جہاں دار شاہ پر فتح پانے کے بعد وہ سید عبداللہ خاں کے ہمراہ دارالخلافہ (دہلی) کے بندوبست کے لئے مقرر ہوا۔ قطب الملک نے اس کے لئے دیوان خاصہ تجویز کیا، بادشاہ نے یہ خدمت چھیلا رام ناگر کے لئے مقرر کی تھی اسی وجہ سے بادشاہ اور وزیر کے درمیان کدورت ہو گئی، قطب الملک نے کہا کہ جب وزیر کی پہلی تجویز منظور نہ ہو تو حیثیت معلوم ہو گئی (کچھ نہیں ہے) آخر مذکورہ خدمت (دیوان خاصہ) لطف اللہ خاں صادق کو ملی۔ (۱۵۲)

محمد شاہ بادشاہ (م ۱۷۴۸ء) کے زمانے میں آپ کو خانسامانی کی خدمت چھ ہزار منصب اور شمس الدولہ بہادر مشہور جنگ کا خطاب ملا۔ نادر شاہ (م ۱۷۳۸ء/۱۱۵۱ھ) کے آنے کے بعد چونکہ بادشاہ محمد شاہ کی مرضی کے خلاف اس سے حرکات ظاہر ہوئیں اس لئے وہ معتوب ہوا۔ احمد شاہ (م ۱۷۵۴ء) کے زمانے میں فوت ہو گیا اس کے لقب میں جو لفظ ''صادق'' کا اضافہ ہوا ہے اس کی وجہ سے عوام میں مشہور ہے۔ (۱۵۳)

آپ کے صاحب زادوں میں عنایت خاں، راسخ اور شاکر خاں نے کسی قدر ترقی پائی۔ آپ کو شعر و سخن کا بہت شوق تھا۔ ایک رباعی درج ذیل ہے۔

گسے چو شانہ بہ زلف سیاہ می پیچم — گسے چو سرمہ بہ پائے نگاہ می پیچم
چناں بہ دیدن روئے خوش تو شافتم — کہ نامہ راہ بہ حریر نگاہ می پیچم (۱۵۴)

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ:

برصغیر پاک و ہند کی یگانہ روزگار شخصیات جن کو علوم مروجہ کے تمام پہلوؤں پر عبور و تبحر حاصل تھا ان میں مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کا نام ماہتاب کی طرح چمکتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ آپ کی ذات والا صف اول کے علماء و مشائخ میں شامل ہے۔ آپ امام وقت، مجتہد عصر، مفسر قرآن، محدث کامل، محقق عالی مرتبت اور شیخ طریقت و تصوف تھے، آپ کا سلسلہ حضرت عثمان غنیؓ تک پہنچتا ہے۔

آپ ہندوستان کے مشہور شہر اور مردم خیز علاقے پانی پت میں (۱۱۴۰ھ ۱۷۲۷ء اور ۱۱۴۴ھ ۱۷۳۱ء) کے مابین پیدا ہوئے۔ (۱۵۵) قاضی صاحب کا نسبی تعلق معروف عثمانی خاندان سے ہے۔ آپ شیخ جلال الدین عثمانی چشتی قدس سرہ المعروف بہ کبیر الاولیاء (م ۷۶۵ھ) کی اولاد میں سے ہے۔ آپ کا نسب پینتیس (۳۵) واسطوں سے حضرت عثمان غنیؓ سے جا ملتا ہے۔ (۱۵۶) آپ کا ننھیالی نسب نامہ مشہور صحابی حضرت ابو ایوب انصاریؓ تک پہنچتا ہے۔ (۱۵۷)

قاضی صاحب کے والد محترم قاضی محمد حبیب اللہ ایک جید عالم الدین اور صوفی کامل تھے۔ وہ اندازاً بارہویں صدی کے اوائل اور سترہویں صدی عیسوی کے اختتامی عشرے میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ درسی کتب اپنے والد قاضی ہدایت اللہ اور شہر کے دوسرے فضلاء سے پڑھیں۔ تعلیم سے فراغت کے بعد محمد شاہ رنگیلے (۱۱۳۱ھ/۱۷۱۹ء تا ۱۱۴۱ھ ۱۷۴۷ء) کے زمانے میں پانی پت میں بطور قاضی بنے۔ تصوف اپنے زمانے کے نامور صوفی بزرگ شیخ محمد عابد سنامی (م ۱۱۴۰ھ) سے اکتساب کیا۔ آپ کی علمی قابلیت اور نیک صفات کو دیکھتے ہوئے مغل رئیس نواب لطف اللہ خان صادق تہور جنگ نے اپنی صاحبزادی مسماۃ ''بادشاہ بیگم'' ان کے عقد میں دی اور انہیں اپنی فرزندی میں لیا۔ قاضی محمد حبیب اللہ اندازاً (۱۱۴۰ھ/ ۱۷۴۷ء) سے قبل فوت ہوئے۔ (۱۵۸)

قاضی صاحب کی والدہ محترمہ نواب لطف اللہ خاں صادق پانی پتؒ کی دختر نیک اختر اور ایک عالمہ وفاضلہ خاتون تھیں۔ اپنے خاوند قاضی محمد حبیب اللہ کی وفات کے بعد انہوں نے اپنے دونوں صاحبزادوں قاضی محمد فضل اللہ اور قاضی محمد ثناء اللہ کی جس طرح تربیت فرمائی اس سے مرحومہ کے علم و فضل کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت مظہر جانِ جاناں دہلویؒ (م ۱۱۹۰) جو قاضی صاحبؒ کے پورے خاندان کے علمی اور فکری مرشد و مربی تھے۔ قاضی صاحب کی والدہ محترمہ کو ''بیگمی صاحب'' اور ہمیشہ ''مہربان بیگم'' کے معزز القابات سے مخاطب فرماتے تھے۔ (۱۵۹) قاضی صاحبؒ کی والدہ محترمہ اندازاً (۱۱۹۴ھ ۱۷۸۰..۷۹ء) میں فوت ہوئیں۔ آپ کی والدہ کے انتقال پر حضرت مظہر کو انتہائی دکھ و غم ہوا جس کا اظہار حسب ذیل ایک مکتوب کے اقتباس سے ہوتا ہے۔

''بیگم صاحبہ کی وفات کا دکھ اور صدمہ نا قابل تحریر ہے اور اس پر مستزاد آپ کے غم
واندوہ کا اندیشہ'' (۱۶۰)

آپکی تعلیم وتربیت کے متعلق عبدالحئی لکھنوی کہتے ہیں۔

''وحفظ القرآن وقرا العربیہ ایا ماعلی اساتذہ بلدتہ ثم دخل دھلی وتفقہ علی الشیخ ولی اللہ بن
عبدالرحیم الدھلوی واخذ الحدیث۔'' (۱۶۱)

تذکرہ علمائے ہند کے مئولف کہتے ہیں۔

''قاضی صاحبؒ نے سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا'' (۱۲۶)

مذکورہ بالا بیانات کی روشنی میں یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ قاضی صاحبؒ نے اس دور کے مروجہ طریقہ تعلیم کے مطابق پانچ سال کی عمر کے لگ بھگ علمی سفر کا آغاز کیا ہوگا اور سات سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا۔ ابتدائی تعلیم پانی پت میں پڑھنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے دہلی کا سفر اختیار کیا اور امام عصر شاہ ولی اللہ دہلویؒ (م ۱۱۷۶ھ) کی خدمت اقدس میں پہنچ کر تفقہ حاصل کیا اور حدیث پڑھی۔

ابتدائی تعلیم کے ضمن میں آپ کے اساتذہ کا ذکر کسی تذکرہ نگار نے نہیں کیا البتہ قرائن وقیاس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ والد محترم اور برادر کبیر سے زانوئے تلمذ ہوئے ہونگے۔ جیسا کہ اس دور کے مروجہ طریقہ تعلیم کے مطابق تھا۔ نیز قاضی صاحبؒ کا خاندان علمی فضلیت اور وجاہت کے اعتبار سے پانی پت میں امتیازی حیثیت رکھتا تھا اور عہدہ قضاء ایک عرصے سے آپ کے خاندان میں چلا آرہا تھا۔ اس ضمن میں قاضی صاحبؒ وصیت نامے میں فرماتے ہیں:

''فقیر و برادر فقیر و پدر فقیر وجد فقیر بخدمت قضا مبتلا شدند'' (۱۶۳)

مذکورہ بالا بیان کی روشنی میں ہمارے مئوقف کی تائید ہوتی ہے کہ آپ نے ابتدائی تعلیم گھر کے افراد سے حاصل کی مزید تعلیم کن اساتذہ سے حاصل کی کسی ذرائع سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ اعلیٰ تعلیم کے لئے شاہ صاحب کی خدمت میں کب پہنچے۔ اس ضمن میں محمود الحسن عارف کہتے ہیں:

''اس وقت قاضی صاحبؒ کی عمر تقریباً سترہ سے بیس سال کے قریب یا اس سے ایک
دوسال زیادہ ہوگی۔'' (۱۶۴)

مذکورہ بالا بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ۲۰ سال کے لگ بھگ مدرسہ رحمیہ پہنچے اور ایک عرصے تک اس سے وابستہ رہے، آپ نے شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے حلقہ درس میں رہ کر تدبر و تفکر کی اعلیٰ منازل کو چھویا یقیناً اس تدبر و تفکر کے پیچھے شاہ ولی اللہؒ (م ۱۱۷۶ھ) کی ذاتی علمی فضیلت اور کردار کی پختگی کے ساتھ مدرسہ رحمیہ کا مرتب کردہ نصاب بھی ہوگا جو مروجہ دور کے چیلنجوں سے نبرد آزما ہونے اور مستقبل کی شاندار عمارت قائم رکھنے کے لئے ضروری واہمیت کا حامل ہوگا۔ یہاں ہم شاہ صاحبؒ کی علمی فضیلت اور مدرسہ رحمیہ کے نصاب سے قبل خود قاضی صاحب کے ذاتی اوصاف پر بھی ایک نظر ڈالتے ہیں۔ جس سے قاضی صاحبؒ میں تفقہ فی الدین کی صلاحیت ولیاقت پیدا ہوئی۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے خدا کو جس کے ساتھ بھلائی منظور ہوتی ہے دین میں اسے سمجھ بوجھ عطا فرما دیتا ہے کہ مصداق قاضی صاحبؒ بچپن ہی سے ذہین وفطین اور قرآن سے شغف وعقیدت رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے ۷ سال کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا تھا۔ آپکی صفات کا تذکرہ کرتے ہوئے شاہ غلام علی کہتے ہیں:

''صفائے ذہن، جودت طبع، قوت وفکر اور سلامت عقل میں وہ زائد الوصف
تھے۔'' (۱۶۵)

علم وعمل کا یہ منبع کثرت مطالعہ کا بے حد شوق وذوق رکھتا تھا۔ کثرت مطالعہ جہاں شخصیت کی تعمیر وکردار سازی میں نمایاں کردار ادا کرتا ہے وہاں اسے جلا بخشنے میں بھی صف اول کا کردار ادا کرتا ہے۔ فقیر محمد جہلمی کہتے ہیں:

''امام تحصیل علم میں علاوہ کتب تحصیلہ کے ساڑھے تین سو اور کتابیں مطالعہ
کیں'' (۱۶۶)

آپ صلاح وتقوی کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے عبادت وریاضت میں بے مثل تھے صدیق حسن قنوجی کہتے ہیں۔

''مرزا مظہر مغفر دمود در دل فقیر مہابت ایشان می آید از روی صلاح وتقوی وودیانت
مروج شیریعت منور طریقت ملکی صفت اند ملائکہ تعظیم ایشاں می نمایند مغفر دمود اگر خدا
تعالیٰ روز قیامت از بندہ پرسد کہ بدرگاہ ماچہ تحفہ آوردے عرض کنم ثناء اللہ پانی پتیؒ
را اوقات بطاعت عبادت معمور داشتند صد رکعت نماز وظیفہ مقرر فرمودہ یک منزل
قرآن در تہجد میخوانند'' (۱۶۷)

جس ہستی کے صلاح وتقوی کا یہ عالم ہو کہ فرشتے تعظیم کرتے ہوں اور خود مظہرؒ روز قیامت اپنی نجات ورخصت کے لئے اللہ کے سامنے آپکو پیش کریں نیز نماز تہجد میں سو رکعت اور ایک منزل تلاوت کرتے ہوں، اللہ اللہ قربان جائیے آپ کے علم وعمل ریاضت وعبادت صلاح وتقوی کے، دراصل یہ بزرگ اسلاف کا نمونہ تھے جن کے نقش قدم پر عمل کر کے نہ صرف دنیا بلکہ آخرت میں بھی کامیابی وکامرانی کا حصول

ممکن ہے۔

مذکورہ بالا صفات قوت وفکر دانش طبیعت کثرت مطالعہ، ریاضت وعبادت اور قرآن سے عقیدت و محبت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تفقہ فی الدین کی صلاحیت ولیاقت پیدا ہونے میں آپ کے ذاتی اوصاف کا بھی عمل دخل تھا۔

اب ہم شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے ذاتی اوصاف اور مدرسہ رحیمیہ کے مدون شدہ نصاب کا جائزہ لیتے ہیں جس نے سترھویں صدی کے پرآشوب اور پرفتن دور میں ایسی جماعت تشکیل دی جو علمی وعملی استعداد کی حامل ہونے کے ساتھ ساتھ رہبر ورہنمائی کی اعلیٰ صلاحیت سے متصف تھی۔

اعلیٰ ماہرین تعلیم نصاب مدون کرتے وقت اس بات کا پورا پورا خیال رکھتے ہیں کہ نصاب مروجہ تقاضوں سے ہم آہنگ ہو اور طلباء کی ذہنی قوتوں کو ترقی دینے میں مدد فراہم کرے نیز صحیح وغلط کی تمیز کر سکے یعنی اس کی تحقیق وتنقید اور فہم وادراک کی قوتوں کی رہنمائی اس طرح سے کرے کہ وہ خود بخود اچھے تصورات اور بُرے تصورات میں تمیز کر سکے۔ شاہ عبدالرحیم (م ۱۱۳۱ھ) پدر شاہ ولی اللہؒ نے اپنے زمانہ حیات ہی میں مدرسے سے فارغ التحصیل طلباء میں اس فہم وادراک کی وسیع قوتوں کے فقدان کے باعث تعلیم کی اصل بنیاد قرآنی متن پر رکھی اور تقلید میں ان کے عظیم سپوت شاہ ولی اللہ نے بھی عمل کیا، چنانچہ سلیم عبداللہ کہتے ہیں:

''شاہ صاحب کا وہ عظیم کارنامہ جس نے ان کو امام ملت کے بلند مقام پر پہنچا دیا یہ ہے کہ انہوں نے علماء وعوام کو قرآن حکیم کے سرچشمہ سے براہ راست فیوض وبرکات حاصل کرنے کی دعوت دی۔'' (۱۶۸)

نیز محبوب رضویؒ کہتے ہیں:

''فقہ وحدیث کی ازسرِ نو بنیاد رکھ کر اس فن کی پوری عمارت تیار کی گئی اور آنحضرت ﷺ تمام احکام وترغیبات اور تعلیمات کے اسرار ومصالح کو اس طرح منضبط کیا کہ ان سے پہلے کسی نے یہ کام اس طور پر نہیں کیا تھا۔'' (۱۶۹)

گو نصاب رحیمیہ نے سیرت وکردار سازی میں منفرد کام انجام دیا جس میں شاہ ولی اللہ دہلوی کی فہم وفراست اور سعی وکوشش کا بھرپور عمل ودخل ہے نیز شاہ صاحب نے اپنی تصنیف وتالیف کے ذریعے سے اصلاح وتعمیر کی ایسی مضبوط بنیاد رکھی جس نے مستقبل میں اسلام کو سربلند کرنے اور مسلمانوں میں نشاۃ ثانیہ کی سعی وکوشش میں بھرپور حصہ لیا۔ اس ضمن میں سلیم عبداللہ کہتے ہیں:

''انھوں نے اپنی خداداد فراست سے اصلاح وتعمیر ایک ایسی محکم اساس پر رکھی جس سے دور جدید میں مسلمانوں میں ہر قسم کے فتنہ وطوفان کا مقابلہ کرنے کی قوت پیدا ہو

گی۔ انھوں نے اپنی تدریس وتالیف سے ذہنوں میں انقلاب پیدا کر دیا، اسلام کے حقائق پر ایک مدت سے جو پردے پڑے تھے وہ اٹھا دیئے اس کے احکام ومسائل کو بیرون اخلاط کی آمیزش سے پاک کر کے خالص شکل میں پیش کیا اور ایک ایسی مخلص و مجاہد جماعت تیار کر دی جس نے وہ کارنامے انجام دیئے جو جنگ وجہاد بالسیف سے ممکن نہ تھے۔'' (۱۷۰)

شاہ صاحب نے جو مخلص ومجاہد جماعت تیار کی ان میں قاضی صاحب بھی پیش پیش نظر آتے ہیں، آپ مسلمانوں کی وبدحالی اور سیاسی حالات سے بہت مغموم اور دل رنجیدہ تھے۔ ملا نسیم اخوند کو ایک خط تحریر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''فقیر مع توابع خیریت است لیکن از غلبہ کفر تنگ دل سابق اذ مہ نہاد ر ہندوستان اسلام خفیف بود.... حالا مسموع میں شود کہ شاہ امان بہ ارادہ جہاد این طرف می آید خدا کند کہ مسلمانان تصدیع نہ کشند وکفار مقاصل شوند وغلبہ اسلام وعزت مسلماناں بہ ظہور آید۔'' (۱۷۱)

مسلمانوں کی عزت وناموری اور غلبہ اسلام کو یہی جذبہ تمام عمر موجزن رہا اس غلبہ کے پیش نظر تحریک مجددی کے سرگرم رکن کی حیثیت سے مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ اور غلبہ اسلام کے سلسلے میں علمی سرمایہ تحریر فرمایا جس میں تحریک احیائے سنت کے علاوہ دین میں سمجھ وبوجھ کا قیمتی سرمایہ موجود ہے۔ دہلی میں قیام کے دوران آپ دوسرے اساتذہ سے بھی مستفید ہوئے جن میں فن قرأت کے ماہر قاری صالح المصری اور محدث شیخ فاخر الہ آبادی بھی شامل ہیں۔ اس ضمن میں محمود الحسن عارف کہتے ہیں:

''دہلی میں قیام کے دوران فن قراءت قاری صالح المصری سے تکمیل فرمائی آپ نے اس فن میں کمال مہارت حاصل کی۔'' (۱۷۲)

نیز

''قاضی صاحب نے شیخ فاخر الہ آبادی جو فقہ واجتہاد کی بصیرت کی بناء پر خاص شہرت کے حامل تھے ۱۱۵۷ھ سے ۱۱۲۳ھ کے مابین حدیث پڑھی۔'' (۱۷۳)

تذکرہ نگاروں نے تحصیل علم سے فراغت کی عمر ۱۶ (۱۷۴) اور ۱۸ (۱۷۵) سال ظاہر کی ہے جبکہ محولہ بالا تحریر سے اس کی نفی ہوتی ہے غالباً یہ نصاب سے فراغت کی عمر ہے۔

باطنی تعلیم:

آپ نے ظاہری علوم کے ساتھ ساتھ باطنی وروحانی اکتساب بھی جاری رکھا۔ آپ نے باطنی تعلیم

وتربیت کا آغاز محمد عابد سنامیؒ کے حلقہ سے کیا اور پچاس توجہات میں فنائے قلبی تک پہنچ گئے۔اس ضمن میں صدیق حسن قنوجی کہتے ہیں:

''طریقہ از شیخ محمد عابد گرفتہ واز بس سرعت وشوق وصول تمام سلوک در پنجاہ یا نجام رسانیدہ۔''(۱۷۶)

سبحان اللہ کیا ہی سعادت ہے اس مرید کے لیئے جو اپنی اچھی استعداد اور وقابلیت کی بنیاد پر مرتبہ فناء قلبی پر پہنچ گیا ہو اور اس پیر کے لئے بھی عجیب نصیب ہے جو اپنے جذبے اور قوت سے مرید کو کھینچ کر اس مقام تک پہنچا دیا۔شیخ عابد سنامی (م ۱۱۴۰ھ) جو کہ شیخ عبدالاحد مذکورہ کے خلیفہ تھے۔قاضی صاحبؒ کے خاندان سے گہری عقیدت ومحبت رکھتے تھے اس کی وجہ یہ ہے کہ قاضی صاحبؒ کے دادا قاضی ہدایت اللہ شیخ سنامیؒ کے استاد ومربی رہ چکے تھے لہذا اس مقدس رشتے کے پیش نظر قاضی صاحب کے والد قاضی حبیب اللہ کو اجازت وخلافت مرحمت فرما کر انھیں توجہ دی تھی۔نیز اپنے آخری ایام میں پانی پت تشریف لائے اور دونوں بھائیوں یعنی قاضی فضل اللہ برادر کبیر اور خود قاضی صاحبؒ کو طریقہ مجددیہ کا طریقہ سکھا کر شاہ جہاں آباد چلے گئے۔''(۱۷۷)

قاضی صاحبؒ نے شیخ عابد سنامیؒ سے اول روحانی وباطنی اکتساب کیا بعد ازاں آپ کے حسب ارشاد مربی ورہنما حضرت مظہر جان جاناںؒ (م ۱۱۹۵ھ) کی صحبت میں باطنی وروحانی فیض اکتساب کیا، یوں بھی حضرت مظہرؒ کی والہانہ عقیدت ومحبت سب پر عیاں تھی اور آپ ہی اس خاندان کے فکری وعلمی مربی رہنما تھے جس کی تھوڑی سی جھلک قاضی صاحبؒ کے والدین کے تذکرے میں دیکھ آئے ہیں۔آپ حضرت مظہرؒ کی محبت فیض سے پچاس توجہات میں سلوک کی راہ مکمل کی اور علم الہدیٰ کا لقب پایا۔اس ضمن میں مولانا عبدالحئی کہتے ہیں:

''ثم لازم الشیخ جانجاناں العلوی الدہلوی، وبلغ الی آخر مقامات الطریقۃ المجددیۃ وکان الشیخ المذکور یحبہ حبا مفرطا، ولقبہ بعلم الھدیٰ۔''(۱۷۸)

حضرت مظہر کی محبت میں باطنی فیض حاصل کر کے کمال درجے پر فائز ہوئے نیز آپ ہی کی صحبت سے یا یوں کہیے کہ آپ کی سرپرستی اور رہنمائی میں ظاہری علوم اخذ کر کے ایک عالم کی رہبری ورہنمائی فرمائی۔اس ضمن میں محمود الحسن کہتے ہیں:

''حضرت مظہرؒ قاضی صاحبؒ کے صرف پیر ومرشد ہی نہ تھے بلکہ ان کے مکمل سرپرست یعنی بجائے والد، دادا اور بڑے بھائی کے تھے۔(۱۷۹) حضرت مظہر نے اپنی سرپرستی میں سب سے پہلے قاضی صاحب کی تعلیم کو مکمل کرنے پر توجہ دی پہلے خود

پڑھایا بعد ازاں اپنی معرفت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور شیخ محمد فاخر الہ آبادیؒ کے پاس بھیجا نیز قاضی صاحبؒ کو حضرت مظہرؒ کی سرپرستی سے دوسرا بڑا فائدہ یہ حاصل ہوا کہ ان کے فیض باطنی کی تکمیل انہی کے ہاتھوں پر ہوئی۔(۱۸۰)

قاضی صاحبؒ بھی اپنے پیر مرشد کا احترام وادب کرتے تھے اور دل وجان سے آپکی توقیر وعزت کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں رکھتے۔اپنی محبت وعقیدت کا اظہار مختلف موقعوں پر مختلف طریقوں سے کیا ہے ایک موقعے پر حسب ذیل اشعار سے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں:

ای مراچون مصطفیٰ من چون عمر	از براں خدمت بندم کمر
ای لقای تو جواب ہر سوال	شکل از تو حل شو دبی قیل وقال
ترجمانی ہر چہ مرا دل است	دستگیری ہر چہ پایش درگل است
تاقیامت گر بگویم ایں کلام	صد قیامت بگذرد وایں ناتمام (۱۸۱)

حضرت مظہرؒ سے عقیدت ومحبت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ قاضی صاحب آپ کے متوسلین کا آپ کی زندگی اور بعد ازاں وفات بھی بہت خیال رکھتے تھے ایک مکتوب میں قاضی صاحب ملانسیم کو کہتے ہیں کہ:

''بی بی صاحبہ والدہ مرشدہ اہلیہ حضرت ایشاں بشہیدؒ از چند سال در پانی پت تشریف می داشتند حالا از شش ماہ در شاہ جہاں آباد تشریف می دارند۔''(۱۸۲) قاضی صاحبؒ کی محبت وعقیدت کا اظہار اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ عبدالرزاق قریشی نے قاضی صاحب کے غیر مطبوعہ نادر خطوط ابوالحسن زید فاروقی سے حاصل کیے اور انھیں مکاتیب مرزا مظہرؒ کے نام سے شایع کیئے۔ابوالحسن فاروقیؒ کو یہ خطوط قاضی صاحبؒ کے گھر سے ملے جنھیں قاضی صاحبؒ نے احتیاط وحفاظت سے رکھا تھا۔غلام مصطفیٰ خاں کہتے ہیں:

''عبدالرزاق قریشی نے حضرت مظہرؒ کے نادر اور غیر مطبوعہ فارسی مکتوبات کا ایک مجموعہ مکاتیب مرزا مظہرؒ کے نام سے ۱۹۶۶ء میں بمبئی سے شائع کیے۔جس میں علاوہ تین مطبوعہ مکتوبات کے ۱۴۴۰ غیر مطبوعہ مکتوبات تھے۔جو مرتب کو حضرت مولانا ابوالحسن زید صاحب فاروقی سجادہ نشین درگاہ شاہ ابوالخیرؒ (چتلی قبر، دہلوی) سے ملے تھے اور مولانا موصوف کو حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے مکان واقع محلہ قاضیاں پانی پت سے حاصل ہوئے تھے۔قاضی صاحبؒ کو حضرت مظہرؒ سے کیسی شیفتگی اور عقیدت تھی اور ان کے مکتوبات کو کیسی حفاظت سے رکھا ہوگا!''(۱۸۳)

قاضی صاحب تحصیل علم سے فرافت پا کر اشاعت علوم ظاہری وباطنی میں مشغول ہو گئے خصوصاً

تصنیف وتالیف کے میدان میں مسلمانوں کے لئے بیش بہا خزانہ فراہم کیا جو آپکی قرآن وسنت سے محبت عقیدت، تحقیق وجستجو سے رغبت اور ظاہری وباطنی علوم میں کمال مہارت کا ثبوت ہے۔اس ضمن میں غلام سرور کہتے ہیں:

''درعلوم عقلی ونقلی وکمالات ظاہری وباطنی ازممتازاں....فراغ ازتحصیل علم ظاہرو خلافت طریقہ یافتہ باشاعت علم وفیض باطن پرداخت۔''(۱۸۴)

علم ظاہری وفیض باطنی کی اشاعت میں مشغولیت کے ساتھ حقوق العباد کی بجا آوری کے لئے عملی مشغولیت بھی اختیار کی اول ایک ''سرکاری عہدیدار'' اور دوئم ''عہد قضاء'' سے وابسطہ ہوکر اپنے فرائض انجام دیئے۔اول الذکر اور موخر الذکر عہدوں پر تقرری کے زمانہ کے متعلق حسب ذیل بیانات سے پتا چلتا ہے:

''قاضی صاحبؒ پانی پت میں اپنی آبائی ''خدمت قضاء'' پر فائز کئے جانے سے قبل کچھ عرصے دہلی میں بھی بطور ایک سرکاری عہدے دار قیام پذیر رہے تھے...ان کا یہ عہدہ ''دربار دہلی'' سے متعلق تھا....قیاس یہ ہے کہ اس تقرری کا زمانہ ۱۱۵۹ھ/ ۱۷۴۶ء کے قریب ہے۔''(۱۸۵)

''قاضی صاحبؒ پانی پت میں قضاء کا منصب بارہویں صدی ہجری کے ساتویں (اٹھارویں صدی عیسوی کے چھٹے) عشرے میں ملا (مابین ۱۱۶۵ھ/ ۱۷۵۱ء- ۱۱۷۴ھ/ ۱۷۶۰ء)۔'' (۱۸۶)

قاضی صاحبؒ منصب قضاء سے وابستگی میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے لہٰذا ہر اس چیز سے بچتے تھے جس سے کوتاہی سرزاد ہونے کی امید ہو۔اس ضمن میں وصیت نامے میں فرماتے ہیں:

''پس از فرزندان من کسے کہ خدمت قضا اختیار کند طمع و خاطرداری ناحق را دخل ندہد''(۱۸۷)

آپ ادائے واجبات اور ترک محرمات ومشتبہات پر زور دیتے تھے اور اسی کو قرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ وصیت نامے میں فرماتے ہیں:

''تقوی عبارت از ادائے واجبات وترک محرمات ومشتبہات است نہ از کثرت نوافل اتیاں مستحبات۔''(۱۸۸)

آپ دیانت داری اور ایمانداری کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے کی کوشش کرتے جس سے فرائض کی انجام ہی میں تقویٰ واحتیاط کا پتا چلتا ہے۔اس ضمن میں شاہ غلام علی کہتے ہیں:

''ایک مرتبہ ایک شخص نے جس کے پاس آپ کی مہر ہوتی تھی کسی سے کوئی چیز لی آپ کو اس کی اطلاع ہوئی تو اسے سزا دی اور اس نے جو کچھ لیا تھا وہ واپس کروایا، جس قسم کے ادائے حق اس منصب کا خاصہ ہے آپ اس میں مشہور ہیں۔''(۱۸۹)

آپکی دیانت وامانت اور عدل وانصاف کے متعلق صدیق حسن کہتے ہیں۔

''درعلمای حنفیہ کم کسی مثل اشیان در تحقیق وانصاف وعدم تعصب مذہب واتباع دلیل درسرزمین ہند برخاستہ۔''(۱۹۰)

ازواج واولاد:

قاضی صاحب کی دو بیویاں تھیں (۱) عجیبہ خانم (۲) رابعہ خانم۔عجیبہ خانم نے مرزا صاحبؒ سے کسب فیوض باطنی کیا تھا ان دونوں سے حسب ذیل اولاد ہوئی۔(۱۹۱)

۱۔قاضی محمد احمد اللہ:

مولوی ثناء اللہ پانی پتی کے بڑے لڑکے اور حضرت مظہرؒ کے مخصوص اصحاب میں سے ہیں۔انہوں نے ظاہری علوم اپنے والد ماجد اور دیگر علماء سے حاصل کیا ہے۔تحصیل کے ایام میں ساری رات مطالعہ میں مصروف رہتے تھے۔آپ کمال جہد سے طریقہ کے تمام اعلیٰ مقامات پر پہنچے اور بہت بلند شان کے مالک ہوئے۔ان تمام ظاہری وباطنی کمالات کے باوجود ''الولد سر لابیہ'' ان پر صادق آتا ہے۔تیس سالہ جوان تھے کہ انتقال کر گئے۔(۱۹۲)

۲۔محمد صبغت اللہ:

شیخ صبغت اللہؒ فرزند دوم مولوی ثناء اللہ سے بھی علم حاصل کیا۔دینی کتب کی تحصیل بھی کی تھی انہیں طریقہ حضرت مظہرؒ سے حاصل ہوا جوانی ہی میں فوت ہوگئے تھے۔(۱۹۳)

۳ محترمہ سعیدالنساء

۴ محترم نشاط النساء

۵ محمد حجۃ اللہ

۶۔مولوی محمد دلیل اللہ:

مذکورہ صاحبزادے نے علم فقہ پڑھا ہے، فن اصول اور معقول سے بھی مناسبت رکھتے ہیں۔طریقہ شغل قلبی انہوں نے حضرت مظہرؒ سے سیکھا۔(۱۹۴)

مریدین:

آپ کے اصحاب میں سے پیر محمد اور سید محمد وگھسیٹا کو آپ کی صحبت حاصل ہوئی ہے، وہ اس طریقہ کی (مختلف) نسبتوں پر فائز ہیں۔(۱۹۵)

تصانیف:

قاضی صاحبؒ نے مختلف علوم فنون پر کم وبیش ۳۸ کتابیں تصنیف فرمائی میں آپ کی تصانیف کی تفصیل حسب ذیل ہے۔(۱۹۶)

(۱) التفسیر مظہری

(۲) اخلاق وشمائل نبوی ﷺ

(۳) رسالہ چہل حدیث مع شرح وبیان (قلمی فارسی)

(۴) حدیث مظہری (قلمی عربی)

(۵) مالابدّ منہ (فارسی)

(۶) فتاویٰ مظہری (قلمی فارسی)

(۷) الماخذ الاقویٰ

(۸) رسالہ فقہ درمذاہب اربعہ

(۹) منار الاحکام

(۱۰) رسالہ پنج روزی درفقہ

(۱۱) مختارات (قلمی)

(۱۲) السیف المسلول علی الذین فرقوادینھم وکانوشیعا (مطبوعہ)

(۱۳) رسالہ دررد متعہ

(۱۴) رسالہ درردِ روافض (قلمی فارسی)

(۱۵) رسالہ وسیلۃ النجات (فارسی)

(۱۶) رسالہ درعقائد حقہ (قلمی فارسی)

(۱۷) ارشاد الطالبین (مطبوعہ)

(۱۸) ازالۃ العو دنی مسئلۃ السماع ووحدۃ الوجود (مطبوعہ)

(۱۹) کیفیت مراقبہ اذکار شریفہ (قلمی فارسی)

(۲۰) رسالہ اوراد وظائف

(۲۱) تفسیر پنج آیت از اول سورۃ البقرہ بطریقہ صوفیہ صافیا درکمالات فزبہائے مرضیہ

(۲۲) فوائد سبعہ (قلمی)

(۲۳) حقیقۃ الاسلام (عربی وفارسی مطبوعہ)

(۲۴) رسالہ دراحقاق حق دررد اعتراضات الشیخ عبدالحق برکلام المجد د (قلمی)

(۲۵) رسالہ دیگر دررد اعتراضات برکلام مجدد (قلمی)

(۲۶) فصل الخطاب فی نصحیۃ اولی الباب (قلمی)

(۲۷) الشہاب الشاقب بطرد الشیطان المارد (قلمی)

(۲۸) رسالہ تقدیس والدی المصطفیٰ ﷺ (قلمی)

(۲۹) رسالہ درنسب اطہر واز واج مبارکہ واولاد عالی گہر ﷺ (قلمی)

(۳۰) رسالہ دربیان اولاد امام ربانی (قلمی)

(۳۱) رسالہ صحستہ گفتار

(۳۲) کتاب تذکرۃ الموتی والقبور (مطبوعہ)

(۳۳) تذکرۃ المعاد (مطبوعہ)

(۳۴) تلخیص الھوامع للشاہ ولی اللہ محدث (مطبوعہ)

(۳۵) وصیت نامہ

(۳۶) تذکرۃ العلم والمعارف

(۳۷) حاشیہ ست بالمقالۃ المرضیۃ فی النصحیہ والرضیہ

(۳۸) مکتوبات

قاضی صاحبؒ کی وفات رجب ۱۲۲۵ھ میں ہوئی اور تاریخ وفات آپ کی قرآن شریف کی آیت ’’ھم بمکرمون فی جنت‘‘ سے نکلتی ہے اور لفظ جنت کا اس تاریخ میں بغیر الف کے موافق رسم خط قرآن شریف کے ماخوذ ہے۔آپ کا مزار پانی پت میں ہے۔(۱۹۷)

التفسیر المظہری:

قاضی صاحبؒ بچپن ہی سے قرآن سے عقیدت ومحبت رکھتے تھے۔اس شغف کا اظہار نہ صرف آپ کی عملی زندگی میں دکھائی دیتا ہے بلکہ آپ کی کتب میں بھی جابجا قرآنی حوالات کا ذکر ملتا ہے۔قرآنی علوم کی ترویج واشاعت میں آپ کی خدمات قابل ذکر ہیں۔اس ضمن میں التفسیر المظہری تحریر فرمائی،اس تفسیر کو اپنے محبوب مرشد کے نام منسوب فرمایا۔اس میں ذخیرہ احادیث،فقہی آراء،لغوی بحث،علوم قرأت، متصوفانہ نکات کی توضیح وتشریح کے علاوہ قدماء مفسرین اور تاویلات جدیدہ کو جمع کیا ہے۔اس ضمن میں دائرہ معارف الاسلامیہ میں مندرج ہے:

’’التفسیر المظہری (عربی سات جلد) ان کی معروف ترین تصنیف ہے جو انہوں نے

مرزا مظہر جان جاناں کی وفات کے بعد لکھنا شروع کیا اور انہی کے نام سے معنون کیا۔ یہ تفسیر پہلے دھلی پھر دوسری بار حیدرآباد (دکن) سے دس جلدوں میں شایع ہو چکی ہے۔ تفسیر کا رنگ محدثانہ ہے اور حنفی مذاق کے مطابق ہے، متداول تفاسیر میں سے ابن جریر، البیضاوی اور البغوی کی تصانیف کی طرف زیادہ اشارے ملتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ قاضی صاحب نے محمد بن اسحاق اور الکلبی کی تالیفات پر بھی انحصار کیا ہے۔ لغوی بحث کے لئے اکثر الاخفش، ابن کیان الزمخشری اور الفیروز آبادی پر اعتماد کیا ہے۔ قرأت کے سلسلے میں انہوں نے مشہور قاریوں کے علاوہ ھشام، ابوالوعید کو بھی قابل قبول سمجھا ہے۔'' (۱۹۸)

تفسیر مظہری اور علم حدیث:

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دو ایسے انعام واکرام سے سرفراز فرمایا ہے۔ جو تا قیامت رہنمائی وھدایت کا ذریعہ بنا رہے گا۔ ایک قرآن اور دوسرا صاحب قرآن یعنی حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس۔ آپ ﷺ کی ذات اقدس سراپا تشریح قرآن ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ (الاحزاب: ۲۱) یعنی تمھارے لئے رسول اکرم ﷺ کی ذات بہترین نمونہ ہے۔ یہ آیت بتائی ہے کہ تمام شعبہ زندگی میں رسول کے عمل کی رہنمائی ضروری ہے اور وہی ہمارے لئے کافی ہے۔ لہٰذا سنت رسول اللہ کی پیروی ہمارے لئے لازم وملزوم اور آپ ﷺ کی اطاعت وفرمابرداری دنیا وآخرت میں رہنمائی کا ذریعہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (النساء: ۱۱)، یعنی جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ جب رسول ﷺ کی ذات اقدس سراپا نمونہ ٹھہری اور آپ ﷺ کی اطاعت وفرمابرداری میں اللہ کی اطاعت وفرمابرداری ہے تو جو کچھ آپ ﷺ فرمائیں وہ سچ اور حق پر مبنی ہے اور اس کو قبول کرنے میں کسی قسم کی لیت ولعل کی گنجائش نہیں اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وما اتکم الرسول فخذوہ وما نھکم (الحشر: ۷) جو رسول لاکر دیں اس کو لے لو اور جس سے روک دیں اس سے رک جاؤ۔ اس آیت کی روشنی میں جو احکام رسول ﷺ دیتے ہیں وہ دراصل آیت قرآنی کی تشریح ہوتی ہے کیونکہ آپ ﷺ جو کچھ فرماتے ہیں وہ خدا کے اذن سے فرماتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ (النجم: ۳، ۴) یعنی اور نہ ہی اپنی خواہش انسان سے باتیں بناتے ہیں ان کا ارشاد تو وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے۔ پس جسے قرآن نے واجب الاعتبار ٹھہرایا اور جس کی حجت اور پیروی کو تا قیامت مسلمانوں کیلئے لازمی قرار دیا گیا ایسا علم حدیث کہلایا۔ (۱۹۹)

محدثین عظام نے حدیث کی جمع وتدوین میں بڑی عرق ریزی، حزم واحتیاط اور جانفشانی سے کام لیا ہے اور ایسے علوم وضع کیئے جس سے کھرے اور کھوٹے کی پرکھ ہو سکے اور کوئی جھوٹا اپنی طرف سے بات گھڑ کے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب نہ کر سکے۔ تفسیر مظہری میں فاضل گرامی نے احادیث کا وافر ذخیرہ مہیا کیا ہے جس سے موصوفؒ کی رسول اکرم ﷺ سے محبت وعقیدت کا والہانہ اظہار ہوتا ہے نیز ان احادیث کو اصول الروایۃ (۲۰۰) اور اصول الدرایۃ (۲۰۱) کی صحت کے لحاظ سے پیش کیا ہے تاکہ قاری فقہی اور تفسیری روایت کو جان سکے۔ فاضل گرامی قدر نے علم روایت حدیث کی تقریباً ۸۶ اور علم درایت حدیث کی ۱۹ کتابوں (۲۰۲) سے استفادہ کیا ہے۔ علوم حدیث کا یہ پیش بہا خزانہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ قاضی صاحبؒ نے ان کتابوں کا مطالعہ کیا ہوگا اور کئی ماہ کی ورق گردانی کے بعد اسے قارئین کے سامنے پیش کیا ہوگا اس ضمن میں مناظر احسن گیلانی کہتے ہیں:

''حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی جنھیں شاہ عبدالعزیزؒ بیہقی الہند کے خطاب سے مخاطب کرتے تھے ان کی تفسیر مظہری جس نے دیکھی ہے خصوصاً حدیث کے متون کا تذکرہ جس طریقے سے اس میں کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ساری کتابیں ان کے پاس تھیں۔'' (۲۰۳)

تفسیر مظہری میں فاضل گرامی قدر نے تمام علوم کو محدثانہ اور محققانہ انداز سے مرتب کیا ہے اور تمام علوم کے مباحث میں علم حدیث روایت سے مدد لی گئی ہے یہاں تک علم لغت واشتقاق بھی روایات کے ذکر سے خالی نہیں، ایک مقام پر فرماتے ہیں:

''والمیتۃ حیوان مات من غیر ذکوۃ وقد کان من شانھا الذکوۃ فاسمک والجراد غیر داخلتین فیھا اوھما خصتا منھا بالحدیث قال رسول اللہ ﷺ! احل لنا میتان ودمان السمک والجراد الکبد الطحال۔ اخرجہ ابن ماجۃ والحاکم من حدیث ابن عمر والحق بھا بالسنۃ ماابین من الحی اخرج ابوداؤ والترمذی وحسنۃ عن ابی واقد اللیثی قال قال رسول اللہ ﷺ! ماقطع من البھیمۃ وھی حیۃ فھو میتۃ۔ واجمعوا علی انہ لایجوز بیع المیتۃ ولا اکل ثمنہ ولا الانتفاع بشحمہ ولا بجلدہ قبل الدباغ'' (۲۰۴)

فاضل گرامی قدر نے علم اصول درایت حدیث کے اصول پر مبنی صحیح اور غیر صحیح روایات میں فرق اور صحیح الاسناد یا ضعیف الاسناد کی تقسیم کر کے واضح طور پر محدثانہ فرض نبھایا ہے۔ اس سے قاضی صاحب کا علم

حدیث میں امتیازی شان اور علوم حدیث پر عبور واضح طور پر نظر آتا ہے۔

فقہ اور تفسیر مظہری:

قاضی صاحبؒ فقہ میں مرتبہ اجتہاد پر پہنچے ہوئے تھے۔ فقہ میں آپ حنفی ومسلک تھے۔ فقہ اور اصول فقہ میں کئی رسالے تصنیف فرمائے نیز عملی زندگی میں افتاد وقضاء سے وابستہ رہے اس لئے مسائل کو قریب سے جانچنے کا موقع ملا۔ حسب ذیل اقتباسات سے اس ضمن میں روشنی پڑتی ہے:

''علم فقہ میں ایسا مرتبہ حاصل تھا کہ اس میں کئی کتابیں اور رسالے تصنیف فرمائے۔''(۲۰۵)

''ایک کتاب مبسوط فقہ میں مع بیان ماخذ ودلائل اور مختار ائمہ اربعہ کے ہر مسئلہ میں تصنیف کی اور جو کچھ آپ کے نزدیک اقوی ثابت ہوا اس کو ایک علیحدہ رسالہ مسمی بہ ماخذ الاقوی تحریر فرمایا، اصول میں بھی آپ نے مختارات تحریر کیں۔''(۲۰۶)

''بلغ الی رتبة الاجتھاد فی الفقہ والاصول''(۲۰۷)

مندرجہ بالا اقتباسات کی روشنی میں یہ بات عیاں ہے کہ قاضی صاحبؒ مجتہد کے درجے پر فائز تھے آپ میں وہ تمام خوبیاں موجود تھیں جو ایک مجتہد میں ہونا چاہیے تھیں نیز آپ حنفی مسلک سے وابستہ ہونے کے باوجود اختلاف مسائل میں جمع بین المسالک کے حامی تھے۔ آپ نے اپنی کتابوں خصوصا تفسیر مظہری میں جہاں احناف کی حمایت وتائید کی ہے وہاں اختلاف بھی کیا ہے اور دوسرے مسالک کی ہم نوائی کا اظہار بھی کیا ہے۔ آپ فقہی مسائل میں منفرد سوچ کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ مجتہد فی الفتوی (۲۰۸) اور مجتہد فی المذہب (۲۰۹) کی خوبیوں سے آراستہ تھے۔ حج کے پانچ ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے اور صاحب استطاعت پر زندگی میں ایک بار واجب ہے۔ اور احناف کے نزدیک حج مالی وبدنی عبادت ہے اور بدنی عبادت کا تقاضا ہے کہ اہل استطاعت از خود تکلیف اٹھائے کسی دوسرے کو اپنا نائب بنا کر مکلف بنائے تو عبادت کا اصل مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک حج کے لئے بدنی صحت بشرط نہیں ہے اور امام بغوی نے نزدیک حج کو مکان کی تعمیر پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔ اس ضمن میں آپ فرماتے ہیں:

''قلنا ھو غیر مستطیع علی الحج الذی ھو عبادة عن ارکان مخصوصة وانما ھوا مستطیع علی الانفاق والمقصود فی البناء لیس اتیانه بنفسه بخلاف العبادات البدنیة فلا یجری فیه ذالک العرف''(۲۱۰)

تفسیر مظہری میں جا بجا حنفی مسلک کی حمایت وتائید میں ایک سے زائد احادیث کو پیش کر کے جس فقہی مسائل کو ترجیح دی ہے۔ ایک جگہ مُردار کے بال، ہڈی، پٹھے، سینگ اور سم کے جائز اور ناجائز اور ان سے نفع اٹھانے کی بحث میں فرماتے ہیں:

''فقال ابوحنیفةؒ طاہر یجوز بیعه والانتفاع به۔ وقال الشافعی نجس۔ واحمد ومالک معنا فی الشعر ومعه فی العظم والعصب۔۔۔ ولنا من الاثار ماذکره البخاری معلقا قال الزهری فی عظام الموتی نحو الفیل وغیره ادرکت ناساً من سلف العلماء یمتشطون بها ویدھنون فیها لا یرون به بأسا۔ قلت اسلاف الزهری هم الصحابة رضی الله عنهم اوکبار التابعین''(۲۱۱)

تفسیر مظہری کے مطالعہ سے چلتا ہے کہ قاضی صاحبؒ فقہی مسائل میں کہیں جمہور علماء کی حمایت و تائید کرتے دکھائی دیتے ہیں کئی امام شافعیؒ کی موافقت کرتے ہیں اور کہیں امام احمد حنبل کی ہم نوائی کئی امام مالکؒ کی حمایت وتائید کرتے ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ آپؒ جمع بین المسالک کے حامی تھے یہ وصف اور خوبیاں کسی مجتہد میں موجود ہوسکتی ہیں نیز اس سے قاضی صاحب کا منشاء ومراد مسلمانوں کے درمیان ہم آہنگی اور بھائی چارہ کی فضاء قائم کرنا تھا جو کہ وقت کا تقاضا بھی ہے۔ ربا کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اور اس میں کسی شک وشبے کی گنجائش باقی نہیں ہے جبکہ بیع کو حلال قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ واحل الله البیع وحرم الربواہ (البقرہ) یعنی اور اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا۔ واذا بیع الرطب بالتمر او الذبیب بالعنب فالظاهر انه لا یجوز ذالک اصلاً لا متساویاً فی الکیل ولا متفاضلاً وبه قال الجھور۔۔۔ وقال الحنفیة الرطب ان کان من جنس التمر جاز البیع لقوله صلی الله علیه وسلم بیعوا مثلاً بمثل۔۔۔ لنا حدیث سعد بن ابی وقاص قال سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یسل عن الرطب بالتمر فقال اینقص اذا یبس قالوا نعم قال فلا اذن وفی روایته۔۔۔ من حدیث زید ابی عیاش قال فی الهدایة ضعفه۔۔۔ قال ابو حنیفة زید ابو عیاش مجهول''(۲۱۲) اور جمہور کی حمایت وتائید میں فرماتے ہیں۔

''قلنا انه من جنسه لکن لا جل رطوبته وتخلخل اجزائه لا یدرک ایماثله بالکیل کالمجازفقو العددی المتقارب کالجوز''(۲۱۳)

علم لغت واشتقاق:

فاضل گرامی قدر جب کسی آیت کے مباحث کو زیر قلم لاتے ہیں تو اول مکمل آیت کے جز کے لغوی معنی بیان کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں اولاً کلمات کے مفردات بیان کرتے ہیں ثانیاً اصل مادہ تلاش کرتے ہیں اور ثالثاً لغوی مفہوم ومعنی بیان کرتے ہیں۔ جیسے:

''ان الصفا و المروه من شعا ئر الله ۔الشعائر جمع شعيرة وهى العلامة والمراد ههنا المناسک التی جعلها الله تعالیٰ اعلاماً لطاعته۔'' (۲۱۴)

اسی طرح ''علی عبدنا'' (اپنے بندے پر) تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

'' علی عبدنا ۔محمدصلی الله علیه وسلم اصناف الی نفسه تنویها الذکره۔وتنبیها علی انقیاده لحکمه۔'' (۲۱۵)

فاضل گرامی قدر نے لغوی مفہوم کی تشریح میں بعض جگہ قرآنی استدلال سے بھی استفادہ کیا ہے جیسے:

''ان الذین کفروو ما تواوهم کفا راولٰیک علیهم لعنة الله والملئکه والناس اجمعین یعنی من لم یتب من الکا تبین حتی مات اولئک علیهم لعنة الله والملٰکةوالناس اجمعین o قال ابو العالیة .هذا یوم القیامة یوقف الکافر فیلنعه الله ثم یلنعه المائکة ثم یلعنه الناس .فان قیل المعلمون من الناس فکیف یلعن نفسه قیل قال الله تعالیٰ یلعن بعضهم بعضا .وقیل انهم یلعنون الظالمین وهم منهم۔'' (۲۱۶)

قاضی صاحبؒ نے لغوی مفہوم کی تشریح میں بعض مقامات پر احادیث کا بھی سہارا لیا ہے جیسے توبہ کی قبولیت کے ضمن میں فرماتے ہیں:

'' وانا التواب الرحیم المبالغ فی قبول التوبة والرحمة عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ ان العبد اذا اعترف ثم تاب تاب الله علیه۔'' (۲۱۷)

فاضل محقق نے بعض مقامات پر الفاظ کی تشکیلی صورت بھی بتائی کہ یہ لفظ کیا ہے اور کیوں تشکیل پذیر ہوا جیسے:

''لا یخغف عنهم العذاب ولا هم ینظر و ن۔لا یمهلون من الانظار۔اولا ینتظرون لیعتذروا۔اولا ینظر الیهم نظر رحمة۔'' (۲۱۸)

فاضل گرامی قدر نے لغت نگاری ہیں ہراس وصف کو بیان کیا ہے جس سے قاری کو قرآنی الفاظ کے معنی ومفہوم پر کسی قسم کا اشکال باقی نہ رہے اور قاری الفاظ وکلمات کے معنی ومفہوم سے بخوبی آشنا ہوجائے۔مزید براں لغت نگاری میں نحوی واعرابی اور قرات وتجوید کے مباحث کو مدنظر رکھا ہے تا کہ ہر ہر پہلو واضح ہو جائے۔لغت نگاری کے اس فن کو جس انداز سے تفسیر مظہری میں پیش کیا گیا ہے اس سے لغت میں آپکے مطالعہ کی گہرائی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔لغت نگاری میں نحوی واعرابی تراکیب اور وضع ہیت پر بحث کو اس لئے ضر

وری سمجھتے ہیں کہ جب تک ان تراکیب سے آشنائی نہ ہوگی الفاظ کے معنی ومفہوم سمجھنا ناممکن ہے۔مثال درج ذیل ہے:

''ان یذکر فیها اسمه۔ثانی مفعولی منع کمافی قوله تعالیٰ ومامنعنا ان نرسل بالاٰیت۔اوالخافض محذوف ای من ان یذکر او منصوب علی العلیة ای کراهةان یذکر۔'' (۲۱۹)

مباحث قرات وتجوید:

ایک صحیح حدیث میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:-

''ان هذا لقران انزل علی سبة احرف فا قرئوا ما تیسر منه (یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے پس اس میں سے جو تمھارے لئے آسان ہو اس طریقے سے پڑھ لو۔'' (۲۲۰)

حروف سبعہ میں قرآن نازل کرنے سے مراد سات مختلف لہجوں میں قرآن پاک کا نزول ہے جس سے سات مختلف قرائتیں وجود میں آئیں۔(۲۲۱) فاضل مئولف کی علوم قراءت وتجوید میں استفادہ اور بعد ازاں ان علوم میں دسترس وعبور کے متعلق حصول تعلیم کے ضمن میں پچھلے صفحات میں پڑھ آئے ہیں۔تفسیر مظہری میں فاضل گرامی نے قراءت متواترہ (قراءت العشر ہ) (۲۲۲) کا التزام کیا ہے ان کی صحت و ثقاہت قرأت وتجوید کے حلقوں میں مقبول عام ہے۔اس علم کی بدولت لغات قرآن کے فہم کے علاوہ قرآن کے مضامین میں بالغ نظری اور وسعت پیدا ہوتی ہے۔فاضل گرامی کا منشاء ومقصد بھی یہی ہے کہ قاری الفاظ کی ترکیب اور وضع ہیت سے آشنا ہو سکے اور بہتر انداز میں لغوی معنی سے بہرہ ور ہو کر قرآن خوانی اور قرآنی مضامین سے استفادہ کر سکے۔علم قرأت وتجوید سے فاضل گرامی نے مختلف النوع علوم پر بحث کی ہے اولاً لغات کی معرفت دوم لغات میں وسعت وعمومیت، سوم فقہی مسائل میں استنباط، چہارم قواعد عشرہ کا تذکرہ پنجم لہجاتی وہجاتی (قوائد تجوید) قواعد کا ذکر۔ان علوم کی اضافت سے تفسیر مظہری کی افادیت واہمیت میں اضافہ ہوگیا ہے۔فاضل مئولف نے قراءت وتجوید کے مباحث میں التیسیر الدانی ،طیبۃ النشر ہ فی القراءت العشر اور قصیدہ شاطبیہ جیسی مایہ ناز کتب سے استفادہ کیا ہے۔(۲۲۳)

آپ لغت کی معرفت اور اس میں وسعت پیدا کرنے کے لئے جہاں مختلف قرأتوں کا ذکر کرتے ہیں وہاں ان قراءت کا فرق بھی بتاتے ہیں۔تفسیر مظہری میں ایک مقام پر بحث کرتے ہونے کہتے ہیں:

'' و من تطوع خیرا قرا حمزة والکسائی یطوع بالیاء التحتانیة وتشدید الطاء علی صیغة المضارع المجزوم وکذالک۔ووافق یعقوب فی الاولیٰ

فقط وقرا الجمہور بالتاء وفتح العین علی الماضی۔ومعناہ فعل طاعة
فرضا کان اونفلا۔''(۲۲۴)

فاضل گرامی نے قرات وتجوید کے مباحث میں متعدد مقامات پر فقہی مسائل بھی استنباط کیے ہیں، ایک مقام پر ناچار کے لئے حرام اشیاء کے استعمال کے جائز قرار دینے کے بارے میں کہتے ہیں:

''فمن اضطرّ ۔قراعاصم وابوعمروحمزة بسکرالنون ھھنا ومن اناعبدوالله اج احکم ولٰکن انظروان اغدواوشبھه وکسرالدال من لقد استھزی والتاء من قالت اخرج والتنوین من فتیلان انظر ومبیتان اقتلو اوشبھه اذاکان بعدالساکن الثانی ضمة لازمة وابتدأت ھمزة الوصل بالضم۔ووافقھم ابن عامربن التنوین فقط وکذاقراعاصم وحمزة بالسکر اللام والواو ومثل قل ادعوالله اوادعوالرحمٰن وتابعھما یعقوب الافی الواو۔وقراالباقون بالضم فی کلھا بضمة اول الفعل ۔وقرا ابوجعفر بکسرالتاء لکسرالنون والمعنی انه من اضطرالی اکل المیتة اونحوہ مماذکرسواء کان الاضطرارلاجل المخمصه اولاکراہ اوغیر ذلک حل له اکلھا بالاجماع۔''(۲۲۵)

تفسیر مظہری اورعلم تصوف:

تفسیر مظہری کی ایک نمایاں خصوصیت اس میں تصوف سے متعلق مضامین ومباحث شامل ہیں۔ آپ نے باقاعدہ تصوف کا علم (۲۲۶) دوران تعلیم کسب کیا نیز محمد عابد سنامیؒ اور مرزا مظہر جان جاناںؒ کی محبت میں رہ کر باطنی تعلیم وتربیت سے مستفیض ہوئے جس کی صراحت پچھلے صفحات میں کرآئے ہیں۔علماء کرام نے تفسیر میں علم تصوف سے استفادہ کرنے کے بارے میں چار امور (۲۲۷) کا خیال رکھنے کو ضروری قرار دیا ہے۔فاضل مفسرؒ نے ان کا بخوبی خیال رکھا ہے۔جیسے علماء کرام کے بیان کردہ اصولوں کے مطابق صوفیہ کے اقوال کے لئے شرعی شہادت کا ہونا ضروری ہے اس ضمن میں آپ تفسیر مظہری میں سورۃ البقرہ کی آیت: ۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''قلت صلاح القلب المذکور فی الحدیث ھوالمعتبر باصطلاح الصوفیة بفناء القلب وھواول مراتب الولایة وھوالمستلزم لصلاح الجسد والاتقاء عن المشتبھات حذرا من ارتکاب المحرمات۔فالتقوی لازم للولایة قال الله تعالیٰ ان اولیاؤہ الاالمتقون وفی الأیة سمی المشارف للتقوی متقیا مجازا۔''(۲۲۸)

مذکورہ بالا مباحث کے علاوہ ناسخ ومنسوخ، شان نزول، وعظ واساطیر، تاریخ وسیرت اور فلسفہ، کلام پر نہایت مدلل مضامین ہیں جسے شرح وبسط کے ساتھ فاضل مفسر نے پیش کیئے ہیں نیز آیات اور سورتوں کے مابین نظم وربط کو نہایت خوبصورت اور دلکش انداز سے بیان کیا ہے۔تفسیری مظہری کا اسلوب نہایت مدلل، محققانہ اور سلیس ہے۔فاضل مفسر نے جہاں کسی آیت کا تفصیلی جائزہ لیا ہے وہاں مختصراًانداز میں آیت کی تشریح کی ہے اس کے علاوہ قدیم اسرائیلی روایت کو بھی آیت کی تشریح کے لئے ماخذ ومصدر ٹھہرایا ہے مگر ان روایات پر تبصرہ وتنقید بھی کی تاکہ قاری صحیح اور غلط کا انداز کر سکے جیسے سورۃ ابراہیم میں نمرود کے قصے میں علامہ بغویؒ کی اسرائیلی روایات بیان کرتے ہیں اور اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وھذہ القصة یأبی عنه العقل ولم یثبت بنقل یعتمد علیه۔''(۲۲۹)

فاضل مفسر نے سورۃ کے اختتام پر اختتامی تاریخ اور تشکرانہ الفاظ تحریر کیئے ہیں جس سے قاری کو تفسیر مظہری کی ترتیب وتدوین کے دور کا صحیح طور پر اندازہ ہوتا ہے جیسے سورۃ البقرہ کے اختتامی الفاظ تحریر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''بحمدالله فی الخامس والعشرین من الربیع الثانی سنة الف ومائة وست تسعین ۱۱۹۶ھ والحمدلله والصلوٰۃ علی رسوله۔''(۲۳۰)

تفسیر مظہری کی شہرت واہمیت کے پیش نظر کئی اداروں سے عکسی طباعت ہو چکی ہے بہر حال اس کے اولین طباعت میں مولوی رکن الدین، مفتی حافظ عبدالرحمان، سید محمد یامین میرٹھی اور قاری ابومحی الاسلام کی کاوش وسعی قابل تعریف ہے۔(۲۳۱) اسی طرح اس کے حاشیے تحریر کرنے میں اول فاضل مئولف از خود شامل ہیں کیونکہ تفسیر کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ فاضل مفسر نے متعدد مقامات پر جہاں حاشیے کی ضرورت پیش آئی ہے وہاں کسی نقطے کی وضاحت کیلئے حاشیے میں درج کردیا ہے۔بعدازاں مولوی مبارک الدین (طبع اول) قاری ابومحی الاسلام اور فقیرالدین دہلوی نے بھی حاشیہ تحریر کیا ہے۔(۲۳۲)

مالہ بدمنہ:

زیر نظر کتاب قاضی صاحبؒ کی علم فقہ سے دلچسپی اور فقہی مسائل میں منفرد سوچ کے حامل ہونے کی عکاسی کے ساتھ روزمرہ زندگی میں فرض وواجبات سے آگاہی اور حلال وحرام میں تمیز کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔دین اسلام محض عبادات کا نام نہیں بلکہ ہمہ گیر اصولوں کا مجموعہ ہے جس میں معاشرتی، معاشی، سماجی، معاملات وعبادات غرض ہر شعبہ حیات کے متعلق تشریح وتوضیح دستیاب ہے اور جس پر عمل پیرا ہو کر ایک مسلمان اپنی زندگی قیمتی بنا سکتا ہے۔زیر نظر کتاب میں قاضی صاحبؒ نے ان مسائل پر قلم اٹھایا ہے جس کا

جاننا ہر مسلمان کو ضروری ہے۔ اس ضمن میں قاضی سجاد حسین کہتے ہیں:

''مالا بد یعنی وہ چیز جس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو چونکہ اس کتاب کے مسائل ہر مسلمان کے لئے جاننا ضروری ہیں اس لئے مصنف نے اس کتاب کا نام یہ رکھا ہے۔'' (۲۳۳)

زیر نظر کتاب فقہ کے نو (۹) ابواب پر مشتمل ہے۔ جیسے: کتاب الایمان، کتاب الطہارہ، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الجنائز، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج۔

کتاب الایمان:

قاضی صاحبؒ نے کتاب کا آغاز ایمان کے باب سے کیا ہے چونکہ اس کے بغیر کوئی عبادت قابل قبول نہیں اور ایمان کی درستگی کا دارومدار تمام اعمال اور افعال پر منحصر ہے۔ اس ضمن میں قاضی سجاد کہتے ہیں:

''مصنف نے ایمان کی محبت سے کتاب کو اس لئے شروع کیا ہے کہ ایمان کے بدون کوئی عبادت معتبر نہیں۔'' (۲۳۴)

اس باب میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے بارے میں بحث کی ہے پھر طویل بحث کے بعد فرماتے ہیں:

''خدا کی صفات اور کاروبار میں بشر کو فرشتوں کو بھی حیرانی اور نادانی کے سوا اور کچھ نصیب نہیں پس بسبب نہ سمجھنے کے انکار کرنا آیتوں کا کفر ہے اور تاویل کرنی اس کی جہل مرکب۔'' (۲۳۵)

قاضی صاحبؒ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی بحث کے آخر میں فرماتے ہیں کہ:

''انسان کے تمام افعال حق تعالیٰ کے ارادے کے ساتھ ہے پر حق تعالیٰ کفر اور نافرمانی سے راضی نہیں بلکہ ان پر عذاب مقرر رکھا اور تابعداری اور ایمان لانے پر ثواب دینے کا وعدہ فرمایا کوئی یہ نہ سمجھے کہ خدا کا ارادہ اور رضامندی ایک چیز ہے بلکہ ارادہ اور چیز ہے اور رضامندی اور چیز ہے۔'' (۲۳۶)

پھر اس بحث کے بعد نعت رسول ﷺ کے عنوان کے ذیل میں انبیاء صلوٰۃ السلام کی فضلیت اور قدر و منزلت بیان فرمائی ہے نیز ایمان مفصل اور ایمان مجمل کا ذکر فرمایا ہے۔ پھر قیامت کی روداد جنت و دوزخ کا ذکر کیا ہے اور بحث کا خاتمہ اس نقطہ پر کیا ہے کہ مسلمان حق تعالیٰ کو بہشت میں بغیر حجاب کے دیکھیں گے۔

کتاب الطہارۃ:

اس عنوان کے ذیل میں حسب ذیل فصل ترتیب دی گئی ہیں۔

فصل (۱) بیان وضو، فصل (۲) نواقص وضو، فصل (۳) بیان غسل، فصل (۴) غسل واجب کرنے

والی چیزوں، فصل (۵) نجاسات کے بیان میں، فصل (۶) طہارت نجاست حکمی، فصل (۷) طہارت نجاست حقیقی، فصل (۸) پانی و جاری کثیر کے بیان میں، فصل (۹) کنویں کے مسائل، فصل (۱۰) تیمم کے مسائل۔

کتاب الصلوٰۃ:

اس کتاب میں اوقات نماز، شرائط نماز، ارکان نماز، واجبات نماز، سجدہ سہو کا طریقہ، سنت کے مطابق نماز ادا کرنا، قضائے نماز کی ادائیگی، مفسدات اور مکروہات نماز، بیمار اور مسافر کی نماز، نماز جمعہ اور نوافل کی نمازوں پر مستقل فصول میں روشنی ڈال گئی ہے۔

کتاب الجنائز:

اس کتاب میں شہید کے اوصاف اور فضیلت، میت پر ماتم و نوحہ کرنے کی ممانعت اور زیارت قبور پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

کتاب الزکوٰۃ:

اس باب میں مصارف زکوٰۃ، صدقہ فطر اور صدقہ نفل پر بحث کی گئی ہے۔

کتاب الصوم:

اس باب میں روزہ کا قضا و کفارہ، نفل روزے اور اعتکاف کے متعلق فصول پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

کتاب الحج:

اس باب کو فاضل مئولف نے خالی چھوڑ دیا ہے کیونکہ آپ کے خیال میں حج کی شرائط میں امن وامان کا بھی دخل ہے لہٰذا آج کل راستے غیر محفوظ ہیں اس لئے اس کی نوبت کم آتی ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ساری عمر میں حج ایک مرتبہ واجب ہوتا ہے پس حاجت کے وقت اسکے مسائل سیکھنا ہوسکتا ہے۔ (۲۳۷)

کتاب التقوی:

ارکان اسلام کے بعد آپ نے حرام اور شبہ والی چیزوں کا بیان اور ان سے اجتناب کا ذکر کرنا تقوی کے ضمن میں ضروری سمجھا کیونکہ آپ کے نزدیک حلال اور حرام کا امتیاز ہی تقوی سے عبارت ہے اس لئے فرماتے ہیں:

''متقیان تقوی عبارت از ادائے واجبات و ترک محرمات و مشتبہات است نہ از کثرت نوافل دانیان مستحبات۔'' (۲۳۸)

اس باب میں کھانے کا بیان، لباس کا بیان، راگ وسرور کی ممانعت، غیبت لڑائی جھگڑا، چغل خوری، غرور فخر، کسب اور تجارت اور متفرق مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

کتاب الاحسان والتقرب:

اس باب میں اولیاء اللہ کی شخصیت کو اپنے اوپر لازم کر لینے کی تاکید کی گئی ہے کیونکہ ان پاک نفس بندوں کی محبت سے اخلاص اور محبت پیدا ہوتی ہے آخر میں مولانا روم (م ۶۷۲ھ) اور عزیزان علی رامیتنی (م ۷۱۵ھ) کے اشعار پر اختتام کیا ہے۔ (۲۳۹)

زیر نظر کتاب میں قاضی صاحبؒ نے چاروں اماموں کی آراء کو پیش کیا ہے۔ نابالغ اور دیوانے کے مال میں زکوۃ واجب ہونے کا ذکر فرماتے ہوئے کہتے ہیں:

''پس نابالغ اور دیوانے کے مال میں زکواۃ واجب نہ ہوگی نزدیک ابی حنیفہؒ کے اور نزدیک امام مالکؒ اور شافعؒ اور احمدؒ کے واجب ہوگی کہ لڑکے اور دیوانے کی طرف سے اس کا ولی ادا کرے۔'' (۲۴۰)

بعض جگہ آپ نے ان اماموں میں سے اس حکم کو ترجیح دی ہے جو سنت کے قریب تر ہے۔ جیسے دریائی جانوروں کے حلال حرام کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''دریائی حیوانوں میں سے امام اعظمؒ کے نزدیک سوائے مچھلی کے کوئی قسم کا جانور حلال نہیں اور اگر مچھلی آفت کے باعث مر کر پانی پر چت ہو کر رہے تو وہ حرام ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک مچھلی اور ٹڈی میں ذبح شرط نہیں ہے اسی واسطے کافر کی شکار کی ہوئی مچھلی بھی حلال ہے (۲۴۱)

آپ نے فقہ حنفی میں امام ابو یوسفؒ اور امام ابو محمد سے بھی استفادہ کیا ہے نیز بعض جگہ مجتہدانہ سوچ وفکر بھی نظر آتی ہے جیسے: قرآنی تعلیمات اور امامت ومؤذن کے فرائض ادا کرنے پر اجرت لینی جائز ہے یا حرام کے ضمن میں فرماتے ہیں:

''اذان کہنے، امامت اور تعلیم قرآن اور فقہ اور ان کے سوا عبادت پر مزدوری لینا جائز نہیں امام اعظمؒ کے نزدیک اور دوسرے اماموں کے نزدیک جائز ہے اور اس زمانے میں فتوی اس بات پر ہے کہ تعلیم قرآن وغیرہ پر اجرت لینی جائز ہے۔'' (۲۴۲)

مالابدمنہ کی خصوصیات اور حواشی:

فاضل مؤلف نے مالد بدمنہ کے ماخذ کا ذکر کہیں نہیں فرمایا البتہ ائمہ فقہ کی کتب سے بھرپور استفادہ کیا ہے جس کا شائبہ مذکورہ کتب میں جا بجا بجا نظر آتا ہے نیز کہیں ایک جگہ قرآن وسنت سے بھی استفادہ کیا ہے۔ فاضل گرامی نے مختصراً مگر جامع انداز سے فقہی اصولوں کو پیش کیا ہے اور یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ سمندر کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ فصاحت وبلاغت کے ساتھ ساتھ سادہ اور سلیس انداز میں قاری کو درپیش مسائل کا حل سمجھایا ہے۔ فاضل مؤلف نے ایمان واعتقاد، حلال وحرام کا امتیاز اور تصوف کے مسائل سے مذکورہ کتب کو آراستہ کیا ہے جس میں ہر مسلمان کے لئے تشفی واطمینان قلبی کا سامان مہیا کر دیا ہے۔

مالد بدمنہ کی تحقیقی افادیت کے پیش نظر اس پر معتدد حواشی تحریر کیئے گئے ہیں۔ راقم کو مندرجہ ذیل مطبوعہ نسخے میں سے مولانا سعد الدین لکھنوی کا تحریر کردہ نسخہ دار العلوم کورنگی (کراچی) میں دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ بعد ازاں مذکورہ کتب کو پڑھا گیا اور استفادہ کیا گیا۔

۱۔ حاشیہ مولانا سعد الدین لکھنوؒ (مطبوعہ ۱۲۵۷ھ):

یہ حاشیہ مختصر مگر اہم تشریح اشارات پر مشتمل ہے۔ بعض جگہ متن کے اشارات کی بھی وضاحت کی گئی ہے۔ نیز بعض موقعوں پر قرآن وحدیث کے حوالوں سے متن کو دلائل سے مزین کیا ہے۔ مذکورہ حواشی میں وصیت نامہ بھی شامل کیا ہے نیز اختتام پر کلمات کفریہ کا بھی اضافہ کیا ہے۔ (۲۴۳)

۲۔ حاشیہ قاضی سجاد (مطبوعہ شرکت علمیہ بیرون گیٹ ملتان، ۱۳۷۵ھ):

راقم کو یہ نسخہ مدرسہ دنیات (حیدر آباد) میں ملا جسے بعد ازاں پڑھا گیا اور استفادہ کیا۔ قاضی سجاد صاحب نے حواشی مختصراً اور اردو زبان میں تحریر فرمایا ہے اسلوب بیان سادہ اور قابل فہم ہے۔ نسخہ ھذا مدارس میں طلباء اور اساتذہ کے لئے معاون ومدد گار ہے۔ یہ حاشیہ کلمات کفریہ، وصیت نامہ، احکام اضحیہ اور احکام عقیقہ مسائل کے مفید اضافت پر مشتمل ہے۔ (۲۴۴)

اردو ترجمہ:

مالابدمنہ معروف بہ کشف الحاجۃ (مطبوعہ سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی، ۱۳۸۹):

یہ مالابدمنہ کا اردو ترجمہ ہے جسے محمد نور الدین ولد محمد اشرف متوطن اسلام آباد عرف چاٹگام نے اردو کے قالب میں ڈھالا ہے۔ مالابدمنہ کا ترجمہ کرنے کا خیال کس طرح ہوا، اس بابت خود فرماتے ہیں:

''علوم تحصیل کرنے کے قصد سے اول عمر میں حسب تقدیر ملک ہندوستان میں گیا تھا پھر ایک مدت طویل کے بعد وطن مالوف آبائی کے رجوع کرتے وقت سنہ ۱۲۶۲ھ میں جب دار الامارۃ کلکتہ کے اندر آ پہنچا تب بعض احباب وطنی نے فرمائش کی کہ رسالہ معتبرہ مالابدمنہ تصنیف عالم حقانی۔۔۔ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہ کا اردو زبان میں ترجمہ کرے تاکہ عوام کو نفع عام پہنچے پس اس عاجز گہنگار نے نسخہ متبرکہ کا ترجمہ کرنا وسیلہ نجات کا سمجھ کر ارشاد احباب خاص کا بجا لا کر جو مقام وقت طلبا تھا اس کو خوب سا واضح کر دیا اور فوائد لابدی بھی جا بجا لکھ دیئے۔'' (۲۴۵)

یہ نسخہ کلمات الکفر کی اضافت پر مشتمل ہے فاضل مترجم نے لفظی ترجمہ کیا ہے۔ اور بیان اسلوب قدیم طرز پر مشتمل ہے۔ بہر حال مترجم کی اچھی کاوش ہے جس سے عام اور خواص دونوں استفادہ کر سکتے ہیں۔

راقم کو یہ نسخہ ڈاکٹر عبدالحمید قریشی (قاسم آباد حیدر آباد) کے ذاتی کتب خانے سے ملا۔

السیف المسلول (شمشیر برہنہ):

یہ کتاب روافض کے رد میں لکھی گئی ہے جو کہ ایک مقدمہ اور سات مقالوں پر مشتمل ہے جبکہ کتاب کا اختتام خاتمہ کے عنوان سے باب باندھ کر کیا گیا ہے۔ مقدمے میں روافض کے فرقوں کی تفصیل دی گئی ہے۔ پہلے مقالے میں قرآن وسنت کی روشنی میں دلائل کے ساتھ روافض کا ابطال وار اہل سنت کی حقانیت کا ذکر کیا گیا ہے نیز کتب روافض کا بھی تفصیلاً تعارف موجود ہے۔ اس کے علاوہ شیعہ کے عقیدہ تقیہ پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے اور ان کی کتب سے عقیدہ تقیہ کو باطل قرار دیا ہے۔ دوسرے مقالے میں علم کی فضلیت کے ذکر کے بعد تفصیل کے ساتھ قرآن وحدیث کی روشنی میں شیعہ کے عقائد کا رد کیا ہے۔ تیسرے مقالے کے آغاز میں امام کی تعریف وتوضیح کے بعد امامت وخلافت کا فرق بیان کیا گیا ہے۔ خلافت اربعہ پر جمہور علمائے اہلسنت کا اجماع پر بحث کے بعد شیعہ کی بارہ دلیلیں جو انہوں نے حضرت علیؓ کی خلافت اول کے بارے میں دی ہیں انہیں قرآن اور خود ان ہی کتب سے رد کیا ہے اس کے بعد امامت علیؓ پر چار عقلی دلائل کو وضاحت کے ساتھ رد کیا ہے۔ چوتھے مقالے میں اہل سنت والجماعت کے مئوقف کا دفاع کرتے ہوئے مطاعن سلف وصالحین کا جواب دیا گیا ہے۔ پانچویں مقالے میں افضلیت شیخین بیان کی گئی ہے۔ چھٹے مقالے میں خرافات روافض اور کچھ ان کے فروعی مسائل کا تذکرہ کیا گیا۔ ساتویں مقالے میں بعض فروعی مسائل کی تحقیق کی گئی ہے۔ جو کہ اہل وسنت والجماعت کے ساتھ مخصوص ہے۔

فاضل گرامی کی کتاب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی قرآن وحدیث کے علاوہ کتب روافض پر گہری نظر اور مضبوط گرفت تھی۔ (۲۴۶) آپ نے اہل سنت والجماعت کے دفاع اور رد روافض میں دلائل کے ساتھ اپنے مئوقف کو واضح کیا ہے اور جہاں اختصار کو ضروری سمجھا وہاں مضامین کو مختصراً پیش کیا ہے۔ آپ نے مضامین کے مباحث میں تصوفانہ نقطہ نظر بھی شامل حال رکھا ہے جیسے: ایک مقام پر انبیاء کے علاوہ دوسروں کا معصوم ہونا کسی قطعی دلیل سے ثابت نہیں ہے کی بحث میں کہتے ہیں:

''صوفیہ علیہ تو اس حد تک فرماتے ہیں کہ جب تک بائیں کاندھے کا فرشتہ بیس سال تک بیکار نہ ہو جائے مرید کے مقام میں انسان نہیں پہنچ سکتا چہ جائیکہ رتبہ مشائخ تک پہنچے۔'' (۲۴۷)

فاضل پانی پتیؒ کا مذکورہ کتاب لکھنے کا مقصد کسی فرقے سے نزاع یا عیب جوئی ہرگز نہیں ہے بلکہ آپ کا منشاء ومقصد اہل وسنت والجماعت کے عقائد کی صحیح ترویج واشاعت اور دفاع عقائد اہل سنت والجماعت ہے نیز جہالت اور حماقت کے باعث جو لوگ مذہب اہل حق سے راہ فرار اختیار کر رہے تھے ان کے سامنے سچ وحق پر مبنی تصویر پیش کرنا مقصود تھا اس ضمن میں آپ رقمطراز ہیں:

''اس وقت دیار ہند میں مذہب اثنا عشریہ ظاہر ہو رہا ہے۔ جہالت وحماقت کی وجہ سے بہت لوگ خصوصاً پانی پت کے بعض افراد جن کے باپ دادا سنت وایمان کے حامل تھے گمراہ ہو گئے۔ فقیر کا خیال ہے کہ آسان فارسی میں روافض کے رد میں ایک کتاب لکھی جائے تا کہ عام لوگ اس سے نفع حاسل کر سکیں، ہوسکتا ہے کوئی راہ راست پر آجائے اور راقم الحروف اجر وثواب کا مستحق ہو۔'' (۲۴۸)

زیر نظر کتاب مرزا مظہر جان جاناں (م ۱۱۹۵ھ) کی زندگی میں قلمبند کی گئی اور ان کے مطالعے میں بھی آئی نیز مذکورہ کتاب دہلی سے ایک بار ۱۲۶۲ھ / ۱۸۵۲ء میں فارسی زبان میں طبع ہوئی۔ (۲۴۹) راقم نے اس کے اردو ترجمے پر اکتفا کیا ہے کیونکہ فارسی زبان میں کتاب نایاب ہے۔ بہرکیف فاضل مترجم نے فارسی سے اردو زبان میں ترجمہ کرنے میں تمام قواعد واصول کو مدِنظر رکھا ہے نیز جہاں کہیں حواشی کی ضرورت میسر آئی وہاں حوالے بھی لکھے میں اس ضمن میں فاضل مترجم کہتے ہیں:

''فارسی کا ہمارے یہاں وہ چرچہ نہیں ہے اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ کتاب کی اہمیت کے پیش نظر اس کا آسان اردو میں ترجمہ کر دیا جائے تا کہ عام لوگ استفادہ کر سکیں اور حق وانصاف کو مدِنظر رکھتے ہوئے اپنے عقائد کی اصلاح کریں، کتاب کا عام فہم سلیس اور سادہ ترجمہ کیا گیا ہے اور حاشیہ میں حوالات کی تخریج بھی حتی الامکان کر دی گئی ہے تا کہ اصل محولہ کتابوں کی طرف مراجعت میں آسانی ہو، بعض جگہ مفید حواشی کا بھی اضافہ کیا گیا ہے۔..... چونکہ ہمیں ترجمہ کے لئے مطبوعہ نسخہ نہ مل سکا ایک مخطوط کا مسودہ ملا جس میں کتابت کی غلطیاں تھیں .... پوری کوشش کی گئی ہے ان کی اصلاح ہو جائے۔'' (۲۵۰)

ارشاد الطالبین:

قاضی صاحبؒ نے مذکورہ کتاب میں راہ سلوک کے طالبین کے لئے ان تمام باتوں کا ذکر کر دیا جن پر چل کر ایک سالک منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔ نیز مذکورہ کتاب طالبین راہ حق کے لئے چراغ راہ کہا جائے تو بے جانہ ہوگا کیونکہ سالک کے لئے سب سے اہم بات سنت کی پیروی کو لازم پکڑنا اور بدعات سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرنا ہے، اس بات کا مذکورہ کتاب میں خاص طور پر اہتمام کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے مضامین ومباحث کے مطالعے سے ایک سالک سنت نبوی ﷺ کے سانچے میں ڈھل کر کا قرب الٰہی حاصل کر سکتا ہے۔ مذکورہ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے جس میں ایک چوتھائی حصہ طریقت وحقیقت کے

بنیادی اصولوں پر مبنی ہے جبکہ پانچواں باب حضرت مجدد الف ثانیؒ کی شان وعظمت اور سالکین نقشبندیہ کے لئے ضروری ہدایت ونصائح پر مشتمل ہے۔

مذکورہ کتاب کے مطالعہ سے قاضی صاحبؒ کی تحقیقی وعلمی کاوش نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ آپ نے اپنے قلم کے ذریعے سے ایسے پہلوؤں پر بحث کی ہے جس سے سالک گمراہی وضلالت میں گرنے سے بچ جاتا ہے۔ جیسے: زیارت قبور کے سلسلے میں تمام امور سے آگاہی فرماتے ہوئے کہتے ہیں:

''پیغمبر ﷺ واولیاء کرام کی زیارت کے وقت مستجب ہے کہ کامل طہارت (یعنی وضو بھی) رہے اور پیغمبر ﷺ اوران کے متبعین پر درود بھیجے اور (قبر پر آنے سے پہلے) اعمال صالحہ میں سے نماز یا روزہ یا خیرات جو خالص اللہ کی نیت سے کیا ہو اور اس کا ثواب (صاحب قبر کی روح کو) ایصال کرے اور اپنے دل کو حاضر رکھے اور خشوع اور رقت کے ساتھ بارگاہ الٰہی سے ان (اہل قبور حضور اکرم ﷺ یا اولیاء کرام) کی محبت اور ان جیسی اتباع سنت (کی توفیق) مانگے اور اگر خود صاحب نسبت ہے تو خود کو (یعنی اپنے دل کو) (خواطر اور خطرات اور خیالات سے) خالی کر کے مراقب ہو کر صاحب قبر سے فیض لینے کے لئے انتظار میں بیٹھ جائے البتہ قبروں کے پاس قرآن پڑھنے میں اختلاف ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ (قرآن پڑھنا) جائز ہے۔'' (۲۵۱)

فاضل مؤلف نے اپنے مؤقف کی تائید میں جا بجا قرآنی آیات کے حوالے اور احادیث نبوی ﷺ کا سہارا لیا ہے جو کہ آپ کی تحریر کی نمایاں خصوصیت ہے نیز فقہی استدلال بھی جو کہ آپ کی تحریر کی جان ہے واضح طور پر ملتا ہے اس کے علاوہ کسی نقطے کی وضاحت کو ضروری سمجھا تو سوال وجواب کے ذریعے تمام امور کا تسلی بخش حل بتلایا گیا ہے۔ ایک مقام پر صوفیاء کے اس استدلال پر کہ فنا کے بعد رجعت نہیں کے متعلق بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''فقیر اس مسئلے پر حق تعالیٰ کے اس ارشاد سے استدلال کرتا ہے۔ وما کان اللہ لیضیع ایمانکم ان اللہ بالناس لرؤف الرحیم: یعنی حق تعالیٰ تمہارا ایمان ضائع نہیں فرماتا ہے۔ وہ ذات پاک بندوں پر بڑی مہربان ہے اور رسول اللہ (ﷺ) کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ علم کو اپنے بندوں سے چھین نہیں لیتے بلکہ علم کا اُٹھا لینے کی صورت یہ فرمائیں گے کہ علماء کو (اس دنیا سے) اٹھالیں گے اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حق تعالیٰ ایمان حقیقی اور علم باطنی کی بھی (کسی بندہ سے) چھینتے گے نہیں۔'' (۲۵۲)

فاضل گرامی قدر نے اپنی تحریر کو خوبصورت اور دیدہ زیب بنانے کے لئے کہیں ایک مقام

پر رومی، سعدی، اور بزرگان دین کے اشعار کا استعمال کیا ہے۔ ایک مقام پر مراتب قرب الٰہی کی انتہا کا ذکر کرتے ہوئے مولانا روم کا شعر نقل کرتے ہیں:

اے برادر بے نہایت درگہیست　　　هرچہ بردے می رسی بردے مایست

نیز حضرت خواجہ محمد باقی باللہ کا شعر حسب ذیل نقل کرتے ہیں:

ہر جا کہ ترشیخ تو بنیم　　　داوا العلشیم وتشتہ کاصیم'' (۲۵۳)

قاضی صاحبؒ سلسلہ نقشبندیہ کے ایک سچے کارکن اور سلسلہ کے سرخیل حضرت مجدد الف ثانیؒ سے والہانہ محبت وعقیدت رکھتے ہیں۔ مذکورہ کتاب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے آپ نے کئی ایک مقامات پر حضرت مجدد الف ثانیؒ کے اقوال پیش کیئے ہیں نیز پانچوں باب میں وضاحت کے ساتھ آپ کے فضائل اور مراتب کا ذکر کیا ہے۔ ایک مقام پر کشف والہام کی بحث میں حضرت مجددؒ کے کشف اور درجات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مجدد الف ثانیؒ کے مکشوفات کے مرتبہ عالی کا اندازہ لگانا چاہیے سب کے سب صحو (صحت ہوش) کے چشمہ سے نکلے ہیں اور کبھی خلاف شرع واقع نہیں ہوئے بلکہ ان میں سے اکثر کی تائید میں خود شرع رہی ہے البتہ بعض ایسے میں کہ شرع ان میں ساکت ہے (یعنی وہ خلاف شرع بھی نہیں مگر شرع سے موئد بھی نہیں) اور حضرت مجددؒ کا مرتبہ اولیاء اللہ میں ایسا ہے جیسے نبیوں میں اولوالعزم نبی کا ہو۔'' (۲۵۴)

فاضل مؤلف نے کتاب کا خاتمہ اللہ کی حمد وثناء اور رسول مقبول ﷺ اور کے اصحاب پر درود بھیج کر کیا ہے نیز اختتام پر یہ دعا بھی درج ہے کہ اللہ اپنی محبت عنایت فرمائے اور ان سے محبت کی توفیق عطا فرمائے جس سے تو محبت کرتا ہے اور ان اعمال کی محبت عطا فرمائے جس سے تیرا قرب میسر ہو۔ (آمین)

مطبوعہ نسخے اور تراجم:

ارشاد الطالبین کی اہمیت کے پیش نظر اب تک اس کے کئی نسخے (فارسی) میں شایع ہو چکے ہیں۔ (۲۵۵) چونکہ وقت گزرنے کے ساتھ فارسی سے واجبی سا تعلق رہ گیا اس لئے اس کا اردو میں ترجمہ ہوا تا کہ خاص وعوام اس سے بھرپور استفادہ کرسکیں۔ اس ضمن میں مولانا غلام محمد نے مذکورہ کتب کا اردو ترجمہ کر کے شایع کیا۔ اس ترجمے میں فاضل مترجم کے پیش نظر عبدالمجید سیفی مجددی مرحوم (شایع کردہ بیڈی روڈ لاہور) کا نسخہ رہا۔ راقم نے اسی اردو ترجمے سے استفادہ کیا ہے۔

درمسئلہ سماع ووحدت الوجود:

یہ مجموعہ دو چھوٹے رسالے درمسئلہ سماع ووحدت الوجود پر مشتمل ہے جس میں فاضل مؤلف نے

قرآن وحدیث کے علاوہ فقہی اور متصوفانہ نقطہ نظر پیش کیا ہے۔

درمسئلہ سماع:

زیر نظر رسالہ ایک مکتوب کی شکل میں ہے جو کہ فاضل مؤلف نے محمد سالار گنگوہی کے استفسار پر لکھا تھا۔ محمد سالار گنگوہی نہ صرف خود فاضل و عالم تھے بلکہ نیک خاندان سے تعلق رکھتے تھے جیسا کہ فاضل پانی پتی کے ابتدائی کلمات سے ظاہر ہوتا ہے:

''فضلیت پناہ کمالات دستگاہ برخوردار گرامی قدر محمد سالار جعلہ اللہ من الاخیار والابرار از فقیر محمد ثناء اللہ بعد از سلام سنت الاسلام ودعا برخوردار دارین۔'' (۲۵۶)

محمد سالار گنگوہی نے سوال میں تحریر فرمایا تھا کہ اس زمانے میں بہت سے لوگ مزامیر کے ساتھ راگ سِن کر وجد کرتے ہیں اور وجد کرنے والے حق حق کے نعرے لگاتے ہیں، اس میں شک نہیں کہ راگ مطلقاً حرام ہے، خصوصاً یہ راگ جو مزامیر کے ساتھ ہو قطعی حرام ہے اس کو حلال ماننے والا اور اس بات سے انکار کرنے والا کافر ہو جاتا ہے اور جب ایسے مقام پر اللہ کا نام لیا جائے تو یہ لازمی امر ہے کہ اس کا نتیجہ کفر ہو۔'' (۲۵۷)

فاضل مؤلف نے ابتدائی تمہید میں فرمایا ہے کہ قائلین ''حلت سماع'' پر کفر کا فتویٰ صادر کرنے میں جلد بازی نہیں کرنا چاہیے چونکہ اس ضمن میں شیخ عبدالقدوس گنگوہی جیسے اکابرین و بزگان پر ضرب صادر ہوتی ہے۔ (۲۵۸) بعد ازاں فاضل مؤلف نے تفصیلاً موافقانہ اور مخالفانہ تجزیہ کیا ہے۔ سماع ومزامیر کی حرمت وممالغت اور حلت واباحت میں قرآنی آیت اور متعدد احادیث پیش کی ہیں جن کا تعلق صحیح بخاری، صحیح مسلم، طبرانی فی الکبیر، بیہقی فی شعب الایمان، بیہقی دلائل البنوہ، ترمذی اور ابن ماجہ سے ہے نیز امام غزالیؒ کی کتاب احیاء العلوم سے جو احادیث عبدالرحیم عراقی نے تخریج کی ہیں ان کی صحت وثقاہت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ خفیف ہیں۔ (۲۵۹)

فاضل مؤلف اس بحث کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے فقہی آراء پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں چونکہ مذکورہ بالا بحث میں حرمت وممالغت اور حلت واباحت دونوں قسم کی احادیث پائی جاتی ہیں لہٰذا اس موقع پر حنیفہ حرمت کو ترجیح دیتے ہیں اس لئے امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ فعل مطلقاء حرام ہے اور امام شافعی نے حرمت کی احادیث کو ایسے گانا بجانے پر محمول کیا ہے جس سے لہو ولعب پیدا ہو، البتہ جو گانا بجانا صحیح غرض پر مبنی ہو مثلاً اعلان نکاح اور اس مانند دوسرے امور تو آپ کے نزدیک یہ مباح ہے، ایک روایت مباح کی ہدایہ میں بھی مذکور ہے۔ امام غزالیؒ احیاء العلوم میں حرمت وممالغت کو ایسے فعل پر محمول کرتے ہیں جن سے دل میں شیطانی وسوسے پیدا ہوں اور شہوت وعشق مجازی پروان چڑھے جبکہ اگر گانا بجانے سے خدا کی یاد

آئے تو ایسا عمل مباح ہے۔ چونکہ بعض اوقات گانا بجانے سے سرور پیدا ہوتا ہے پس اگر سرور مباح ہے تو سماع بھی مباح ہے اس لئے آپ نے عید کے دن، نکاح کے وقت، ولیمہ، بچے کی ولادت، عقیقہ، ختنہ وغیرہ کے لئے جائز قرار دیا ہے اسی طرح خزانہ اور کافی میں بھی یہ فقہی آراء پیش کی گئی ہے کہ جو گانا بجانا لہو ولعب کے زمرے میں آتا ہو وہ حرام البتہ جس سے دل میں نرمی اور رقت پیدا ہو نیز نکاح، ولیمہ، غازیوں اور قافلوں کی روانگی کے وقت کا گانا بجانا حرام نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک بھی حرام نہیں ہے۔ (۲۶۰)

فاضل پانی پتیؒ نے قرآن وحدیث کے استدلال اور فقہی آراء کے بعد متصوفانہ نقطہ نظر پیش کیا ہے جس سے فاضل مؤلف کی تحقیقی جستجو اور کتب کثیرہ سے استفادہ کا پہلو خاص طور پر نظر آتا ہے نیز آپ ایک ہی مسئلہ پر کئی زاویوں سے تحریر قلمبند کرتے ہیں تا کہ قاری کے سامنے ہر ہر نقطہ واضح ہو جائے اور کوئی پہلو تشنہ نہ رہے۔ آپ متصوفانہ بحث کا آغاز کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کہ از اکابر علماء ظاہر و رئیس اولیاء اللہ اند در عوارف گفتند السماع یستجلب الرحمۃ من اللہ الکریم یعنی سرود شیندن میکشد رحمت از خدائے کریم وحضرت خواجگان عالیشان خواجہ بہاء الدین نقشبند فرمود در حق سماع کہ نہ انکار میکنم ونہ این کار میکنم چون بناد طریقہ ایشان بر کمال اتباع سنت ست۔'' (۲۶۱)

فاضل مؤلف نے سماع کی بحث میں تین اقسام کے اہل وجد کا ذکر کیا ہے۔ اول وہ جو سماع سن کر بے خود ہو جاتے ہیں اور شوق الٰہی ان کے دل میں پیوست ہو جاتا ہے، دوم وہ لوگ جو سماع کے ذریعے احوال شریف کی ترقی چاہتے ہیں اور سوم وہ لوگ جو سماع کے ذریعے ریا کاری کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے سماع ناجائز ہے البتہ دوسرے مسلمانوں کے متعلق حسن ظن رکھنا چاہیے اور مسلمانوں کے لئے حسن ظن رکھنا واجب ہے۔ (۲۶۲)

وحدت الوجود:

اس رسالے کا دوسرا حصہ وحدت الوجود کے عنوان سے شامل ہے یہ حصہ بھی مکتوب پر مشتمل ہے جو گرامی قدر محمد سالار کو لکھا تھا۔ فاضل مؤلف نے اول سوال لکھا ہے بعد ازاں تفصیل سے اس کا جواب تحریر کیا۔ مذکورہ مکتوب میں جن امور پر استفسار کیا گیا ہے وہ حسب ذیل ہے:

"الصوفیہ یقولون ان ذات اللہ تعالیٰ ھو الوجود المطلق الماخوذ لا بشرط شئيٍ ویقولون باحاطتہ بکل شیی برین قول طعن نوشتند و گفتند ھو المخالف لقائدہ اھل الحق ان اللہ تعالیٰ لد یحل فی غیرہ ولا یتحد بغیرہ فکیف یتعوران الکل واحد۔'' (۲۶۳)

مذکورہ سوال کا جواب انتہائی بلیغ انداز میں دینے کے بعد بحث کو سمیٹتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات بغیر لحاظ رکھنے صفات اور مطلق کامل کسی بھی قید اور اعتبارات واجب الوجود لذاتہٗ ہے اور مابہٗ الموجود یہ صفتیں کائنات کے ساتھ ہیں صوفیا کے ان معانی سے حلول باتحاد یا ممکنات سمجھنا یہ تو صاف طور حماقت اور کم فہمی ہے۔(۲۶۴)

آگے چل کر ایک اور سوال کہ حق تعالیٰ عین ممکنات ہے یا ان کا غیر ہے پوچھا گیا۔ اس کے متعلق ابتدائی طور پر فرماتے ہیں کہ کوئی شخص بھی خدا تعالیٰ کو عین ممکنات نہیں کہتا اور وہ جو صوفیہ کے کلام سے وجود باری تعالیٰ کی اشام یعنی بوممکنات میں آتی ہے یہ خود نافہمی ہے۔ آگے چل کر مزید شیخ اکبرؒ اور قرانی حوالوں سے اس پر بحث کی گئی ہے۔(۲۶۵)

حقیقت الاسلام:

قاضی صاحبؒ نے مجددی تحریک کے سرگرم رکن کی حیثیت سے احیائے سنت نبوی اور تعمیر معاشرہ کے اسلامی اصولوں کی طرف خصوصاً توجہ مرکوز کی تاکہ مسلم معاشرہ باہمی اخوت و بھائی چارگی کا عملی نمونہ نظر آئے اور معاشرے کی بنیاد مضبوط بنیادوں پر استوار ہو۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہر شخص اپنے ذمے واجب الادا حقوق وفرائض کو احسن طریقے سے انجام دہی کی کوشش کرے تاکہ دین ودنیا کے تقاضوں کو پورا کر کے اخلاق حمیدہ سے متصف ہو جائے جو کہ دین اسلام کا منشاونصب العین ہے۔ اس نصب العین کو مدنظر رکھ کر فاضل مئولف نے رسالہ حقیقت الاسلام تحریر کیا۔ اس ضمن میں محمود الحسن عارف کہتے ہیں:

''قاضی صاحبؒ نے اس کتاب میں حقوق کے عامیانہ تصور کے بجائے ان میں اتنی گیرائی اور گہرائی پیدا کر دی ہے کہ اس میں تمام (بشمول عقائد، فقہ عبادات و معاملات، اخلاق وترکیہ نفس وغیرہ) بآسانی سما جاتا ہے اور دین کا کوئی شعبہ بھی سے تصور سے خارج نہیں رہتا۔''(۲۶۶)

زیر نظر رسالے کی اہمیت وفضیلت کے پیش نظر کئی بار اردو ترجمے کے ساتھ مختلف مطبوعوں سے شایع ہو چکا ہے۔ رسالہ حقیقت الاسلام کب شایع ہوا اور کتنے تراجم اس کے شایع ہو چکے ہیں۔ اس ضمن میں خواجہ عبدالکلام، تاج اعظم (۲۶۷) (اردو ترجمہ حقیقت الاسلام) کی تقریظ میں رقمطراز ہیں:

''رسالہ حقیقت الاسلام'' پہلی بار مئولف کی وفات کے تقریباً نصف سے پون صدی بعد ''مطبع امید'' لاہور سے شایع ہوا۔ پروف ریڈنگ نہ ہونے کی وجہ سے یا اس کا حق ادا نہ کرنے کی وجہ سے اعراب، حروف، الفاظ اور اسماء میں تغیر وتبدیل اور حزف عبارت کی متعدد غلطیاں نہ صرف رہ گئیں بلکہ مزید غلطیاں پیدا ہو گئیں۔ کثیر الاغلاط

متن کا عکس لے کر اسے اسی طرح دوبارہ لاہور ہی سے ۱۹۷۶ء میں شایع کیا گیا۔(۲۶۸)

تراجم:

اس کا اولین اردو ترجمہ ۱۸۸۶ء میں لاہور سے شائع ہوا مترجم کا نام محمد مصطفی بن حاجی احمد یار ہے۔ یہ ترجمہ لفظی تھا اور فارسی متن کی غلطیاں ویسی کی ویسی رہیں۔ دوسرا ترجمہ ۱۹۰۴ مین حالی پریس پانی پت سے حقوق الاسلام کے نام سے شایع ہوا یہ ترجمہ لفظی کی بجائے محاورہ اور رواں تھا مگر اس میں عربی عبارتیں حذف کر دی گئیں تھیں۔ تیسرا ترجمہ فیصل آباد سے ''شفاء الا اسلام فی حقوق الاسلام'' کے نام سے شایع ہوا۔ مترجم کا نام عبدالغنی مجددی ہیں مگر اس میں مترجم نے اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے جس میں غیر ضروری مباحث بھی شامل ہو گئے ہیں۔ چوتھا ترجمہ حکیم شریف احسن کا ہے جو ۱۹۷۹ء میں مکتبہ طیبہ پیپلز کالونی فیصل آباد نے شایع کیا، شروع میں کتاب کے موضوع اور مصنف کے حالات پر جامع مقدمہ ہے جو مترجم نے لکھا ہے اور اس کا پیش لفظ جناب مفتی سیاح الدین کاکاخیل نے تحریر فرمایا ہے۔ مترجم نے متن کی تصیح میں کافی محنت کی ہے حسب ضرورت حواشی تحریر کئے ہیں اور احادیث کی تخریج کی ہے۔(۲۶۹)

تاج اعظم ''رسالہ حقیقت الاسلام'' کا جدید ترجمہ ہے۔ راقم نے اسی ترجمہ سے استفادہ کیا ہے۔ فاضل مترجم نے اپنی تخلیقی اور تحقیقی کاوشوں کو بروئے کار لاتے ہوئے کئی جگہ فارسی متن کی اعرابی، حرفی اور لفظی غلطیاں درست کی ہیں جیسے ص: ۲۰ پر بخاری ومسلم کی روایت حضرت ابو مسعود انصاری سے مروی ہے مگر فارسی متن میں ''ابن مسعود'' کا لفظ سہوناسخ ہے۔ ص: ۲۳ پر حدیث ''انا مدینۃ العلم وعلی بابھا'' فارسی متن میں العلم کی جگہ العم ہے جو سہوناسخ ہے۔ اسی طرح ص: ۲۵ پر ایک حدیث کے راوی اصحاب السنن عن کثیر بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ فارسی متن میں کثیر کی بجائے بشیر درج ہے جو درست نہیں۔

تاج اعظم میں فاضل مترجم نے فارسی متن کی اغلاط کی درستگی کے علاوہ احادیث کے کتابی حوالے بھی تحریر کیئے ہیں، راویوں کے نام صحیح کئے ہیں، عربی عبارات کو حرکات وسکنات سے اس طرح مزین کیا ہے کہ عربی زبان سے نابلد مگر قرآن مجید صحیح پڑھ لینے والا اسے آسانی سے پڑھ سکتا ہے نیز تشریح طلب باتوں کی مختصر مگر جامع وضاحت ساتھ ہی ساتھ کر دی ہے۔ مثلاً: رسول اکرم ﷺ کی محبت اولاد اور تمام آدمیوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جائے اس وقت تک ایمان صحیح ہو گا کہ ضمن میں تشریح کرتے ہو کہتے ہیں:

''حدیث میں محبت سے طبعی محبت مراد نہیں جیسی اپنے فرزند ومحبوب سے ہوتی ہے کیونکہ غیر رسول کے ساتھ اس کا بڑھ جانا مومن کے ایمان میں نقصان نہیں پہنچاتا یہ غیر اختیاری ہے بلکہ محبت شرعی مراد ہے یعنی عظمت واطاعت کا اعتقاد پس جب تک

بندہ رسول مقبول ﷺ کو تمام مخلوق سے بزرگ تر و مطاع نہ جانے مومن نہیں۔'' (۲۷۰)

زیرنظر رسالہ میں فاضل مئولف نے حقوق کو سات قسموں میں تقسیم کیا ہے پھر ہر قسم کو آگے فصول میں تقسیم کر کے ہر عنوان کے حقوق کو علیحدہ بیان کیا ہے جیسے:

قسم اول (حقوق اللہ)

فصل اول: رسالت کی گواہی واطاعت رسول کی اہمیت، فصل دوم: صحابہ اہل بیت عظام کی محبت و اتباع کا ضروری ہونا، فصل سوم: محدثین وفقہائے کرام اور علمائے مشائخ دین کی فضلیت وعظمت۔

رسائل کے اختتام پر اچھے اخلاق کی فضیلت واہمیت اور نرمی اختیار کرنے نیز غرور وتکبر کی مذمت میں احادیث اور قرآنی آیات کے حوالے سے بحث کی ہے۔ کتاب کا اختتام اس شعر پر ہوا ہے:

داد ہم ترا از گنج مقصود نشاں
گر ما نہ سید یم تو شاید برسی (۲۷۱)

زیرنظر رسالے میں فاضل مئولف نے مستند احادیث کا مجموعہ اکٹھا کر کے قارئین کے سامنے پیش کیا ہے تا کہ وہ اپنی دنیوی و دنیاوی زندگی کو رسول اکرم ﷺ کی روشنی میں ڈھال سکیں۔ فاضل مئولف کی اس شعبے میں ذہنی استعداد و قابلیت واضح طور پر جھلکتی ہے اس کے ساتھ ساتھ تحقیقی وتخلیقی کاوش اور فقیہہ استدلال بھی عیاں نظر آتا ہے۔ جیسے: قسم پنجم میں پڑوسیوں کے حقوق کا ذکر کرتے ہوئے صحیح بخاری، صحیح مسلم، الحلیہ اور مسند کے حوالوں سے احادیث پیش کر کے ہمسائے کے حقوق کی فضیلت واہمیت بیان کرتے ہیں اور اپنی فضیلت واہمیت کو ہم نشین، ہم صحبت اور ہم مجلس کے حقوق پر منطبق کرتے ہیں۔ اس ضمن میں کہتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ تجھے نیک بخت کرے علم ہونا چاہیے کہ جب ہمسایہ اور پڑوسی کے لئے علیحدہ گھر میں رہنے کے باوجود حق ثابت ہوا تو ہم محبت (ہم مجلس) اور ہم سفر کے لئے بطریق اولیٰ حق واجب ہوا، دیکھئے رسول مقبول ﷺ نے اپنے صحابہ کے سامنے ہم محبت ہونے کی بناء پر ان کے کس قدر مناقب ذکر فرمائے اور ان کی محبت وتعظیم کے لئے کس قدر مبالغہ فرمایا ہے لیکن شرعاً ضروری ہے کہ دوستی اور ہم نشین نیک لوگوں کے ساتھ رکھے اور کافروں، بدکاروں کے ساتھ تعلق رکھنے سے پرہیز کرے'' (۲۷۲)

مذکورہ بالا بیان کی تائید میں ایک سے زائد احادیث امام بخاری امام مسلم امام احمد، امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام حاکم کی روایت نقل کی ہیں۔ نیز قرآنی آیات کے حوالے بھی پیش کیئے ہیں اور آخر میں مولانا روم کے چند اشعار بھی پیش کیئے ہیں۔ چند نمونے ملاحظہ فرمائیں:

''رسول مقبول ﷺ کا ارشاد گرامی صحیحین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مقبول ہے کہ آدمی آخرت میں اس شخص کے ساتھ ہوگا۔ جس کو دنیا میں دوست رکھتا تھا۔'' (۲۷۳)

قرآن کریم میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

الا خلاء یو مئذ بعضھم لبعض عدو الا المتقین (الزخرف: رکوع نمبر ۷ پ نمبر ۲۵) یعنی متقی لوگوں کے علاوہ دنیا میں جو لوگ آپس میں دوست تھے قیامت کے روز ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔ (۲۷۴)

حضرت جلال الدین رومیؒ فرماتے ہیں:

دور شو از اختلاط یار بد
یار بد بدتر بود از مار بد (۲۷۵)

شہاب ثاقب:

مذکورہ تصنیف فاضل مئولف نے عبدالرحیم ملتانی (شعیہ عالم) کی تحریر کردہ تصنیف کے رد میں تحریر فرمائی۔ اس کتاب کو تحریر کرنے کا پس منظر اس طرح ہے کہ فاضل گرامی نے جب شمشیر برہنہ (السیف المسلول) تصنیف فرمائی تو اس کی تائید میں ملاحسین کشمیری نامی ایک عالم دین نے رسالہ اثبات مذہب اہل سنت لکھی (۲۷۶) اور اس کی تردید میں عبدالرحیم ملتانی کے عقائد باطلہ اور خیالات فاسدہ کے رد میں مذکورہ بالا تصنیف تحریر کی جس میں قرآن وحدیث کے دلائل کی روشنی میں مئوقف پیش کیا گیا ہے۔ مذکورہ تصنیف میں فاضل گرامی نے عبدالرحیم ملتانی کے عقائد کو پیش کرنے کے علاوہ ملاحسین کشمیری کا استدلال بھی تحریر کیا ہے اور پھر اپنا مئوقف ٹھوس دلائل کی روشنی میں تحریر فرمایا ہے۔ مذکورہ تصنیف میں فاضل پانی پتی کا اسم گرامی ثناء اللہ کے بجائے سناء اللہ لکھا ہے۔ (۲۷۷) قاضی صاحبؒ نے اپنے تحقیقی مضامین کو تحریر کرنے میں جن ماخذ ومصادر کو استعمال کیا ہے ان میں قرآن مجید کتب احادیث، لغت اور نہج البلاغہ شامل ہیں۔ آپ نے قرآنی آیات کا استعمال جگہ جگہ کیا ہے۔ قرآنی آیات کے کثرت سے استعمال کے باعث فاضل مئولف کی قرآن سے عقیدت ومحبت اور فہم قرآن کا ملکہ خاص طور پر نظر آتا ہے۔ یہی اسلوب آپ کی دیگر کتب میں بھی واضح ہے اس کے علاوہ احادیث اور لغت کا استعمال بھی بخوبی طریقے سے کیا ہے۔ جیسے: ایک مقام پر حدیث میں وارد لفظ مولیٰ پر بحث میں فرماتے ہیں:

''مولی بمعنی اولی بالتعرف ہے تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ مفعل بمعنی افعل آیا ہی نہیں ہے اگر چہ معنی اولی ہو بھی تو پھر بھی معنی ہوگا اولی بالمحبۃ والتعظیم والقرب جیسا کہ قرآن مجید

میں آیا ہے ان اولی الناس بابراھیم للذین اتبعوہ وھذا النبی والذین آمنوا واللہ ولی المو
منین اور لفظ مولی مشترک ہے چند معانی میں معتق و معتق صاحب قربتہ کابن العم ونحوہ
ہمسایہ ہمقسم یار و مددگار منعم علیہ رب، محب، محبوب، تابع۔'' (۲۷۸)

فاضل مئولف نے مناظرتی اسلوب کا بدرجہ اتم خیال رکھا ہے اور بحث برائے بحث سے اجتناب کرتے ہوئے صاف گوئی کے ساتھ اہل سنت والجماعت کے عقائد قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح کیئے ہیں اور متعارض عقائد کی تصیح کی ہے۔ یہی مذکورہ تصنیف لکھنے کا منشاء و مقصد فاضل مئولف کے نزدیک ہے جیسا کہ اس جملے سے ظاہر ہوتا ہی:

''جو کچھ زیادہ کہا ہے وہ باطل اور لغو ہے ان کا ذکر کرنا اور جواب دینا ضیاع وقت ہے۔'' (۲۷۹)

مذکورہ تصنیف میں فاضل مئولف نے سلیس اور سادہ جملے استعمال کیئے ہیں۔ قاری کو پڑھنے میں مشکل اور دقت نہیں ہوتی بلکہ جملوں کی ترکیب دریائے پانی کی طرح رواں دواں بہتی ہوتی ہوئی نظر آتی ہے نیز قرآنی آیات کے کثرت سے استعمال کے سبب اس کے سمجھنے میں لطف آتا ہے۔

تذکرۃ الموتٰی والقبور:

زیر نظر کتاب کی غرض وغایت غفلت کو دور کرنا اور عمل خیر کے ذریعے برکات کا حصول کرنا ہے جس کے لئے خصوصاً موت کا ذکر اور اس کے حالات سے واقفیت دلائی گئی ہے تاکہ انسان دنیا و آخرت میں سرخرو ہوا اور زندگی کے نصب العین کو پیش نظر رکھ کر ہمہ وقت اللہ سے لو لگائے رکھے۔ اس ضمن میں آپ خود فرماتے ہیں:

''حمد و صلوٰۃ کے بعد فقیر محمد ثناء اللہ پانی پتی عرض پرداز ہے کہ موت آنا لازمی ہے جس سے کسی کو مفر نہیں، موت کا ذکر اور اس کے حالات سے واقفیت پیدا کرنا غفلت کو دور کرنے اور حصول برکات کا ذریعہ ہے۔ اسی لئے یہ کتاب بہ زبان فارسی موت اور قبور کے حالات میں بہ استفادہ کلام علامہ جلال الدین سیوطیؒ پیش ہے تاکہ فیض عام جاری رہے۔'' (۲۸۰)

زیر نظر کتاب علامہ جلال الدین السیوطی کی شرح الصدور سے استفادہ کرنے کے ساتھ ساتھ قاضی صاحبؒ نے اس میں احادیث کا ذخیرہ، متصوفانہ اشعار، ذاتی رائے اور فقہی استدلال شامل کر کے اس کے مباحث میں اضافہ کیا ہے۔ مثلاً: ایک جگہ جنت کی نعمتوں کے مقابلے میں اولیاء اللہ دیدار الٰہی کو ترجیح دیتے ہیں کہ ضمن میں کہتے ہیں:

''حدیث شریف میں جو آیا ہے کہ ملک الموت بندہ مومن کو جنت کی نعمتیں دکھا کر جنت کا شوق دلاتے اور بچوں کی طرح خوش آوازی کرتے ہیں یہ بالکل درست ہے البتہ بعض اولیاء اللہ ان نعمتوں کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا دیدار چاہتے ہیں۔ روایت ہے کہ شیخ شعراوی نے بوقت مرگ جنت کی نعمتوں کو دیکھ کر کہا تھا۔

اگر آپ کی محبت میں میری وہی قدر و منزلت ہے
جو میں نے دیکھی ہے تو حقیقت میں نے اپنی عمر بربادی
جس پر اللہ کی ندا آئی میں موجود ہوں بتاؤ کیا چاہتے ہو۔

اروم وقد طال الھدی منک نظرۃً — میں تمھیں چاہتا ہوں اور عرصے سے تمہاری دید کی خواہش ہے
وکم من دماء دون مرمائی ھطلت — اور اس آرزو میں بہت سے خون سہہ چکے ہیں۔'' (۲۸۱)

دیدار الٰہی کی بحث کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے قول سے استدلال کر کے اس طرح رقمطراز ہیں:

''امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے کلام سے واضح ہوتا ہے کہ اس قسم کی خواہشات گفتگو اور جنت کی نعمتوں کو خاطر میں نہ لانا دراصل بنایائے سکر ہے اور اصحاب صحو کی حالت یہ ہے کہ جنت کی نعمتوں اور نعمتوں کو جو بنائے حق ہیں ان کو یہ اصحاب صحو بہ سرو چشم بہ کمال ادب قبول کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اس دنیا میں دیدار حق ممکن نہیں بلکہ دیدار حق جنت میں ہوگا جہاں اس جسم و چشم کو اللہ تعالیٰ وہ قوت دیگا جس میں اللہ کے دیدار کی طاقت برداشت ہوگی۔ (۲۸۲)

زیر نظر کتاب میں قاضی صاحبؒ نے ذاتی آراء شامل کر کے محققانہ پہلو بھی اجاگر کر دیا ہے۔ مثلاً: نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کے جسم ان کی قبروں میں سڑتے، گلتے اور مٹی نہیں ہوتے کے ضمن میں کہتے ہیں:

''اور مجھ مئولف کا قول یہ ہے کہ اللہ کے صالح و نیکوکار بندے یعنی اولیاء اللہ جن کے دل اور جسم صالح ہیں اور گناہوں سے محفوظ رہے ان کے جسموں کو بھی زمین کسی نوعیت سے خراب وخستہ نہیں کرتی اور ان پر قبضہ نہیں جماتی۔ چہ جائیکہ شہید جن کی تلواروں نے ان کے گناہوں سے ان کو پاک وصاف کر دیا ہے۔'' (۲۸۳)

نیز ایک اور جگہ جس میں ارواح مومنین ساتویں آسمان میں مقیم اپنے جنت کے گھر دیکھتی ہیں کہ ضمن میں اپنی آراء کا اظہار کرتے ہوئے مفید نکتہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

"فرشتے مومن کی روح ساتویں آسمان سے اوپر لے جاتے ہیں جہاں حکم الٰہی ہوتا ہے کہ اس کا نام علیین میں لکھ لو اور اسے پھر جانب زمین لے جاؤ کیونکہ ہم نے زمین سے پیدا کیا ہے اور اسے وہیں لوٹائیں گے اور پھر اسی سے دوبارہ نکالیں گے، چنانچہ یہ روح پھر اسی مسلمان کے جسم میں داخل کی جاتی ہے اور اس سے قبر میں منکر نکیر سوال کرتے ہیں... سوالات کے بعد جبکہ مسلمان حق پر ثابت قدم پایا جاتا ہے تو حکم یہی ہوتا ہے کہ اس کے لیے جنت میں فرش فروش کیا جائے اسے جنتی پوشاک پہنائی جائے اور اس کے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور نیک اشخاص کی روح ان کی قبروں سے اس راستے کے ذریعے جو جنت کا راستہ ہے جنت میں جاتی ہے"۔(۲۸۴)

زیر نظر کتاب میں مختلف موضوعات پر عنوانات باندھ کر بحث کی گئی ہے اور مختلف روایت جمع کر کے محدثانہ پہلو خاص طور پر اُجاگر کیا گیا ہے۔ جیسے: رنج و مصیبت میں تمنائے موت و بددعا ناجائز ہے کے عنوان کے ذیل میں صحیحین، بخاری اور ترمذی شریف کی احادیث بیان کر کے طرح بحث کی گئی ہے:

"صحیحین میں حضرت انسؓ کا بیان درج ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کسی نقصان پر اپنی موت کی دعا نہ کرو اور بحالت مجبوری یوں کہو 'اے اللہ جب تک زندگی میرے حق میں بہتر ہے مجھے زندہ رکھ اور جب موت بہتر ہو تو موت دیدے۔"(۲۸۵)

بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ کی زبانی یہ حدیث ہے کوئی اپنے مرنے کی آرزو نہ کرے بلکہ اگر وہ نیکوکار ہے تو بہت ممکن ہے کہ وہ اس دنیا میں بیشتر نیکیاں کرے بلکہ اگر وہ بُرا ہے تو امکان ہے کہ وہ توبہ کر لے۔(۲۸۶)

ترمذی میں احمد حاکم نے ابی بکرؓ کے ذریعہ یہ صحیح حدیث مرقوم کی ہے کہ کسی سے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ بہترین آدمی کون ہے؟ ارشاد عالی ہوا دراز عمر نیک اعمال، پھر اس نے پوچھا اور بدترین شخص کون ہے؟ فرمایا دراز عمر جو بدکردار ہے۔(۲۸۷)

زیر نظر کتاب کا اردو ترجمہ اقبال الدین احمد خان نے کیا ہے جو کراچی سے عبدالواحد بک سنز کی وساطت سے ۱۹۶۷ء میں شایع ہو چکا ہے۔ فاضل مترجم نے اول مقدمہ لکھا ہے جس میں مختصراً قاضی صاحبؒ کی سوانح حیات تحریر کی ہے۔ جس میں چند غلطیاں ہیں۔ مثال کے طور پر لکھا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنے دوران تدریس ہی میں "بیہقی" کہا کرتے تھے اور بعد تکمیل علوم ظاہری انہیں امام بیہقی کا لقب دیا تھا۔(۲۸۸) جبکہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے آپ کو بیہقی وقت کا لقب دیا لہٰذا مذکورہ بالا بیان درست نہیں ہیں۔ فاضل مترجم نے کئی ایک مقامات پر حاشیہ بھی تحریر کیئے ہیں جس میں حکیم مسیح الدین (م ۱۹۲۸) کی کتاب سیر الاولیاء سے بھی استفادہ کیا ہے۔

تذکرۃ المعاد:

قاضی صاحبؒ نے مذکورہ کتاب قیامت کی علامات، وقوع اور بعد از قیامت جنت دوزخ، پل صراط، میزان حساب و کتاب نیز قبل قیامت اور بعد از قیامت کے واقعات کا علمی و تحقیقی طور پر جائزہ لیا ہے۔ ہر پہلو کو قرآن و حدیث اور تفسیری حوالوں سے واضح کیا ہے تاکہ مسلمان اس دن کی تیاری کیلئے کمر بستہ رہیں اور اس دنیا کو دارالعمل سمجھیں جس کی جزا و سزا روز قیامت انہیں نامہ اعمال کے مطابق ملے گی۔ آخرت کا تصور ہر مسلمان کو نیک عمل کی دعوت اور برائیوں سے اجتناب کی ترغیب دیتا ہے لہٰذا ہر مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ اللہ کے احکامات کے مطابق اپنی زندگی کو سنوارے تاکہ آخرت میں سرخرو ہو سکے۔

مذکورہ کتب پانچ ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب کئی فصول پر مشتمل ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

پہلا باب: علامات قیامت جو قبل از وقوع قیامت کے ہوں گی:

اس عنوان کے تحت جو فصول ترتیب دی گئی ہیں ان میں علامت صغریٰ، مہدی علیہ السلام کا ذکر، قیامت کی بڑی نشانیاں دجال کا قصہ، حضرت عیسیٰؑ کی تشریف آوری، قیامت سے قبل عجیب و غریب واقعات اور سور اسرافیل کا ذکر کیا گیا ہے۔

دوسرا باب: بعث و نشور کے بیان میں:

اس عنوان کے تحت جو فصول ترتیب دی گئی ہیں ان میں قیامت کی ہولناک تباہی و بربادی، حوض کوثر کا بیان، جزا و سزا کا ملنا، لوگوں کی گھبراہٹ، پل صراط کا ذکر، اعراف کا بیان، شفاعت کا بیان، اور دوزخ کا ذکر کیا گیا ہے۔

تیسرا باب: جہنم کی صفات اور عذاب کفار کا بیان:

اس باب میں دوزخ کے حالات، کیفیات، طبقات اور دوزخیوں کو کس قسم کے عذاب اور حالت کا سامنا کرنا ہوگا پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

چوتھا باب: گنہگار مسلمین:

اس عنوان میں گنہگار مسلمین کا ذکر ہے جو بعد از سزا اللہ کے خاص رحم و کرم سے بخش دیئے جائینگے نیز دوزخ و جنت کا ذکر کیا گیا ہے۔

پانچواں باب: جنت کی تعریف، دخول بہشت اور بہشت کی نعمتوں کا ذکر:

اس عنوان کے تحت جو فصول ترتیب دی گئی ہیں ان میں جنت کے حالات، کیفیات درجات، جنت کے دروازے، جنت میں کون لوگ جائینگے اور انہیں کن کن نعمتوں سے نوازا جائیگا تفصیلاً ان پر روشنی ڈال گئی ہے اور آخر میں جنوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

مذکورہ کتاب میں فاضل گرامی قدر نے صحیح بخاری، صحیح مسلم، ترمذی شریف، کے علاوہ طبرانی، مجاہد، بیہقی، حاکم، نوادرالاصول اور تفسیر ابنِ عباس سے استفادہ کیا ہے۔ فاضل مؤلف نے احادیث اور قرآنی حوالوں کو اپنے مؤقف کی تائید میں جابجا استعمال کیا ہے۔ جس سے آپکی علمی و تحقیقی کاوش نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ قاضی صاحبؒ مذکورہ کتاب میں چند اقتباس علامہ سیوطیؒ کی تصنیف ''بدور السافرہ'' سے بھی منتخب کیے ہیں جس کا اظہار کتاب کے آغاز میں تمہیدی خطبے میں اس طرح فرماتے ہیں:

''فقیر چند ورق درین باب بزبان فارسی بانتخاب واقتباس از بدور السافرہ تصنیف امام ہمام علامہ شیخ جلال الدین بن شیخ کمال الدین ابی بکر السیوطیؒ۔'' (۲۸۹)

مذکورہ کتاب میں کئی ایک مقامات پر متصوفانہ روشنی بھی ڈالی گئی ہے۔ مثلاً: قیامت کے مختلف مناظر اور عذاب الٰہی کا ذکر کرتے ہوئے اصحاب کشف کے حوالے سے اضافہ فرماتے ہوئے کہتے ہیں:

''از اعمال نیک صور تہامی خوب داز اعمال بد صور تہامی قبیح پیدا کنندہ در میزان بنند و اصحاب کشف ائمہ احادیث راصور مثالیہ'' (۲۹۰)

قاضی صاحبؒ نے اپنی تحریر میں دلکشی اور دلفریبی پیدا کرنے کے لئے اشعار کا بھی استعمال کیا ہے۔ مثلاً ایک مقام پر حسب ذیل شعر نقل فرمایا ہے۔

بروز حشر شود ہمچو روز معلومت　　　　که با که باختۂ عشق درست دیجور (۲۹۱)

قاری محدث عبدالرحمٰن پانی پتیؒ:

پانی پت ایسا مردم خیز خطہ ہے جہاں سے کئی نامور ہستیاں پیدا ہوئیں اور افق پر چھا گئیں جنہوں نے نہ صرف پانی پت بلکہ ایک عالم کی رہ نمائی فرمائی ان ہی میں قاری محدث عبدالرحمن پانی پتی بھی سرفہرست میں جو محدث وقت، فقہی حنفی کے مرکز، تجوید و قرأت کے امام، علم و عمل کے منبع اور زہد و تقوی کے اعلیٰ نمونہ تھے۔ قرآن وسنت کے یہ شارح اسلاف کی جیتی جاگتی تصویر تھی جس کی صحبت سے ہزاروں تشنگان علم نے اپنی علم کی پیاس بجھائی اور بھٹکے ہوئے مسافروں نے راہ پائی۔ محبت و خلوص کا یہ پیکر اور امام وقت ۱۲۲۷ھ میں بوقت صبح صادق اپنے نانا پیر محمد ماہ سجادہ نشین مخدوم شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء کے دولت خانے پر پیدا ہوئے۔ (۲۹۲) آپ کا شجرہ نسب پدری مشہور صحابی رسول حضرت ابوایوب انصاریؓ سے پینتالیسویں پشت پر جاملتا ہے۔ (۲۹۳) اس لیے انصار پانی پت لقب انصار سے شہرت پا گئے۔ (۲۹۴) آپ کا شجرہ نسب مادری تینتیس واسطوں سے خلیفہ سوئم حضرت عثمان بن عفانؓ سے جاملتا ہے۔ (۲۹۵)

پانی پت کے انصار اور عثمان دونوں نامور اور معروف خاندان علم وعمل اور زہد و تقویٰ میں بے مثل تھے اور دونوں کا نسب نامہ جلیل القدر صحابہ کرامؓ سے جاملتا ہے۔ یہ دونوں خاندان پانی پت میں حضرت بوعلی شاہ قلندر (م ۷۰۶ء) کی دعا سے خوب پھلے پھولے اور بام عروج کو پہنچے۔ قاری صاحب کے والد بزرگوار حضرت قاری شاہ محمد صاحب پانی پتی گیارہویں صدی ہجری کے آخر میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ حفظ کلام اللہ اور تجوید و علوم قرانیہ کی تکمیل قاری مصلح الدین پانی پتی (م ۱۲۲۵ھ) سے کی اور ابتدائی علوم اپنے خاندان کے بزرگوں سے حاصل کیئے۔ جب سن بلوغ کو پہنچے تو حضرت مولانا شاہ عبدالعزیزؒ (م ۱۲۳۹ھ) شاہ عبدالقادرؒ (م ۱۲۴۳ھ) شاہ رفیع الدینؒ (م ۱۲۳۳ھ) سے عام علوم عقلیہ ونقلیہ کی تعلیم کے لئے دہلی چلے گئے.... تکمیل علوم کے بعد حضرت قاری حاجی شاہ عبدالمجیدؒ المعروف بہ صوبہ ہند سے قرأت سبعہ اور کتب فن پڑھیں پھر قاری محب اللہ سے بھی یہ فن سیکھا اس کے بعد حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے دست مبارک پر بیعت ہوگئے اور ۱۲۴۰ھ میں بعمر چالیس انتقال فرمایا۔ (۲۹۶)

قاری صاحبؒ کی والدہ ماجدہ نیک صفت اور اچھی عادات کی مالک تھیں۔ آپ نے شوہر کی وفات کے بعد اپنے صاحبزادے کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دی۔ عموماً سرپرست کے انتقال کے بعد بچوں کی تعلیم وتربیت سے کوتاہی برتی جاتی ہے اور ایسی حالت میں بچوں سے بے راہ روی پیدا ہونے کے امکانات بہت بڑھ جاتے ہیں مگر قاری صاحبؒ کی والدہ نے قاری صاحب کی تعلیم وتربیت میں کسی کوتاہی کا مظاہرہ نہ کیا اور ہر وقت آپ کے درپے رہتیں کہ کسی طرح قاری صاحبؒ اعلیٰ تعلیم سے بہرہ ور ہو جائیں حالانکہ کے آپ پر سیر وشکار کا غلبہ تھا اور تعلیم سے دل اچاٹ تھا مگر آپ کی والدہ ماجدہ کی سعی وکوشش رہتی کہ آپ ان مشاغل کو چھوڑ کر اصل کام کی طرف راغب ہو جائیں۔ اس ضمن میں عبدالحلیم انصاری ایک واقعہ رقمطراز کرتے ہوتے لکھتے ہیں:

''ان کی والدہ بے چاری یہ حالت دیکھ دیکھ کر سخت رنجیدہ ہوئیں، فرط محبت سے بار بار سمجھاتیں مگر آپ ہوں ہوں کر کے ٹال دیتے.... ایک روز والدہ نے پاس بلایا نہایت درد و محبت کے ساتھ سمجھانے لگیں، سمجھاتے سمجھاتے ان کی طبیعت بھر آئی، رونے لگیں انھیں روتا دیکھ کر آپ رونے لگے، اس واقعہ کا دل پر اتنا اثر ہوا کہ اس وقت تمام نکمی مشغلوں سے طبیعت کو نفرت ہوگئی اور تحصیل علم کا شوق موجزن ہوگیا۔'' (۲۹۷)

قاری صاحبؒ نے مروجہ تعلیم کے مطابق ابتدائی تعلیم گھر میں والد بزرگوار سے حاصل کی۔ ابتداً قرآن مجید مع تجوید حفظ کیا پھر فارسی کی درسی کتابیں اور علم صرف کے چند رسالے بھی والد بزرگوار سے پڑھیں۔ ہدایۃ النحو تک کتابیں پڑھ چکنے کے بعد قرأت سبعہ بلا ضبط یعنی متفرق روایتوں کی تعلیم پائی۔ چونکہ والد بزرگوار کا قیام مستقل طور پر دہلی میں تھا اس لیئے آپ کا یہ زمانہ بھی دہلی میں بسر ہوا۔ تعلیم کا سلسلہ ہنوز جاری تھا کہ والد ماجد انتقال فرما گئے اس وقت آپ کی عمر ۱۳ برس تھی۔(۲۹۸) یعنی ۱۲۴۰ھ میں تعلیم کا سلسلہ منقطع ہو گیا مگر ۱۲۴۲ھ میں دوبارہ والدہ ماجدہ کی بہتر تربیت ونگہداشت اور بزرگوں کی توجہ اور شفقت ومحبت سے حصول علم سے منسلک ہو گئے۔ ان دنوں قاری عبید اللہ عرف قاری لالہؒ (م ۱۲۶۰ھ) پانی پت میں تشریف فرما تھے آپ نے ان سے دور قرآن مجید اور تجوید کا استفادہ کیا۔ پھر دہلی چلے آئے اور بڑے چچا قاری قادر بخش سے دور قرآن مجید اور تجوید کیا۔(۲۹۹)

قاری صاحبؒ نے بڑے انہماک، تسلسل اور محنت سے تحصیل علم کو جاری وساری رکھا۔ آپ اعلیٰ تعلیم کے لئے دہلی، امروہہ اور ضلع مظفر نگر (یوپی) گئے جہاں آپ نے نامور ومعروف اور قابل وجید اساتذہ کرام سے مختلف علوم وفنون میں استفادہ کیا۔ آپ نے رشید المتکلمین مولانا رشید الدین خان دہلوی (م ۱۲۴۹ھ) فن نحو کی کتابیں پڑھیں، پھر سرسری طور پر مولانا مملوک علیؒ (م ۱۲۶۷ھ) سے ادب فقہ، اصول اور معقولات کی کتابیں پڑھیں۔ پھر دفعتہ خیال پیدا ہوا کہ پہلے تجوید وقرأت سبعہ کی تکمیل کر لی جائے لہٰذا ۱۲۴۵ھ کے وسط میں دہلی سے امروہہ ضلع مراد آباد تشریف لے آئے اور یہاں مولانا قاری شاہ امام الدین سے اولاً قرأت سبعہ مکررہ متواترہ بقاعدہ جمع الجمع معالضبط کے تحصیل کی، پھر شاطبیہ وغیرہ کتب فن سبقاً سبقاً پڑھیں اس کے بعد پوری مشکوٰۃ شریف اور ۹ سیپارے صحیح بخاری کے بھی مولانا سے تکمیل کئے اور بعد ازاں باطنی فیوض وبرکات بھی حاصل کئے۔ اس طرح آپ تقریباً ۱۲۴۸ء تک مولانا سے استفادہ کرتے رہے۔(۳۰۰)

تحصیل علوم کے ذوق وشوق میں آپ نے تکلیفیں اور سفری صعوبتیں برداشت کیں مگر اس ذوق و شوق میں کبھی کمی نہیں آئی اور یہی تحصیل علوم کا شوق آپ کو ضلع مظفر نگر (یوپی) لے گیا جہاں آپ نے مولانا محمد قلندر صاحب محدث جلال آبادیؒ سے ثلث صحیح بخاری اور بعض دیگر کتب دینیات پڑھیں۔ پھر آپ دہلی تشریف لے آئے اور مولانا مملوک علیؒ سے نامکمل کتابیں دوبارہ پڑھیں نیز مختصر المعانی خصوصی وقت میں مولانا سے تکمیل کی۔(۳۰۱) پھر تفتازانی کی شرح عقائد مع حاشیہ مولانا سید محمد صاحب دہلوی سے پڑھی۔(۳۰۲)

قاری صاحبؒ کا علمی ذوق وشوق کئی اساتذہ سے وابستہ ہے جہاں آپ نے تعلیم وتربیت ان اساتذہ کی شفقت ومحبت کے زیر سایہ تکمیل فرمائی نیز آپ انہماک اور جدوجہد قابل رشک ہے جس کے باعث آپ کئی علوم وفنون سے سرفراز ہوئے۔ آپ کی علمی جدوجہد اور انتھک محنت کا اندازہ آپ کے مذکورہ

بالا سفر مشکلات وتکالیف سے ہوتا ہے جو آپ نے حصول علم کے لیے برداشت کیں نیز آپ کے علمی ذوق و شوق اور انہماک کے متعلق الطاف حسین کہتے ہیں:

''ان کے عزیز اور ہم عمر دوست جو اس زمانے میں دلی ان سے ملنے جاتے تھے۔ وہ ان سے سلام علیکم یا سرسری مزاج پرسی کے بعد صاف کہہ دیتے تھے کہ اس سے زیادہ فرصت ملنے یا بات چیت کرنے کی نہیں ہے جب خدا بامراد ملائے گا اس وقت ملیں گے۔''(۳۰۳)

قاری صاحبؒ کا تحصیل علم کا ولولہ وجوش قابل دید اور قابل رشک ہے اس زمانے میں شاذ ونادر ہی نظر آتا ہے۔ آپ کا ذوق وشوق کسی رکاوٹ کے باعث تھمتا نہیں تھا بلکہ آپ دھن کے پکے اور ہمت وحوصلگی کا پیکر تھے۔ دوران تعلیم مضبوط ارادی اور حوصلے سے آگے بڑھتے رہے اور وقت کے امام کہلائے۔ آپ نے دوران طالب علمی کبھی اپنا سبق ناغہ نہ ہونے دیا جس سے آپ کی مضبوط ارادی اور حوصلگی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس ضمن میں عبدالحلیم رقمطراز ہیں:

''حضرت شاہ صاحب کے حلقہ درس میں دورہ حدیث بعد ظہر ہوا کرتا تھا ایک روز اتفاقاً وقت سے پہلے دھواں دھار بارش ہونے لگی جو طلباء اس وقت حاضر تھے انہوں نے حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں عرض کی کہ قاری صاحب کی قیام گاہ دور ہے اور بارش تھی نظر نہیں آتی غالباً وہ نہیں آسکیں گے حضرت سبق شروع کرادیں۔ فرمایا ابھی ٹھہرو ضرور آئیں گے۔ شاہ صاحب نے فرمایا ہی تھا کہ صاحب سوانح پائچے چڑھائے اور کتاب ایک گھڑے میں بحفاظت بند کیئے وقت مقررہ پر پہنچ گئے۔''(۳۰۴)

قاری صاحبؒ کا خاندان شاہ ولی اللہ دہلوی کے سپوتوں سے مستفیض رہا ہے۔ آپ کے جدامجد خواجہ خدا بخش میں دینی احساس اور شعور وآگہی شاہ عبدالعزیز دہلوی کی صحبت فیض کا اثر ہے۔ آپ نے اپنے تینوں صاحبزادوں، قادر بخش، مولانا محمد اور حافظ احمد کو بھی شاہ عبدالعزیز دہلوی کی خدمت اقدس میں پیش کیا۔(۳۰۵) جب قاری صاحبؒ نے ہوش سنبھالا تو اس خانوادے کی بہاریں دیکھیں اور بالآخر ظاہری علوم وفنون کی تکمیل کے بعد کتب دینیات کی تکمیل اور درس حدیث کے اکتساب کے لئے آپ ۱۲۵۳ھ میں کلیۃً حضرت شاہ محمد اسحق دہلویؒ سے وابستہ ہو گئے۔(۳۰۶)

قاری صاحبؒ نے علوم ظاہری کی تکمیل کے علاوہ علوم باطنی بھی شاہ اسحق دہلوی سے اکتساب کیا اور ۱۲۵۳ھ سے ۱۲۵۸ھ تک ذکر واشغال اور اوراد وظائف کا شغل آپ کی خدمت میں رہا، شاہ صاحبؒ نے اول آپ کو ۱۱ شوال المکرم ۱۲۵۸ کو صحاح ستہ کی اجازت دی بعد ازاں ۱۶ شوال المکرم ۱۲۵۸ھ کو

حضرت شاہ صاحب نے آپ کو سند و اجازت عامہ تحریر فرما کر دی اور سلاسل اربع میں اخذ بیعت کا مجاز بنا دیا۔(۳۰۷)

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا دور (۱۱۱۴ھ-۱۱۷۶ھ) پرآشوب اور پرفتن دور کہلاتا ہے جہاں ایک طرف مدارس میں منطق اور حکمت کے ہنگاموں کا شور برپا تھا تو دوسری جانب بے دین پیر بدعت اور خرافات کے چراغ جلائے بیٹھے تھے۔ دین میں تحقیقی جستجو نہ ہونے کے برابر تھی خصوصاً قران وحدیث اور فقہ میں پرانی روش اختیار کی جاری تھی۔(۳۰۸) جبکہ محلات میں جہاں مسلمانوں کی قسمت کے فیصلے ہوا کرتے تھے اب وہاں فرقہ پرستی اور باہم رسہ کشی کا طوفان برپا تھا۔ ان حالات میں شاہ صاحب نے تصنیف وتالیف کے ذریعے نئی راہیں دکھائیں اور درس حدیث کے حلقے قائم کیئے تاکہ لوگوں کی اصلاح ہو۔ شاہ صاحب کی کوشش وجدوجہد کا ثمر اس صورت میں برآمد ہوا کہ ہندوستان کے گوشے گوشے میں قرآن وحدیث کی صدائے بلند ہونے لگیں اور شاہ صاحب کی لائق وفائق اولاد (۳۰۹) نے اپنے والد کے مشن کو پایہ تکمیل کو پہنچانے میں انتھک محنت اور جدوجہد کی اس ضمن میں سلیمان ندوی کہتے ہیں:

''آج ہندستان میں جہاں کہیں بھی تال قال رسول کی آواز سنائی دیتی ہے وہ اسی خانوادے کی فضل وکمال کی خیرور برکت کی صدائے بازگشت ہے۔''(۳۱۰)

خانوادہ شاہ ولی اللہ نے جگہ جگہ درس حدیث کے حلقے قائم کیئے ان حلقہ درس سے سینکڑوں لوگ استفادہ کرتے اگر ان علماء کی فہرست کو مدون کیا جائے جو ان حلقہ درس سے مستفیض ہوئے تو ہندوستان کا کوئی ایسا گوشہ نہیں ہوگا جو ان بزرگوں کے فیض سے مستفیض نہ ہوا ہو۔ اس ضمن میں سلیمان ندوی کہتے ہیں:

''اس خاندان کے تلامذہ ملک کے گوشے گوشے میں پھیل گئے لکھنؤ میں علم حدیث کا جو فیض پہنچا وہ بھی اس خانوادہ علم وکمال کا مرہون منت ہے۔''(۳۱۱)

چراغ سے چراغ جلتا ہے کہ مصداق شاہ عبدالعزیز نے اپنا جانشین شاہ اسحٰق (م ۱۲۶۲ھ) کو مقرر فرمایا۔(۳۱۲) آپ کا نام کسی تعریف ومدح کا محتاج نہیں آپ نے شاہ عبدالعزیز کے بعد حدیث کی نشرواشاعت اور لوگوں کی اصلاح کے لئے انتھک محنت وجد جہد کی آپ کی یہ کوشش بیس سال کے طویل عرصے پر محیط ہے۔(۳۱۳) اس عرصے میں آپ نے تلامذہ کی ایک ایسی جماعت تیار کر دی جس نے نہ صرف علم قرآن وحدیث کی ترویج واشاعت میں سعی وکوشش کی بلکہ ہندو پاکستان کے مسلمانوں کی تحریک آزادی میں بھر پور حصہ لیا۔ اس ضمن میں مولوی عبدالرحمان کہتے ہیں:

''حضرت شاہ محمد اسحٰق دہلویؒ کے اکثر شاگردوں کے بحیثیت علماء کے اس تحریک میں حصہ لیا جن میں مفتی عنایت احمد کاکوری صدرامین بریلی، مولانا عبدالجلیل کوئلی علی

گڈھی، مفتی صدرالدین آزردہ، شاہ ابوسعید مجددی اور ان کے شاگردوں یعنی علمائے دیوبند مثلاً مولانا محمد قاسم نانوتوی مولانا بشیر احمد گنگوہی مولانا مظہر نانوتوی، مولانا محمد منیر نانوتوی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔''(۳۱۴)

مذکورہ بالا فہرست سے شاہ اسحٰق کی قدرومنزلت اور مقام کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے اس کے علاوہ دیگر لائق وفائق تلامذہ کی تعداد ان گنت ہے ان میں قاری عبدالرحمان پانی پتی بھی شامل فہرست ہیں۔ جیسا کہ پچھلے صفحات میں صراحت کر آئے ہیں کہ قاری صاحب نے شاہ اسحٰقؒ سے کتب دینیات کے علاوہ حدیث کی تعلیم پائی اور سند سے بھی نوازے گئے۔ آپ کی صحبت میں رہ کر قاری صاحبؒ نے مروجہ علوم وفنون میں لیاقت واستعداد حاصل کی اور عوام وخواص کو مستفیض فرمایا جن کی تعداد دائرہ شمار سے باہر ہے۔ مولوی رحمان علی کہتے ہیں:

''قاری عبدالرحمان کے شاگردوں، مستفیدوں اور مسترشدوں کی تعداد دائرہ شمار سے باہر ہے۔''(۳۱۵)

قاری صاحبؒ کا یہ مقام اور فضلیت شبانہ روز محنت ولگن اور حضوصاً شاہ اسحٰق کی صحبت کا اثر ہے جس کے زیر سایہ رہ کر آپ نے اپنی صلاحیتوں کو جلا بخشی۔ مولانا عبدالحئی کہتے ہیں:

''شیخ نے اپنی نظر عنایت اور قبولیت سے نوازا یہاں تک کہ ان کے صاحب سیر ہو گئے فتوی اور تدریس کے اہل ہوئے۔''(۳۱۶)

لائق وفائق اور باادب طلباء اساتذہ کے لئے نہ صرف فخر کا باعث ہوتے ہیں۔ بلکہ دنیا میں کار خیر کا بھی ذریعہ ہوتے ہیں شاہ اسحٰق اپنے اس ذہین اور قابل طالبعلم سے بڑی عقیدت ومحبت رکھتے تھے اور ان کی خداداد صلاحیتوں کے بھی معترف تھے۔ مولانا عبدالحلیم کہتے ہیں:

''جب حضرت شاہ صاحبؒ صاحب سوانح کو سندِ حدیث دینے لگے تو فرمایا میں قاری صاحب کو الفاظِ حدیث کی سند دے رہا ہوں معانی احادیث میں نے خود ان سے اخذ کیئے ہیں۔''(۳۱۷)

مذکورہ بالا اعترافی کلمات کسی شاگرد کے لئے فخر کا باعث ہوسکتے ہیں مگر قاری صاحبؒ نے ہمیشہ اساتذہ کا ادب ملحوظ رکھا کیونکہ اچھے طالبعلم ہمیشہ اپنے اساتذہ کا محبت واحترام کرتے ہیں اور استاد کی قدر منزلت ان کے دل میں رچی بسی ہوتی ہے وہ کوئی ایسا ادنیٰ کام بھی سرانجام نہیں دیتے جس سے استاد کو تکلیف ہو۔ ان ہی اوصاف سے قاری صاحبؒ بھی مزین تھے، آپ نے دوران طالبعلمی اپنے اساتذہ کا دل کی گہرائیوں سے احترام کیا اور ہمیشہ انکے ادب کو ملحوظ رکھتے تھے۔ آپ شاہ اسحٰقؒ سے خصوصی محبت وعقیدت

رکھتے تھے ایک تو شفیق اور محترم استاد کی حیثیت سے اور دوم خانوادہ شاہ ولی اللہ کے چشم و چراغ و جانشین ہونے کے باعث کیونکہ آپ کے اباؤاجداد نے اس خانوادے سے ہمیشہ خصوصی تعلق رکھا اور ان سے ظاہری و باطنی فیوض اخذ کیئے لہٰذا اس تتبع اور پیروی کو ملحوظ خاطر رکھا۔ مولانا عبدالحلیم انصاری کہتے ہیں:

'' آپ غائت ادب سے مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ کو بڑے میاں صاحبؒ اور اپنے استاد و مرشد برحق حضرت مولانا شاہ محمد اسحق دہلویؒ کے کو میاں صاحبؒ کہا کرتے تھے اور اپنے استاد کا اس وقت بھی نہایت ادب و احترام کرتے تھے جبکہ آپ مرجع خلائق بن گئے تھے۔'' (۳۱۸)

مذکورہ بالا بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔ جس کے زیر سایہ آپ نے ظاہری و باطنی علوم میں لیاقت و استعداد حاصل کی اور عملی زندگی میں اس کے فیوض کو درس و تدریس، اصلاحی وعظ، تجوید و قرأت اور افتاء زانی کے ذریعے لوگوں مستفید کیا۔ عملی زندگی کا آغاز باندہ سے کیا اور ۱۶ سال تک اس علاقے کو اپنے علمی فیض سے سرفراز کرتے رہے۔ (۳۱۹)

قاری صاحبؒ اپنے استاد کا نہ صرف ادب و احترام کرتے تھے بلکہ ان کی اقتداء کو اپنے لئے فخر سمجھتے تھے یہی وجہ ہے کہ جب شاہ صاحب نے حالات ہند کی نزاکت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے حرمین ہجرت کا ارادہ فرمایا تو آپ بھی شاہ صاحب کے ہمراہ چل پڑے مگر شاہ صاحبؒ آپ کو باندہ ہی میں چھوڑ گئے۔ آپ نے شفیق و محترم استاد کے حکم کی تعمیل میں باندہ میں رہائش اختیار کی اور درس و تدریس سے وابستہ ہو گئے۔ الطاف حسین حالی کہتے ہیں:

'' ۱۲۵۸ء میں جب حضرت شاہ محمد اسحقؒ ہجرت کے ارادہ سے حرمین شریفین کو جانے لگے اس وقت مولانا مرحوم بھی ان کے ہمراہ تھے چونکہ مرحوم ذوالفقار بہادر نواب باندہ نے شاہ صاحب سے درخواست کی تھی کہ حرمین کو اس طرف سے تشریف لے جائیں اس لیے شاہ صاحب اول باندہ تشریف لے گئے اور مولانا مرحوم کو نواب ذوالفقار بہادر کے پاس باندہ چھوڑ گئے تقریباً سولہ برس مولانا صاحب باندہ میں رہے اور اس عرصے میں تمام علوم عقلیہ کی درس و تدریس کرتے رہے۔'' (۳۲۰)

یہ کہا جائے کہ شاہ صاحب آپ کے فکری و نظریاتی مربی، رہبر رہنما تھے تو بے جانہ ہوگا۔ حدیث کی اشاعت اور فروغ میں قاری صاحب اپنے رہبر و رہنما کی پیروی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ علوم حدیث میں تجر و لیاقت کا اندازہ الطاف حسین حالی کے ان الفاظ سے ہوتا ہے:

'' صحاح ستہ کو جس محدثانہ احتیاط اور ادب و تعلیم کے ساتھ وہ پڑھاتے تھے اس کی نظیر کہیں نہیں دیکھی گئی۔'' (۳۲۱)

قرن اولیٰ سے مسلمانوں نے فن حدیث کی طرف توجہ منبدول کر رکھی تھی۔ حدیث کی تدوین میں مسلمانوں نے تحقیق و تنقیح، چھان پھٹک اور دور دراز علاقوں تک مسافت طے کر کے حصہ لیا۔ محدثین عظام نے فن حدیث میں روایت اور درایت کے ایسے اصول مرتب کیئے کہ کوئی کاذب اپنی طرف سے حدیث گھڑنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ محدثین عظام اور علماء کرام جہاں تشریف لے گئے اس علم سے مسلمانوں کو بہرہ ور کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ ہندوستان میں حدیث کی تعلیم و تدریس، تشریح و تنقیح اور نشر و اشاعت میں محدثین عظام اور علمائے کرام نے جس محنت و کوشش سے کام لیا ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ قاری صاحبؒ کی تمام عمر کتب درسیہ اور صحاح ستہ کی درس و تدریس میں گذری تھی۔ ملک کے طول عرض سے علمائے کرام حدیث کی سند لینے کے لئے قاری صاحبؒ کے پاس تشریف لاتے تھے اور اپنے لیے فضیلت کا باعث سمجھتے تھے۔ قاری محی الاسلام عثمانی کہتے ہیں:

'' علماء و فضلاء و صلحاء کے نزدیک حضرت محدث کے علو مرتبت کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ شیوخ دیوبند جن میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ بھی شامل ہیں آپ کو احادیث سنا کر آپ سے تبرکاً تدریس حدیث کی اجازت لی تھی نیز حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ نے صرف آپ سے تبرکاً سند حاصل کرنے کے لئے کانپور تک کا سفر فرمایا اور کانپور اسٹیشن جہاں سے آپ دوران سفر گزر رہے تھے۔ چہل حدیث آپ کو سنا کر آپ سے تبرکاً سند و اجازت حاصل کی۔'' (۳۲۲)

قاری صاحبؒ عملی زندگی میں درس و تدریس سے وابستہ ہوئے تو اس شعبے میں اپنی محنت و کاوش اور لیاقت و استعداد سے بڑی شہرت پائی۔ کتب درسیہ کو انتہائی مہارت اور محنت سے پڑھاتے تھے۔ دقیق اور مشکل مسائل کو روانی اور سلیس انداز سے سمجھاتے تھے، آپ کو تمام کتب درسیہ پر عبور حاصل تھا اس کا اندازہ مولوی رحمان کے حسب ذیل بیان سے ہوتا ہے:

'' تمام کتب درسیہ از بر تھیں'' (۳۲۳)

کتب درسیہ کی درس و تدریس کے علاوہ قرآن کریم کا وعظ کہنے میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ آپ انتہائی مہارت اور علمی پیرائے میں وعظ کم اور درس قرآن زیادہ ہوتا تھا نیز درس قرآن کے ذریعے معاشرتی و سماجی مسائل کی اصلاح فرماتے تھے۔ آپ کا یہ شغف تمام عمر غالب رہا اور ہر جمعے کو درس قرآن قائم کرتے تھے۔ درس قرآن کا آغاز آپ نے باندہ میں سکونت کے دوران کیا جب شاہ اسحق حرمین ہجرت فرما رہے تو آپ نے باقی ماندہ قرآن کا درس شاہ اسحق کی اجازت سے دینا شروع کیا غالباً یہ شغف بھی فکری

ورحانی پیشوا کے زیر سایہ رہ کر پروان چڑھا ہوگا۔ الطاف حسین حالی اس ضمن میں فرماتے ہیں:

''جب شاہ صاحب حرمین کو روانہ ہونے تو قرآن مجید کا درس جو وہ ہر جمعہ کو فرمایا کرتے تھے اس میں تقریباً نصف قرآن شریف کا درس باقی رہ گیا تھا مولانا مرحوم نے با اجازت شاہ صاحب باندہ میں باقی سپاروں کا درس ختم کیا اور اس کے بعد ابتداء سے قرآن کا درس دینا شروع کیا اور تقریباً پچاس برس برابر ہر جمعہ کو ان کا درس ہوتا رہا۔ ''خاص خاص حالتوں کے سوا کبھی کوئی جمعہ کا ناغہ نہ ہوا۔'' (۳۲۴)

آپ کا درس قرآن علمی نکات سے بھرپور ہوتا تھا جس میں قصہ کہانی، افسانہ نگاری اور خطابت کے جوہر کے بجائے قرآن کریم کی آیت کے معانی وتشریح نحوی مباحث اور فقہی مسائل پر بحث کی جاتی جس سے عوام وخواص دونوں مستفید ہوتے نیز حلقہ درس میں موجود افراد کی ذہنی استعداد اور لیاقت کو مدنظر رکھ کر نکات کی تشریح فرماتے تھے۔ مولانا حالی درس قرآن کی خوبیاں گنواتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ان کا وعظ درحقیقت درس ہوتا تھا۔ جس میں لغو اور فضول قصے کہانیاں بالکل نہ ہوتی تھیں اور کوئی بات خارج از آہنگ معرص بیان میں نہ آتی تھی۔'' (۳۲۵)

جیسا کہ پچھلے صفحات میں ذکر کر آئے ہیں کہ قاری صاحبؒ نے قواعد تجوید اور قرأت کی تحصیل میں انتہائی محنت وکوشش کی اور دور دراز علاقوں کا سفر طے کر کے زانوئے تلمذ ہوئے۔ تکمیل قواعد تجوید وقرأت میں دلچسپی اور شغف اس بات کی شہادت اور بین ثبوت ہے کہ فن قراءت سے آپ کو خصوصی شغف اور دلچسپی تھی جو تمام عمر غالب رہا۔ الطاف حسین حالی کہتے ہیں:

''قرآن مجید جس کی تلاوت اور خدمت اور تعلیم میں تقریباً اسی برس گذرے تھے گویا ان کی رگ وپے میں سرایت کر گیا تھا اس میں سرمو مبالغہ نہیں کہ اگر بالفرض وہ تمام قران سوتے سوتے ختم کر دیتے تو ان کو ایک جگہ بھی متشابہ نہ لگتا اور اور ایک حرف بھی قواعد تجوید وترتیل کے خلاف ان کے منہ سے نہ نکلتا۔'' (۳۲۶)

تیرھویں صدی ہجری میں غدر کے واقعہ نے دہلی اور دیگر کئی علاقوں کو اجاڑ دیا تو پانی پت علوم دین کی ترویج واشاعت کا محور بن گیا خصوصاً فن قرأت کے سلسلے میں جید علماء وفضلا نے اس کی کھوکھ سے جنم لیا جس کا سحرا قاری مصلح الدین پانی پتی کے سر ہے جنھوں نے بارہویں صدی ہجری میں مدنی قرأت کی بنیاد قاری عبیداللہ مدنی سے اخذ کر کے از سر نو رکھی۔ (۳۲۷) پھر آپ کے صاحبزادے قاری عبیداللہ عرف قاری لالہ اور دیگر علماء نے آپ سے اس فن کو سیکھا اور اس کو خوب پھیلایا۔ قاری محدث عبدالرحمن پانی پتی نے بھی اپنے اساتذہ جس کا ذکر پچھلے صفحات میں ہو چکا ہے اس فن کو اخذ کر کے اس کی ترویج واشاعت میں

مشغول ہوگئے۔ آپ کو کتب درسیہ اور صحاح ستہ کی درس وتدریس کے ساتھ فن قرأت وتجوید کی تعلیم سب سے زیادہ عزیز اور مرغوب تھی ان کی دلی خواہش ہوتی تھی کہ لوگ ان سے فن قراءت وتجوید سیکھیں۔ الطاف حسین حالی کہتے ہیں:

''علم وقرأت جس میں قراء سبعہ اور ان کے راویوں کے اختلافات اور نیز قرأت غیر متواترہ وشاذ (۳۲۸) کا بیان ہے اس میں مولانا مرحوم تمام ہندوستان میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے اور چونکہ اس فن کا ان سے بہت ہی کم لوگوں نے حاصل کیا تھا اس لئے اخیر عمر میں ان کی دلی خواہش یہ تھی کہ لوگ ان سے ااس فن کو حاصل کریں.... یہ علم اس ملک سے ناپید ہو جائے۔'' (۳۲۹)

قاری صاحبؒ باوجود بزرگی اور قویٰ کی انحطاطی کے قرآن کا سبق پابندی سے دیا کرتے اور پابندی سے تراویح میں قرآن کریم کو سنانے کا اہتمام کرتے تھے۔ آپ تلاوت کرتے وقت اس کے آداب کا مکمل خیال رکھتے تھے یعنی مخارج کی ادائیگی اور ترتیل قائم رہتی تھی۔ آپ کی اس کاوش کے پیچھے برسوں کی محنت اور مجاہدہ پوشیدہ ہے جس کی بدولت آپ اس مقام پر پہنچے۔ اس ضمن میں الطاف حسین حالی فرماتے ہیں:

''وہ فرماتے تھے کہ مکہ معظمہ کی اقامت کے زمانہ میں جب ضروری کاموں سے فرصت ہوتی تھی تو جہاں کہیں عربوں کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو کھیلتا دیکھتا وہاں جا کھڑا ہوتا اور ان کے لب ولہجہ پر غور کرتا اور جہاں تک ہو سکتا تھا اس طرح حروف و الفاظ کے ادا کرنے میں کوشش کرتا۔'' (۳۳۰)

قرآن کریم ایک انقلابی کتاب ہے جس نے اس کو زندگی میں ڈھال لیا اس کی زندگی تبدیل ہوگئی قبل از اسلام جو لوگ جاہلیت کے دلدادہ اور شرک وبدعات میں مبتلا تھے قرآن کو اپنی زندگی میں ڈھال لیا تو صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین بن گئے اور دنیا کے امام کہلائے۔ روشنی کی کرن جو فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہوئی تھی اس روشنی کو صحرا اور ریگزار، میدان وکوہستان اور شہر وقصبات میں لے کر پہنچے تاکہ راہ ہدایت سے بھٹکے ہوئے مسافروں کو منزل مقصود تک پہنچائیں۔ قرآن کریم دنیا میں ہدایت ورہنمائی اور آخرت میں نجات و بخشش کا ذریعہ ہے۔ فہم قرآن اور تلاوت قرآن سے جو مستفیض ہوا اس نے دنیا وآخرت میں برکات وتجلیات کا ثمر آنکھوں سے دیکھا اور دل میں یقین وایمان کو مضبوطی سے تھام لیا۔ سلف واکابرین نے صرف تلاوت وقرآن کا اہتمام نہ کیا بلکہ فہم قرآن سے آراستہ ہو کر علم وعمل کا اعلیٰ نمونہ بنے۔ ہر دور میں ایسے علماء وفضلاء کا چرچا رہا ہے۔ ان ہی میں قاری صاحبؒ کا بھی شمار ہوتا ہے۔ قاری صاحبؒ کا محبوب مشغلہ قران مجید کی تلاوت اور علم قراءت وتجوید کی تعلیم وتدریس تھا۔ آپ قران مجید کی تلاوت فرماتے تو لوگوں پر وجد کی کیفیت

طاری ہوجاتی۔تلاوت قرآن مجید کا سامعین پر اثرات کا ایک واقعہ حسب ذیل ہے:

"نماز تراویح میں سورۃ مرسلات تلاوت کی، خلاف معمول مقتدیوں اور دیگر سامعین پر (جو اپنا پڑھ کر حضرت کا سننے آجایا کرتے تھے) کیفیت وجد طاری ہوگئی۔ عالم ہوں یا جاہل بچے ہوں یا بوڑھے سب کا بے اختیار جی چاہتا تھا کہ اپنے آپ کو خدا کی راہ میں قربان کردیں۔"(۳۳۱)

گو کہ قاری صاحبؒ قرآن وحدیث کی تعلیم وتدریس اور نشر واشاعت میں مصروف عمل رہے آپ کی اس ضمن میں کاوش ومحنت اظہر من الشمس ہے۔قال اللہ وقال الرسول کا یہ پیکر فقہی مسائل میں گہری نظر رکھتا تھا۔مولانا عبدالحیٔ کہتے ہیں:

"مذہب کے فروع مستحضر اور فقہ واصول پر گہری نظر تھی۔"(۳۳۲)

قاری صاحبؒ عوام وخواص کو پیش آمدہ مسائل میں فقہی نقطہ نگاہ کے لحاظ سے رہنمائی فرماتے نیز درس قرآن میں بھی اس بات کا اہتمام فرماتے کہ لوگ ضروری مسائل سے واقفیت حاصل کریں اور روزمرہ زندگی میں قرآن وسنت کے مطابق زندگی ڈھالیں۔یہی وجہ ہے کہ لوگوں کو آپ کے درس قرآن میں نہ صرف مفید معلومات حاصل ہوتی بلکہ ان کی اصلاح بھی ہوتی اور وہ زوق در جوق آپ کے درس قرآن میں شرکت فرماتے۔مولانا حالی فرماتے ہیں:

"نہایت ضروری تفسیر اور مسائل فقہی جو ائمہ مجتہدین نے اس سے استنباط کئے ہوں یا کوئی ضروری اور مفید بحث جو فی الواقع قرآن کے معانی والفاظ سے تعلق رکھتی ہو بیان کرتے تھے اس لئے ان کے وعظ سے سامعین کو بے انتہا فائدہ ہوتا تھا اور نہایت مفید کام کی باتیں اور مسائل لوگوں کو معلوم ہوتے تھے۔"(۳۳۳)

قاری صاحبؒ کی فقہی مسائل میں عبور وتبحر اور لیاقت واستعداد شاہ اسحٰق کے زیر سایہ وتربیت پروان چڑھی جیسا کہ ص: پر ذکر کر آتے ہیں۔قرآن میں تدبر وفکر اور تحلیق وتحقیقی کاوش پیدا کرنے کا سحرا شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے سر ہے جنھوں نے نصاب رحیمیہ کو ترتیب وتدوین کرتے وقت اس بات کا خیال رکھا کہ قاری کو قرآن مین تدبر کرنے خود بخور جملہ امور میں رہنمائی حاصل ہو۔بعدازاں آپ کی پیروی واتباع میں آپ کی اولاد اور ان کے جانشینوں اور شاگردوں نے بھی اس سے استفادہ کیا۔محمد سلیم عبداللہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی اس کاوش وسعی کے متعلق فرماتے ہیں:

"قرآنی تعلیمات پر دور اول کی طرح تدبر کرنا سکھایا اس کے ذریعے زندگی کے جملہ امور ومعاملات میں ہدایت حاصل کرنے کا طریقہ بجھایا۔اس کی نشر واشاعت کا اہتمام کیا اور ان اہم امور کو انجام دینے کے لئے مومنین وصالحین کی ایک جماعت تیار کردی۔"(۳۳۴)

اللہ تعالیٰ جس کی بہتری وبھلائی چاہتا ہے اسے دین میں سمجھ بوجھ عطا فرماتا ہے کہ مصداق قاری صاحبؒ شریعت وطریقت کے پیکر اور علم وعمل کے منبع تھے۔ظاہری علوم میں مہارت وتبحر اور لیاقت واستعداد حاصل کرنے میں جہاں آپ کے اساتذہ کی تعلیم وتربیت اور شفقت ومحبت کا پہلو شامل ہے تو وہاں آپ کی ذاتی کوشش وجد وجہد کا عمل دخل بھی ہے جس کو نظر انداز کرنا صریحا ناانصافی ہے کیونکہ انسان کے لیے علوم کا پڑھ لینا ہی کافی نہیں ہوتا جب تک عقل وحکمت کے ذریعے مسائل کا حل ڈھونڈ نکالنے اور فقہا وکرام وآئمہ مجتہدین کے نظریات سے مکمل واقفیت وآگاہی نہ رکھتا ہو اس کے لئے مسلسل جدوجہد اور ورق گردانی کی ضرورت ہوتی ہے۔قاری صاحبؒ ان اوصاف سے متصف تھے جس کی جھلک آپ کے فتاویٰ میں نظر آتی ہے۔چند نمونے درج ذیل ہیں:

"ایک مرتبہ آپ سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی پیر، شریعت اور علماء کی تحقیر کرتا ہو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ حضرت نے جواب دیا اگر کوئی پیر، شریعت وطریقت کی مخالفت وعلماء سے استہزاء کرتا ہو، اور سنت مقبول کو عیب لگاتا ہو اس کو سلوک کی کتابوں مثلاً "طریقہ محمدیہ" وغیرہ میں ملحد وزندیق لکھا ہے ایسے شخص کو حاکم اسلام جلاوطن بھی کرے اور سزا بھی دے۔"(۳۳۵)

ایک نمونہ مزید ملاحظ فرمائیں:

"کسی شخص نے دریافت کیا کہ "یا شیخ عبدالقادر" کہنا کیسا ہے؟ اور اگر اس کا ورد کیا جائے تو ایمان میں کچھ سقم تو نہیں پڑتا؟ آپ نے جواب دیا "درمختار میں اس قسم کے جملے کو کفر لکھا ہے، اور بعضوں نے جادو منتر کی مثل خوف کفر بتلایا ہے اور جو شخص اس قسم کے الفاظ شیخ کو حاضر وناظر جان کر پڑھے تو کفر ظاہر ہے۔"(۳۳۶)

مذکورہ بالا فتاویٰ کے نمونوں سے قاری صاحبؒ کی فقہی مسائل میں عبور وتبحر کا پہلو واضح اور نمایاں ہوتا ہے حالانکہ فقی مسائل میں فقہ حنفی سے خصوصی تعلق رکھتے تھے۔لیکن وسیع مشرب اور جمہور کی طرف راغب تھے اور ترجیح اس امام کے قول کو دیتے ہیں جو سنت کے قریب تر ہو۔رسالہ تحفہ نذریہ میں ایک مقام پر تسمیہ قرآن کی مستقل آیہ ہے یا ہر سورہ کی جز ہے کی بحث میں فرماتے ہیں:

"امام مالک اور بعض اصحاب امام ابوحنیفہ کے نزدیک تسمیہ قرآن میں سے نہیں ہے اور جمہور علماء کے نزدیک تسمیہ قرآن ہے لیکن سورہ فاتحہ کا جز نہیں ہے اور نہ کسی اور

سورہ کا جز ہے مگر ان کی ایک مستقل آیہ ہے کہ تبرک کے واسطے نازل ہوئی ہے جمہور اصحاب اور امام ابوحنفیہ کا بھی یہ ہی مذہب ہے اس لیے وہ نماز میں آہستہ پڑھتے ہیں اور صحیح تر قول و معمول امام شافعیؒ کا یہ ہے کہ بسم اللہ سورہ فاتحہ کی ایک آیت ہے اور ہر سورہ کی بھی ایک آیت ہے اس لئے وہ نماز میں پکار کر پڑھتے ہیں....اور یہ سب قول حق میں ان کا اختلاف قرأت کے اختلاف کی قسم ہے۔" (۳۳۷)

قاری صاحبؒ متقی و پرہیز گار بزرگ تھے۔ احکام الٰہی اور اطاعت الٰہی بجالانے میں مستعد و توانا رہتے۔ سنت نبوی کے متعلق زندگی کے جملہ امور انجام دینے کو ہمیشہ ترجیح دیتے تھے۔ ریاضت و عبادت کا التزام بڑی شد و مد کے ساتھ کرتے تھے۔ دنیا و مافیہا سے کوئی سروکار نہ تھا، ہر وقت اپنے مالک حقیقی سے قربت و رسائی کو مدِ نظر رکھتے اور مکمل سچائی و خلوص کے ساتھ اعمال کی ادائیگی میں مشغول رہتے۔ مولانا حالی کہتے ہیں:

"سخت سے سخت مرض اور تکلیف میں بھی رمضان شریف کے روزے اور ایک قرآن تراویح میں سنانا کبھی ترک نہیں ہوا...نماز سے جس کی نسبت رسول خدا ﷺ نے قرتی عین فی الصلواۃ فرمایا ہے، انہوں نے عجیب طرح کا تعلق پیدا کیا تھا، نماز کا وقت ہوتے ہی وہ بے چین ہو جاتے تھے اور جب تک نماز اول وقت ادا نہ کر لیتے تھے دنیا و مافیہا سے کچھ سروکار نہ رکھتے تھے۔" (۳۳۸)

قاری صاحبؒ شرعی امور کی بجا آوری میں ہمیشہ سابقون و اولون کا مظاہرہ کرتے اور اگر کسی جگہ غیر شرعی امور کا قیام دیکھ لیتے تو سخت ناگواری کا اظہار فرماتے، رسوم بدعات اور فضول کاموں سے خود بھی پرہیز کرتے تھے اور دوسروں کو بھی ترک بدعات درسومات کی ترغیب دیتے تھے، شریعت کی ترویج و اشاعت میں اپنے اوقات وقف کر رکھے تھے۔ مولانا حالی کہتے ہیں:

"جس بات میں خدا اور رسول ﷺ کی مرضی دیکھی تو سارا زمانہ اس کے خلاف ہو ان کو اس بات کے کرنے میں کچھ باقی نہ تھا اور جس امر کو حکم الٰہی کے خلاف سمجھا گو کہ ساری برادری اور کنبہ اس کو اچھا جانے وہ ہمیشہ اس کے مخالف رہے۔" (۳۳۹)

قاری صاحبؒ دنیاوی عزت و جاہ اور مال و دولت سے اجتناب کرتے تھے۔ آپ کا ہر عمل و فعل اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی کے لئے ہوتا تھا۔ آپ کے نزدیک انسان کی رفعت و بلندی اسلامی احکام پر عمل پیرا ہونے میں مضمر ہے چنانچہ آپ کی زندگی میں ایسے کئی لمحات آئے جس سے آپ کو مال و دولت اور انعام مل سکتا تھا مگر آپ نے ان حقیر اور فانی چیزوں کو ہمیشہ ٹھکرا دیا۔ باندہ میں قیام کے دوران غدر

کے واقعات رونما ہوئے تو چند متاثرہ انگریز خاندان پناہ لینے کی غرض سے آپ کے مدرسے میں آئے جنھیں آپ نے امن بحال ہونے تک بحفاظت رکھا اور انہیں مطلوبہ ٹھکانے تک پہنچایا۔ اس واقعہ کے عوض ایک متاثرہ انگریز افسر امن بحال ہونے کے بعد آپ سے ملنے آیا اور آپ کو جاگیر یا انعام کی پیشکش کی جسے آپ نے لینے سے معذرت فرمالی۔ اس ضمن میں مولانا حالی فرماتے ہیں:

"یورپین افسر نے کہا کہ آپ اپنے متعلقین کی طرف سے ایک درخواست لکھوا کر مجھ کو دیجئے کہ اتنے یورپین مردوں اور عورتوں اور بچوں نے ہمارے یہاں پناہ لی تھی.... اس کے صلہ میں ہم کو سرکار سے جاگیر انعام ملنا چاہیے۔ مولانا یہ سن کر مسکرائے اور فرمایا کہ میں نے اپنے مذہب کے موافق اس وقت تمھاری حفاظت اور حمایت کرنی ضروری سمجھی تھی سو اس کے موافق عملدر آمد کرنا میرا فرض تھا۔ میں یا میری اولاد ہرگز اس کا عوض تم سے یا سرکار سے نہیں چاہتی۔ تم اس کا خیال نہ کرو۔" (۳۴۰)

سلف و صالحین اور اکابرین و بزرگان دین نے ہمیشہ اطیعو اللہ و اطیعو الرسول کو ترجیح دی اور اسی مشغلے میں اپنی زندگی کے اوقات وقف رکھے نیز یاد الٰہی میں اپنی ذات کو فنا کر دیا۔ یاد الٰہی سے مراد ذکر الٰہی ہے اور یہی وہ ذکر ہے جس سے دلوں کی میل کچیل صاف ہوتی ہے اور محب اپنے محبوب تک رسائی کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے واذکر اللہ کثیراً لعلکم تفلحون (۱۰:۶۲) یعنی بکثرت اللہ کا ذکر کرو تا کہ تم کامیاب اور فلاح یافتہ ہو جاؤ۔ فلاح اور کامیابی کا راستہ اختیار کرنے کے بعد ضروری ہے کہ سب کچھ اللہ کے حوالے کر دیا جائے جیسا کہ ارشاد بار تعالیٰ ہے: وافوض امری الی اللہ (۴۰:۴۴) پھر سچے اور صادق لوگوں کی جماعت میں شامل ہو جاؤ تا کہ تمھارے قلوب کی تطہیر اور نفسانی خواہشات سے پاک ہو جائیں۔ ارشاد باری تعالی ہے: یاالھاالذین امنوکونو مع الصادقین (۹:۱۱۹) یعنی اے لوگوں جو ایمان لائے ہو سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

قاری صاحبؒ ظاہری علوم کے زبردست عالم ہونے کے ساتھ باطنی علوم کا خرینہ اور صاحب حال مرشد تھے۔ آپ نے اکثر لوگوں کو رشد و ہدایت فرمائی اور نفسانیت سے روحانیت کی راہ دکھائی۔ گو کہ آپ نے تمام عمر ظاہری علوم کی ترویج و اشاعت میں وقف کی اور بہت کم لوگ آپ کے حال سے واقف تھے پھر بھی لوگ باطنی امراض کی اصلاح کی خاطر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور بیعت سے مشرف ہوتے۔ مولانا حالی فرماتے ہیں:

"ملک کے ہر حصے سے صدہا استفتاء ان کے پاس آتا تھا اور سینکڑوں آدمی بیعت کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے وہ بظاہر مولویت کے لباس میں تھے مگر درحقیقت بہت بڑے شیخ تھے۔" (۳۴۱)

قاری صاحبؒ نے شاہ اسحق سے باطنی علوم اکتساب کیا اور چاروں سلاسل میں بیعت اخذ کرنے کی اجازت شاہ صاحبؒ کی طرف سے مرحمت فرمائی گئی جیسا کہ پچھلے صفحات: پر ذکر کر آئے ہیں۔ قاری صاحبؒ باطنی امراض کی اصلاح وتطہیر فرماتے وقت محتاط رویہ اپناتے اور ہر شخص کو بیعت نہ فرماتے تھے۔ جب کوئی شخص اصلاح باطن کی غرض واستفادہ کی خاطر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ اول اس کو پرکھتے اور جانچتے کہ یہ شخص راہ سلوک کی طلب میں کس قدر سچا اور مخلص ہے۔ اسی لیے آپ ایسے شخص کو بیعت نہ فرماتے جو صرف صوفیہ کے چند مشاغل اختیار کر کے صوفیانہ لباس اوڑھ لے اور دنیا کو دھوکا وفریب سے لوٹتا پھرے، خود بھی بدنام ہوا اور دوسروں کو بھی بدنام ورسوا کرے، اس ضمن میں عبدالحلیم انصاری کہتے ہیں:

''جب استفادہ باطن کے لئے کوئی طالب آتا اور ہدایت پر چلنے کا وہ امتحان بھی دے لیتا تو اس وقت کسی سالک کو ضرور وقت دیتے تھے، یہ وقت اکثر دن میں اور بعض اوقات رات کا ہوتا تھا، ہرجائی ولاابالی لوگوں کو ہرگز منہ نہ لگاتے تھے بلکہ صاف فرما دیتے کہ ہم سے سبق پڑھو یا مسئلہ دریافت کرو تو ہم تیار ہیں۔''(۳۴۲)

قاری صاحبؒ بے تکلف اور سادہ مزاج انسان شفیق ومحبت کرنے والے استاد اور دنیاوی کروفر سے نفرت کرنے والے عاجزی وانکساری اختیار فرمانے والے ہمدرد انسان تھے۔ آپ کے ذاتی اوصاف کی لمبی فہرست ہے جسے گنوایا جائے تو ایک دفتر تیار ہو جائے جو کہ ہمارے مقالے کا موضوع ومنشا نہیں ہے، بہرکیف آپ کی ایک خاصیت جس میں آپ ممتاز اور نمایاں نظر آتے ہیں وہ معاملات میں صاف گوئی اور کھرا پن ہے۔ آپ کا یہ وصف ہر جگہ نمایاں نظر آتا ہے چاہے وہ باہمی لین دین کا معاملہ ہو یا سیکھنے سکھانے کا، نجی ہو یا اجتماعی، یہی وہ وصف ہے جس سے شخصیات اور جماعتیں پراگندہ اور کمزور ہونے سے بچی رہتی ہیں۔ مولانا حالی آپ کی اس خصوصیت اور وصف کا اظہار کرتے ہوئے ایک واقعہ تحریر کرتے ہیں جو حسب ذیل ہے:

''محلہ کی بڑوالی مسجد جس میں مولانا نماز پڑھا کرتے تھے اس کی مرمت کے لئے روپیہ کی ضرورت تھی جو انصاریوں کے سوا کسی سے انہوں نے طلب نہیں کیا.... غیر قوم کے لوگوں سے انہوں نے صرف اس خیال سے نہیں طلب کیا کہ محلہ کی مسجد خود نہ بنانے اور غیر قوموں سے مدد لینے میں ان کی اپنی قوم کو دھبہ لگے گا۔''(۳۴۳)

انسان جس محلہ، علاقے، وطن اور قوم میں پرورش پاتا، تعلیم حاصل کرتا اور پھر عملی مشاغل میں مصروف ہوتا ہے تو فطری طور پر اس کے دل میں ان چیزوں کی محبت وہمدردی کا پہلو جاگزین ہو جاتا ہے، چونکہ قاری صاحب کا تعلق پانی پت کے انصار سے تھا اس لئے آپ اپنی قوم کے چھوٹے اور بڑوں، عورتوں اور بچوں سے ملتے تو انتہائی خوشی ومسرت اور محبت وہمدردی کا اظہار فرماتے۔ اس ضمن میں مولانا حالی

فرماتے ہیں:

''مولانا مرحوم کو اپنی قوم کے بچوں، جوانوں اور بوڑھوں سے ایسی محبت تھی کہ ان کو دیکھ کر باغ باغ ہو جاتے تھے۔''(۳۴۴)

بزرگان دین اور علماء وفضلاء نے زندگی کے جملہ امور کی انجام وہی میں احکام الٰہی اور سنت نبوی کو ہمیشہ پیش نظر رکھا اور ان کا مطمع نظر بھی یہی رہا کہ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول کا عملی نمونہ بن کر زندگی کے ایام گزار دیں۔ ان کے نزدیک درویشی وفقر ترک وتجرید کا نام نہیں بلکہ سنت کے موافق جملہ امور لوگوں کے درمیان میں رہ کر نمٹائیں جائیں۔ قاری صاحبؒ کا حال اس شعر کا مصداق تھا:

''پاک ہیں آلائشوں میں بندشوں میں بے لگاؤ
رہتے ہیں دنیا میں سب کے درمیان سب سے الگ'' (۳۴۵)

چونکہ قاری صاحبؒ کا ذریعہ معاش زمینداری تھا۔(۳۴۶) اس لئے خانگی زندگی پر مسرت اور کشادہ تھی مگر شرعی امور کا گھریلو زندگی میں بھی بہت خیال رکھتے تھے۔ کشادگی اور وسعت کے باوجود سادگی اور کفایت شعاری غالب تھی۔ گھریلو امور میں بہت دلچسپی لیتے تھے اور گھر کے تمام افراد کا بہت خیال رکھتے تھے۔ آپ کی دو ازواج اور ایک حرم تھی جن کے بطن سے بالترتیب چار صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔(۳۴۷)

عالم کا مرنا تمام عالم کا مرنا ہے کہ بمصداق، قاری صاحبؒ علم کے چراغ تھے جو علم کی شمع سے دلوں کو منور کر رہے تھے اور ایک آفتاب تھے جو روشنی کی کرنوں کو بکھیر کر راہ ہدایت کے مسافروں کو منزل مقصود کا پتا بتلا رہے تھے۔ یہ ماہتاب بالآخر ۵ ربیع الاول ۱۳۱۴ھ مطابق ۱۳ ستمبر ۱۸۹۶ء بروز شنبہ عصر سے پہلے اس عالم فانی سے ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔(۳۴۸) خدائی فیصلوں اور قانون کے آگے ہر نفس عاجز ہے کیونکہ کل نفس ذائقۃ الموت (یعنی ہر نفس کی موت کا مزا چکھنا ہے) اور اپنے خالق حقیقی کے سامنے پیش ہو کر اعمال کے لئے جوابدہ ہونا ہے اور یہی مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔ قاری صاحبؒ کی موت سے نہ صرف پانی پت خالی ہو گیا بلکہ تمام مسلمان اپنے مخلص اور سچے، روحانی وعملی رہنما سے محروم ہو گئے۔ آپ جیسی شخصیات برسوں میں پیدا ہوتی ہیں تب کہیں جا کر چمن میں خوشبو اور بہاریں آتی ہیں ورنہ خزاں کا سماں منہ چڑاتا رہتا ہے، اس سانحہ عظیم پر مولانا حالی کہتے ہیں:

''نہایت افسوس ہے کہ پانی پت ایک ایسے بزرگ سے خالی ہو گیا جو نہ صرف پانی پت کے لئے بلکہ تمام مسلمانوں کے لئے باعث فخر تھا اور جس کا مثل آئندہ زمانے میں پیدا ہونا محالات عاریہ میں سے معلوم ہوتا ہے۔

فما کان قیس ھلکہ ھلک واحد ولا کنہ بنیان قوم تھدما

یعنی قیس کا مرنا ایک آدمی کا مرنا نہ سمجھو بلکہ وہ قوم کی بنیاد تھی جو گر گئی۔'' (۳۴۹)

قاری صاحبؒ نے تصنیف و تالیف کی طرف خاص توجہ نہ فرمائی کیونکہ جس خاندان سے انہوں نے علمی و روحانی استفادہ کیا تھا وہ اس شعبے میں ممتاز اور نمایاں تھا لہٰذا اپنے پیش روٗ کی اقتداء و محبت میں صرف چند رسائل کی تصنیف پر اکتفا کیا، ان میں سے بھی زیادہ تر استفتاء پر مشتمل ہیں جو ملک کے ہر حصے سے آپ کے پا س آتے تھے فاضل مولف کے قلم سے پانچ ۵ رسائل قلمبند ہوئے۔ (۳۵۰) جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ رسالہ تحفہ نذریہ (فارسی) صفحات ۴۵، مطبوعہ نظامی کانپور (۳۵۱)

۱۲۸۶ھ میں ہند میں تلفظ ضاد پر بڑا ہنگامہ برپا ہوا۔ (۳۵۲) اس ہنگامے اور اختلاف کو رفع کر نے کے لئے دہلی میں ایک مناظرہ ہوا جس میں قاری صاحب ممدوح نے علمی و تحقیقی نکات اس ضمن میں پیش کیئے جس سے اہل دہلی مطمئن ہو گئے صرف ضاء کے مشابہ الفاظ کی تحقیق کی فرصت کے اوقات میں قلمبند کر نے کی خواہش کی۔ اس فساد کو رفع کرنے کا بیڑہ رئیس لوہارو مرزا نذر محمد بیگ نے اٹھایا تھا ان کے خاص ایلچی کے ہمراہ لوہارو کا سفر اختیار کیا اور وہاں ایک جماعت دیکھی جو مسلمانوں کو تلفظ ضاد پر گمراہ کر رہی تھی۔ بہر کیف قاری صاحبؒ جب تک وہاں قیام پذیر رہے مسلمانوں میں اتفاق رہا۔ اس سفر کے دوران مرزا نذر محمد بیگ نے قاری صاحبؒ کو ان حالات کے پیش نظر ایک کتاب لکھنے پر آمادہ کر لیا لہٰذا قاری صاحبؒ نے تحفہ نذریہ فی قواعد التجوید کے نام سے رسالہ تحریر فرمایا مذکورہ رسالے میں اول مقدمہ درج ہے جس میں رسالہ تحریر فرمانے کی غرض و غایت تفصیل سے بیان کی گئی ہے۔ نیز یہ رسالہ دس ۱۰ ابواب اور ایک خاتمے پر مشتمل ہے۔ مضامین کی تفصیل حسب ذیل ہے:

باب اول: استعاذہ و بسملہ، باب دوم: حروف کے مخرج اور صفات، باب سوم: تجوید کا بیان باب چہارم: نون ساکن اور نون تنوین، باب پنجم: متعلقات ادغام، باب ششم: مد و قصر باب ہفتم: ضمیر کی ھا کے صلہ کے بیان میں، باب ہشتم: تفخیم و ترقیق کے بیان میں باب نہم: کلمہ کے آخر پر وقف کرنے کے بیان میں، باب دہم: قرآن کا رسم الخط اور اس پر وقف کرنے کی کیفیت۔

مذکورہ بالا ابواب کے علاوہ رسالے کے اختتام پر متفرقہ امور پر بحث کی گئی ہے۔ قاری صاحبؒ نے مذکورہ رسالے میں قواعد تجوید کو انتہائی تحقیق اور علمی پیرائے میں قارئین کے سامنے پیش کیا ہے تا کہ قاری صحیح اور غلط میں از خود تمیز کر سکے اور قرآن کو صحیح پڑھنے کی کوشش کرے جیسا کہ قرآن پڑھنے کا حق ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ورتل القرآن ترتیلا (المزمل: ۴) یعنی قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔ فاضل مئولف لفظ ترتیل کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''لفظ ترتیل کے تفسیر و معنی حدیث میں کئی طرح سے آئے ہیں۔ حاصل سب کا قرآن شریف تجوید سے پڑھنا اور وقفوں کی حفاظت ہے اور تجوید کے معنی قرآن مجید کو موافق قواعد و الحان عرب یعنی عربوں کے لہجے کے مطابق پڑھنا ہے نہ عاشقوں اور فاسقوں کے لہجہ پر کہ وہ منع ہے۔'' (۳۵۳)

فاضل گرامی قدر نے تمام عمر شد و مد کے ساتھ قرأت تجوید کی فروغ کے لئے کوشش و جہد و جہد کی تا کہ قاری قرآن مجید کی تلاوت کا حق ادا کر سکے اور یہ علم ناپید نہ ہو جائے۔ آپ کے نزدیک علم قرأت تجوید بھی قرآن کے علوم میں سے ایک علم ہے جس سے لاپرواہی اور بے اعتنائی برتنا گناہ کا باعث ہے۔ زندگی میں کامل استاد سے اس علم کو ضرور حاصل کرے اور جو عادت بن گئی ہے اسے درست کرنے کی فکر کرے۔ آپ علامہ جزری کی کتاب نشر سے ایک اقتباس اخذ کر کے قرآن پڑھنے والوں کی اقسام بتاتے ہوئے فرماتے ہیں:

''علم قرأت کے ادا کرنے میں کئی طرح کے ہیں ایک تو اچھی طرح جاننے والے اور اچھی اور صحیح طرح پڑھنے والے ہیں یہ ثواب پانے والے ہیں دوسرے بری طرح سے پڑھنے والے ہیں یہ گناہ گار ہیں تیسرے معذور ہیں۔'' (۳۵۴)

فاضل مئولف نے علم قرأت میں حفص کی روایت کو اختیار کیا اور اسی کے مطابق تمام عمر قرآن پڑھتے اور پڑھاتے رہے۔ (۳۵۵) نیز مذکورہ رسالے میں دیگر قاریوں کی روایت سے بھی تجوید کے مسائل پر روشنی ڈالی ہے مگر ترجیح حفص کی روایت کو دی ہے جیسا کہ مذکورہ رسالے کے مقدمے میں مضامین کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس تحریر میں تجوید کے اور مسائل بھی جو اتفاق ہیں مثل تعوذ و بسملہ و مخارج و صفات و رعایت حروف و اظہار و صلہ ہا ر کفایہ و مد و قصر و اخفاء و قلب وغیرہ جو روایت حفص سے متعلق تھے بیان کروں کہ حفص نے جو روایت عاصم سے کی ہے اس ملک میں مشہور ہے۔'' (۳۵۶)

مذکورہ رسالے میں فاضل مئولف نے قواعد تجوید کے علاوہ قراءت کی ذاتی اسناد بیان کرنے کے ساتھ قرآن کی جمع و تدوین کی تاریخ، آداب تلاوت قرآن مجید اور رموز و اوقاف کو نہایت تحقیق و تنقید کے بعد شرح و بسط کے ساتھ پیش کیا ہے جس سے فاضل گرامی قدر کی اس فن میں تجر و لیاقت کا پتہ چلتا ہے۔ ایک مقام پر رموز آیت کے مضامین میں ی اور ع کلمہ کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''پس ی کی علامت بجائے ع کے دس آیت کا نشان ہوا اس لیئے جہاں ی ہوگی وہاں ع نہ ہوگا اور جہاں ع ہوگا وہاں نہ ہوگی اور ع کا نشان جو ہند کے قرانوں میں ہر رکوع

کے سرے پر لکھتے ہیں اس کی بھی کچھ اصل نہیں ہے ہند کے حافظوں نے اپنے دور کرنے کے لیئے ٹھہرنے کے مقام مقرر کر لیئے ہیں۔'' (۳۵۷)

قاری صاحبؒ ممدوح نے قواعد تجوید کی تشریح کے لیے قرآن مجید سے جگہ جگہ الفاظ کا انتخاب کیا ہے تاکہ قاری کو تجوید کے اصول وضوابط کامل طور پر ذہن نشین ہو جائیں اور تلاوت قران باعث ثواب ٹھہرے جیسا کہ ایک مقام پر غنہ کی بحث میں فرماتے ہیں:

''غنہ اس آواز کو کہتے ہیں جو دماغ میں سے نکلتی ہے جیسے من مثلہ وعذاب مقیم ومن نورہ یومئذ ومن یقول۔'' (۳۵۸)

فاضل مؤلف نے مذکورہ رسالے میں علامہ جزریؒ کی نشر، ملا علی قاری کی شرح شاطبی علامہ سیوطی کی تفسیر القان سے استفادہ کیا ہے۔

مطبوعہ نسخے و ترجمہ:

رسالہ تحفہ نذیہ ایک بار دہلی اور دوسری مرتبہ مطبع نظامی کانپور میں چھپا۔(۳۵۹) مولوی رحیم الدین دہلوی نے قاری صاحب ممدوح سے اجازت لے کر مذکورہ رسالے کا اردو ترجمہ ۱۳۰۸ھ شوال کو ''تبیین الضاد'' کے نام سے قلمبند کیا اور کئی اداروں سے اس ترجمے کو شایع کیا۔(۳۶۰) راقم نے میر محمد کتب خانہ (کراچی) سے اشاعت شدہ نسخے سے استفادہ کیا ہے جو دار العلوم کورنگی کراچی سے ملا۔ فاضل مترجم نے سلیس اور سادہ زبان میں ترجمہ کیا ہے اور جہاں کہیں اہم نکات کی تشریح وتوضیح کرنا ضروری سمجھا اسے حاشیہ میں کسی مقام پر فارسی اور کسی مقام پر اردو زبان میں تحریر کیا ہے۔ حاشیہ کی وضاحت کے لئے بعض جگہ قران وحدیث کا بھی سہارا لیا ہے۔ رسالہ کے اختتام پر قطعہ درج ہے جس میں فاضل مترجم نے رسالہ مذکورہ کا تصنیف وتالیف اور ترجمے کا سال بیان کیا ہے۔

فیوض رحمانی (مطبع قیومی پریس محلہ ٹکا پور واقع کانپور): (۳۶۱)

مذکورہ رسالہ قاری صاحبؒ کی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے بلکہ چند فتاوٰی کا مجموعہ ہے جو یکجا ہو کر رسالے کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ قاری صاحبؒ نے ان فتاوٰی کو فارسی زبان میں تحریر فرمایا تھا جسے عبدالسلام عفیؒ انصاری نے حافظ محمد عبدالخالق دربھنگوی کی فرمائش پر اردو کے قالب میں تبدیل فرمایا۔ (۳۶۲) فاضل مترجم نے چند علمی تشریحات کا اس میں اضافہ فرمایا ہے۔ چونکہ قاری صاحبؒ ممدوح کی تحریر ایک خط کے جواب میں تھی لہٰذا فاضل مترجم نے اول خط نقل کیا ہے پھر قاری صاحب کے جوابات تحریر فرمائے ہیں۔ مذکورہ رسالہ تین مسائل پر مشتمل ہے اول تسمیہ کے متعلق استفسار کیا گیا ہے، جو درج ذیل ہے:

''امام ابوحنیفہ کے نزدیک تسمیہ قران کا جزو اور ہر سورہ کا جز نہیں ہے تو کیوں آہستہ

پڑھنے کو کہتے ہیں۔ نیز آگے چل کر اسی سوال کے ضمن میں کہتے ہیں کہ جب تسمیہ امام صاحب کے نزدیک جزو قران ہوا اور امام حمزہ بالکل تسمیہ کو جائز نہیں کہتے تو پھر کس بات میں امام حمزہ امام صاحب کے مانند ہوئے امام صاحب کس امام قرأت کے مقلد ہوئے، جب امام صاحب مقلد ٹھہرے تو یہ کہنا امام صاحب کے نزدیک تسمیہ فقط قران ہے کیوں کر صحیح ہوگا کیونکہ امام صاحب کو تو وہ ارشاد فرمانا چاہیے جو موافق اس امام کے ہو جس کے امام صاحب مقلد ہیں ورنہ یہ کہنا پڑے گا کہ اس مسئلہ میں جو امام صاحب کے نزدیک حق تھا وہ ارشاد فرمایا اس صورت میں امام صاحب مقلد نہ ٹھہریں گے بلکہ اجتہاد بذاتہ امام صاحب کا ثابت ہوگا اگر نماز میں کوئی پوری صورت ایک رکعت میں پڑھی جائے تو بسمہ اللہ پڑھنا نہ پڑھنا موافق اس قرأت کے جس کے موافق صورت پڑھی گئی ہے چاہیے یا نہیں اگر اتباع امام صاحب کا کر کے بسمہ اللہ کو نہ پڑھے تو اس صورت میں ظاہراً کذب روایت لازم آوے گا کیونکہ سورہ پڑھنے میں تو اقتداء امام قراءت کی گئی فقط بسم اللہ پڑھنے میں اقتداء امام صاحب کے کی جاوے گی۔'' (۳۶۳)

قاری صاحبؒ نے مذکورہ بالا سوال کے جوابات دینے سے قبل تفصیلاً تین مقدمے تحریر کیئے ہیں پھر ان سوالات کے جواب مرحمت فرمائے ہیں۔ مقدمہ سوئم میں فرماتے ہیں منصوصات میں اجتہاد جائز نہیں لہٰذا حضرت امام ابوحنیفہ کے مقلد مسائل اجتہادیہ میں ہیں نہ مسائل منصوصہ میں تو ہم کو اس بات کا قائل ہونا پڑا کہ ہم مسائل فقہی میں تو امام ابوحنیفہ کے مقلد ہیں کیونکہ وہ امام اور مجتہد مطلق تھے اور قرأت میں مقلد ائمہ قران اور روایات قرأت کے ہیں کیوں کہ وہ ہر ہر حرف اور ہر ہر نقط کی سند متصل ومتواتر آنحضرت ﷺ تک رکھتے ہیں اور قرأت میں ابوحنیفہؒ بھی مقلد راویات قران کے تھے اور یہ بات کہیں ثابت نہیں ہوئی کہ ابوحنیفہؒ نے قران میں اس طرح اجتہاد کیا ہے اور کیوں کرتے سمعیات میں تو اجتہاد کی گنجائش ہی نہیں ہوتی۔ (۳۶۴)

دوم مسئلہ حرف ضاد کے متعلق ہے کہ حرف ضاد پڑھنے میں حرف ظا کے مشابہ ہے یا حرف دال کے اور اگر کوئی شخص لفظ ولا الضالین کو ولا الدالین پڑھ لے جیسا کہ عوام کرتے ہیں تو اس کی نماز فاسد ہوتی ہے یا جو شخص ولا الضالین کو ولا الدالین پڑھنے والوں کے ساتھ اس کی نماز فاسد ہوتی ہے۔ اس زمانے میں اکثر وہ لوگ جو عالم کہلاتے ہیں عوام الناس سے کہہ دیتے ہیں اور فتویٰ دے دیتے ہیں کہ جو شخص ولا الضالین کو مشبہ الصور بالضاء پڑھے گا اس کی نماز فاسد ہوجائے گی یہ قول ان کا صحیح ہے یا غلط۔ (۳۶۵)

مذکورہ بالا سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ضاد معجمہ ساتھ ظاء معجمہ یا دال مہملہ کے عمداً قران نماز میں مفسد نماز ہے اور نماز معذور غیرع واللسان کی یا امی کی تا وقتیکہ تصحیح قران ضرورتاً جائز ہے اور باوجود قدرت تصحیح نہ کرے اور اپنے پڑھنے کی صحت وجواز پر مغرور ہو تو اس کی نماز ہرگز جائز نہیں۔(۳۶۶) اس جواب کی مزید تشریح وتوضیح پیش کرتے ہوئے فقہ حنیفہ کی کتب سے استدلال کیا ہے اور دلائل سے اس پر روشنی ڈالی ہے۔

سوم معاملات اربعہ کے متعلق ہے کہ یہ چار مصلے کس کی سلطنت میں ہوئے اور کس امر و بنیاد پر قائم کیئے گئے؟ قاری صاحبؒ نے اس سوال کا جواب دینے سے قبل طویل مقدمہ قائم کیا ہے جس میں حرم کی تعمیر اور اس میں عبادت کی فضلیت بیان کی ہے۔ نیز آگے چل کر مسجد اور مصلے کی تعریف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مسجد کے لغوی معنی اور مصلے کے معنی ایک ہیں یعنی سجدہ کی جگہ اور اس کے اصطلاحی معنی جائے تحصیل قرب الٰہی ہے کہ جس میں اور جگہ سے زائد ثواب ملتا ہے اور حدوث ان معلات اربعہ کا اہل تواریخ نے قبل ۵۵۱ھ کے لکھا ہے۔ اور ان چاروں مسجد اور مصلوں کی عمارت کو ان کے مسجد ہونے میں کچھ دخل نہیں جیسے اور تمام مساجد زمین میں عمارت کو کچھ دخل نہیں ہے مسجد اور مصلی فقط زمین ہی ہے ان کا نام حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی رکھنا یہ فقط واسطہ بیان تمیز جہات اربعہ کے ہے۔ اور مصلوں پر جو چاہے بلا تکلف نماز پڑھ لے کسی کو کچھ تکرار اور عذر نہیں۔(۳۶۷)

کشف الحجاب (اردو) مطبوعہ بہار کشمیر واقع لکھنؤ، ۱۲۹۸ھ (۳۶۸)

مذکورہ رسالہ بعض اشخاص کے استفسار پر تحریر فرمایا جس میں سوال مذکورہ ہے کہ فرقہ نو حادث جس نے اپنا نام غیر مقلد و محمدی رکھا ہے اور خود کو عمل بالحدیث کہلاتے ہیں اور تقلید کو حرام و شرک کہتے ہیں۔ آیا یہ فرقہ اہل سنت سے تعلق رکھتا ہے یا روافض سے ہے؟ قاری صاحبؒ ممدوح نے اس سوال کا جواب فصیح وبلیغ انداز میں تحریر فرمایا ہے اور جس طرح شاہ عبدالعزیزؒ نے تحفہ اثناء عشری میں روافض کے عقائد کی پول کھولی ہے اس طرح قاری صاحبؒ نے اس رسالے میں محولہ بالا فرقے کے عقائد کو شرح وبسط کے ساتھ واضح کیا ہے اور دلائل کے ساتھ اس جماعت کا تعلق روافض سے ظاہر کیا ہے۔ مذکورہ رسالہ تحریر فرمانے کا مقصد نزاع اور دشمنی اور فساد پھیلانا مقصود نہیں بلکہ حق کا اظہار ہے تا کہ لوگ گمراہی اور دھوکا وفریب سے بچے رہیں اس ضمن میں آپ فرماتے ہیں:

''غرض اس تحریر سے بیان علامات تشیع کا ان غیر مقلدں میں ہے مقصود ہمارا طلب جواب یا سوال نہیں اس کے جواب میں کوئی اوقات ضایع نہ کرے کوئی اس کا ملتفت نہ ہو''(۳۶۹)

جوابات اسولہ غیر مقلدین: مطبوعہ خادم الاسلام دہلی (فارسی) صفحات: ۲۰ (۳۷۰)

مذکورہ رسالہ چار سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے جو حسب ذیل ہیں:

اول:

حضرت غوث الاعظم قدس سرہ نے غنیۃ الطالبین میں فرقہ حنفیہ کو مرجیہ لکھا ہے۔ لہٰذا حضرت غوث الاعظمؒ کے قول کے تصدیق کی صورت میں حنفیہ کی گمراہی لازم آگئی۔ اور حضرت غوث الاعظم کے قول کے تکذیب کی صورت میں اہل سنت و جماعت کے امام کی کذب لازم آگئی دونوں میں سے کون سا مدعٰی درست اور صحیح ہے؟

دوم:

غیر مقلدین کا فرقہ اہل سنت اور جماعت کے مذہب و جماعت میں داخل ہیں یا خارج؟

سوم:

پانچ وقتہ فرض نمازوں میں غیر مقلدین کی امامت جائز یا نہیں؟ اور فرض نماز اہل سنت والجماعت کی غیر مقلاین کے اقتداء کرنے سے جائز یا نہیں؟

چہارم:

اگر غیر مقلدین اہل سنت والجماعت سے خارج ہیں تو پھر یہ تہتر فرقوں میں سے کون سے فرقے میں داخل ہیں؟ مدلل جواب چاہیے۔ (۳۷۱)

مذکورہ بالا سوالات کے جوابات دینے سے قبل قاری صاحبؒ نے پانچ مقدمے قائم کیئے ہیں جن میں مذکورہ بالا سوالات کو سمجھنے کے لئے تحقیقی وعلمی تمہید باندھی گئی ہے پھر ان سوالات کے جوابات دیئے گئے ہیں۔

محوالفساد فی تلفظ الضاد:

مولانا کریم بخش صاحب جو حضرت مولانا سید امام الدین صاحب امروہویؒ کے فرزند ارجمند تھے انہوں نے صاحب سوانح سے خواہش کی تھی کہ حرف ضاد کے مخرج کے متعلق آپ ایک جامع تحقیق لکھ دیں تا کہ سب مشکلات حل ہو جائیں اور کوئی مغالطہ باقی نہ رہے صاحب سوانح نے اپنے استاد زادے کی یہ خواہش منظور فرمائی اور ۵۱ صفحات کا ایک محققانہ مضمون لکھا جو فارسی زبان میں محوالفساد کے نام سے طبع ہو گیا تھا پھر ۱۳۰۶ھ میں لوگوں کا یہ اصرار ہوا کہ اردو میں ترجمہ کر کے شائع کیا جائے جو زیادہ نافع ہوگا لہٰذا حضرت نے وہ عربی عبارات جن کی ترجمہ میں ضرورت نہ تھی حذف کر دیں صرف سند کی بعض بعض عبارات رہنے دیں اور ضروری تشریح کے ساتھ اس کا ترجمہ خود ہی فرمایا۔ (۳۷۲)

حضرت غوث علی شاہؒ پانی پتی:

حضرت غوث علی شاہؒ کی بتاریخ ۲۵ رمضان المبارک ۱۲۱۹ھ بمطابق ۷ دسمبر ۱۸۰۴ء بروز جمعہ ولادت باسعادت ہوئی۔ والد بزرگوار نے ابوالحسن اور جد امجد نے خورشید علی اسم گرامی رکھا۔ آپ کا نسبی سلسلہ سترہ ۱۷ واسطوں سے حضرت غوث الاعظم محی الدین سید عبدالقادر جیلانیؒ تک پہنچتا ہے۔ (۳۷۳)

آپ کے مورث اعلیٰ شیخ محمد حسینی جیلانیؒ صاحب عظمت وکرامت بزرگ تھے۔ ظاہری شان و شوکت اور علم معقول ومنقول میں بے مثل تھے۔ ظاہری و باطنی فیض آپ کی بابرکت ذات سے جاری تھا۔ آپ کا وطن روم تھا جہاں سے خراسان آئے اور وہاں سے ملتان آکر قصبہ اُچ میں مقیم ہوگئے۔ (۳۷۴)

شیخ محمد حسنی جیلانیؒ کے یہاں چار صاحبزادے سید عبدالقادر، سید عبداللہ ربانی، سید مبارک حقانی اور سید محمد نورانی کی ولادت ہوئی۔ سید مبارک حقانی جو سید غوث علی ملتانی کے جد اعلیٰ ہیں ان کی ساتویں پشت میں حضرت کے جد امجد سید ظہور الحسن صوبہ بہار کے موضع استھاواں ضلع مونگیر میں مقیم ہوے اور سادات عظام کی دختر نیک اختر سے نکاح کیا، ان کے بطن سے دو صاحبزادے سید محمد حسن عرف سید محمد علی اور سید احمد حسن عرف سید احمد علی پیدا ہوئے۔ (۳۷۵)

سید احمد حسن عرف سید احمد علی حضرت غوث علی شاہؒ کے والد بزرگوار تھے۔ آپ صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے۔ سولہ سال کی عمر میں والد محترم سے سلسلہ قادریہ میں بیعت ہوئے۔ وہ فوجی سواروں میں ملازم تھے اور ترقی پاتے رسالدار بہادر ہوگئے۔ اور اس عہدے پر ریٹائرڈ ہوئے۔ آپ نے تین شادیاں کیں جن کے بطن سے بارہ فرزند تولید ہوئے۔ (۳۷۶)

آپ نے چار برس کی عمر میں قدم رکھا تو بڑی والدہ صاحبہ نے بسم اللہ پڑھا کر قرآن شریف شروع کرایا۔ دس برس کی عمر میں نصف قرآن حفظ کیا اور صرف نصف قرآن ناظرہ پڑھا۔ کتب فارسیہ سکندر نامہ تک بڑی والدہ صاحبہ سے پڑھی۔ عربی کی صرف ونحو نا محمد حیات صاحب سے پڑھی۔ دوران تعلیم دہلی چلے آئے تقریباً دس یا بارہ برس کی عمر میں کافیہ کا سبق مولوی محمد اسماعیل سے پڑھا اور حدیث کی کتب شاہ محمد اسحاقؒ (م ۱۲۶۲ھ) اور شاہ عبدالعزیز (م ۱۲۳۹ھ) سے پڑھیں۔ باقی درس کتب مولوی فضل امام خیر آبادی (م ۱۲۴۳ھ) سے پڑھیں جو آپ سے بے حد مہربان اور شفیق تھے اسی بناء پر آپ استاد محترم کے ہمراہ پٹیالہ تشریف لے گئے۔ جہاں منطق، معقولات اور دوسری کتب پڑھتے رہے، محترم شفیق و مہربان استاد کی رحلت سے آپ کو بہت رنج وغم ہوا اور پڑھائی کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ (۳۷۷)

ادبی باطنی وروحانی تربیت والد ماجد کی سرپرستی میں حاصل کی اور سلسلہ قادریہ میں والد بزرگوار کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ والد صاحب روحانی کمال حاصل کرانے کے لئے دیگر سلسلوں کے بزرگوں کی قدم بوسی کے لئے لے جاتے۔ پہلے آپ دہلی میں سید نا احسین شاہ رسول شاہی کے پاس تشریف لے گئے اور سلسلہ سہروردیہ رسول شاہی میں بیعت کرائی۔ بابری میں میر اعظم شاہؒ سے سلسلہ قادریہ میں بیعت کرائی۔ پھر میرٹھ میں مولوی حبیب اللہ شاہؒ کی خدمت میں بھیجا گیا۔ اس طرح آپ نے تقریباً انیس ۱۹ بزرگوں سے روحانی فیض حاصل کیا۔ آپ طبعتاً سیر وسیاحت کے دلدادہ تھے اس لئے مختلف مشائخ وعلماء کی صحبت سے فیضاب ہوئے نیز بچپن سے فقیروں اور سادھوں سے ملنے کا شوق تھا لہٰذا ان کی صحبت سے عملیات و دیگر وظائف حاصل کیئے۔ (۳۷۸)

جیسا کہ پچھلے صفحات میں ذکر کیا ہے کہ درسیات کا سلسلہ منقطع ہوا تو سیر وسیاحت کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا۔ دوران سیاحت مختلف مشائخ وعلماء، فقیروں درویشوں، سادھوں سے ملاقات کی اور ان سے ظاہری وباطنی علوم حاصل کیئے سونی پت، راج پور، کلیر شریف سری نگر، ڈیرہ دول، پردوار میرٹھ، بنارس، لکھنؤ، مراد آباد آگرہ، بریلی، علی گڑھ، گوالیار، کیتھل، ریواڑی، جودھپور، بھوپال اور نیپال وغیر تک جا پہنچے اسی دوران دو حج ادا کیئے۔ پہلے حج سے فارغ ہوکر خوارج، مسقط وغیرہ کی زیارت کر کے دہلی تشریف لائے اور زینت المساجد میں قیام فرمایا۔ اس طری دوسرے حج کے دوران کئی مقامات مقدسہ کی زیارت سے فیض یاب ہوئے۔ سیر وسیاحت کا یہ سلسلہ تقریباً ۳۵ پینتیس یا ۳۸ اڑتیس برس پر محیط ہے۔ بالآخر ۱۲۷۸ھ میں پانی پت آکر مستقل قیام فرمایا۔ اور رشد وهدایت کا سلسلہ جاری فرمایا۔ (۳۷۹)

آپ بہت ذہین اور فطین تھے۔ آپکا حافظہ نہایت تیز اور قوی تھا۔ کلام و گفتگو شگفتہ روئی اور خندہ پیشانی سے فرماتے۔ مریدین اور تلامذہ کو وعظ ونصائح حکایت کے پردے اور تلمیح وکنایہ کے پردے میں ادا فرماتے۔ بعد از رحلت آپ کے تلامذہ ومرید مولانا گل حسن اور مولانا اسماعیل میرٹھی نے آپ کے وعظ و نصائح کو کتابی شکل (تذکرہ غوثیہ) میں تشکیل دیا ہے۔ یہ کتاب آپ کے چار سو چھتیس (۴۳۲) ارشادات پر مشتمل ہے۔ ان ارشادات کو چھ ابواب میں منقسم کیا گیا ہے۔ اول ابا واجداد کے حالات، دوم ولادت ابتدائی حالات، سوم حالات سیاحت، چہارم مقالات توحید پنجم خاندان نقشبند اور متفرق ارشادات، ششم شمائل وفضائل وصیت نامہ اور کیفیات وصال پر مشتمل ہے۔

آپ کا ہر ارشاد فصاحت وبلاغت، لطافت وظرافت سادگی وسلاست کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ نیز علماء و مشائخ کے وعظ ونصائح، حالات سیاحت اور سادھوں وجوگیوں کے عملیات اور موقع ومحل کی مناسبت سے اشعار کے استعمال سے متن میں دلفریبی اور دلچسپی نظر آتی ہے۔ اس کے علاوہ راہ سلوک کے مبتدیوں کے لیئے رہ نمائی، توحید معرفت اور اسرار ورموز کا خزانہ ہے۔ مولانا اسماعیل میرٹھی اور مولانا وحید الدین سلیم پانی

پتی کے نظرہائے عقیدت میں پیش کیئے گئے اشعار اور مولانا گل حسنؒ کی ادبی کاوشیں بھی شامل ہیں۔

یہاں ہم مولانا گل حسنؒ اور مولوی اسماعیل میرٹھی کا اختصاراً ذکر فرماتے ہیں جبکہ مولوی وحید الدین سلیم پانی پتی کی علمی و ادبی خدمات کا علیحدہ جائزہ لیں گے۔

(الف) مولانا گل حسنؒ:

آپ بنوں ٹانک ضلع ڈیرہ اسماعیل خان صوبہ سرحد کے رہنے والے تھے اور صحیح النسب سید تھے۔ آپ ۱۲۴۰ھ / ۱۸۴۴ء کے قریب پیدا ہوئے۔ ابتداء عمر لہو ولعب میں گزاری۔ والد ماجد نے حالات کو دیکھتے ہوئے مولوی عبدالغنی صدر مدرس اور مولوی احمد حسن نائب مدرس نارمل اسکول کے پاس راولپنڈی بھیج دیا۔ جہاں آپ نے ایک سال بعد نارمل اسکول کا امتحان پاس کرلیا اور بحیثیت مدرس ملازم ہو گئے۔ دو سال بعد حضرت اخوند عبدالغفور سے مرید ہوئے۔ بعدازاں پانچ سال تک نوکری کی پھر حصول علم کے لئے مختلف مقامات سے پھرتے ہوئے غالباً (۱۲۸۹ء ۱۸۶۲ھ) پانی پت پہنچے۔ (۳۸۰)

پانی پت میں قیام کے دوران بھوتوں والی مسجد میں قیام کیا اور مولوی فتح محمد صدیقی سے عربی پڑھنے لگے۔ چھ سال تک عربی پڑھتے رہے اس کے علاوہ ہدایہ، بیضاوی، مشکواۃ اور بخاری تک تحصیل علم کیا۔ اسی دوران حضرت غوث علی شاہؒ سے ملاقات ہوگئی ان کی صحبت میں رہ کر باطنی فیض اکتساب کرتے رہے۔ آپ ۱۸۶۸ء کو حج کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ نے دو حج ادا کیئے۔ حج سے واپس پانی پت پہنچ کر حضرت ممدوح کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلسلہ قاریہ میں بیعت ہوئے۔ دو سال خدمت اقدس میں رہنے کے بعد کابل چلے گئے اور دو سال سیاحت کر کے واپس پانی پت حاضر ہوئے تو شاہ صاحب سے نقشبندیہ سلسلے میں بیعت ہوئے۔ (۳۸۱)

آپ نے ۱۸۷۸ء/۱۲۹۵ء میں قاری مولانا محدثؒ سے سبعہ قرأت پڑھیں۔ آپ شاہ صاحبؒ کے خلیفہ اور دوسرے سجادہ نشین ہیں۔ ہزارہا مخلوق نے آپ سے فیض باطنی اکتساب کیا۔ آپ نے ۱۴ صفر ۱۹۱۹ء اور ۱۳۳۸ھ کو پانی پت میں ۸۰ سال کی عمر میں وفات پائی اور اپنے شیخ کے مزار سے متصل بیرون احاطہ بجانب جنوب دفن ہوئے۔ (۳۸۲)

(ب) مولوی اسماعیل میرٹھی:

مولوی اسماعیل میرٹھی ۱۸۴۴ء میں پیدا ہوئے آپ ادیب وشاعر تھے۔ سولہ برس کی عمر میں محکمہ تعلیمات میں ملازم ہوئے اور سہارن پور اور میرٹھ میں فارسی کے ہیڈ مولوی کی حیثیت سے طلباء کو پڑھانے لگے۔ ۱۸۸۸ء میں سنٹرل نارمل اسکول آگرے میں تبدیل ہو گئے۔ ۱۸۹۹ء می پنشن لی اور باقی عمر تصنیف و تالیف میں بسر کردی۔ (۳۸۳)

جیسا کہ پچھلے صفحات میں ذکر کر آئے ہیں کہ آپ کے ارشادات قارئین کے لئے دلچسپی اور دلفریبی کا سامان اور راہ سلوک کے مبتدیوں کیلئے رہ نمائی کا اعلیٰ نمونہ ہے آیئے آپ کے قول وافعال ملاحظ کرتے ہیں۔ آپ کا ارشاد نمبر ۵۰ جس میں راہ سلوک اور راہ قلندری کا فرق دلچسپ حکایت میں بیان فرمایا ہے:

''ایک اور ارشاد ہوا کہ شاہ بھیک صاحب نے بابا سیتل پوری کی خدمت میں جو کہ شاہ کمال قادریؒ سے فیض یاب تھے یہ شعر لکھ کر ارسال کیا۔

چلتے چلتے جگ کیو اور بھیک دواری دور — خرچی نبڑی پگ تھکے جا کوئی کیسے حضور

اس کے جواب میں بابا سیتل پوری نے یہ شعر تحریر کیا۔

جو بیٹن تم جات ہو ان بیٹن ہیں دور — ست نام سیتل پوری جو سن مکھ رہے حضور

مطلب یہ ہوا کہ راہ سلوک تو ایک نہایت دور دراز ہے چوں کی چال چلنا، راہ ورستہ کا اتار چڑھاؤ بھٹکنا اور گانٹوں گانٹوں میں منزل ومقام کرنا۔ صعوبات سفر اور عقبات رہ گزر اور عجائبات منازل اور طلسمات راہ کی سیر دیکھنا اس طور سے سفر طویل اور منزل مقصود بعید ہو جاتی ہے۔ جیسے کوئی شخص دہلی سے کلکتہ کا سفر پیادہ یا قطع کرے مگر راہ قلندری میں سیر منازل اور تماشائے مراحل کچھ نہیں جیسے کوئی آدمی ریل میں سوار ہو کر جھٹ پھٹ کلکتہ جا اترے۔

صنما رہ قلندر سزوار بمن نمائی — کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی (۳۸۴)

آپ نے اپنی زندگی کا طویل حصہ درویشوں اور فقیروں کی صحبت اور سیر وسیاحت میں گزارا توکل اور قناعت اور زہد وفقر میں زندگی کے اوقات صرف کیئے۔ دنیاوی آلائشوں اور نفسانی خواہشوں سے الگ تھلگ رہے۔ چناچہ خود فرماتے ہیں:

''دنیا میں تین چیزیں مرغوب ومحبوب اور مشہور ہیں زن، زر، زمین، سو ہم نے زن تو اختیار نہ کی۔ زمین خدا تعالیٰ نے ہم کو دی نہیں، زر البتہ ادھر آیا ادھر گیا مال مفت دل بے رحم، نہ کچھ آگے نہ کچھ پیچھے ہم کس کے لئے رکھیں۔'' (۳۸۵)

آپ توحید پہ مشرب تھے ہر حال میں اللہ کی طرف متوجہ رہتے اور اسی کی عبادت کی ترغیب دلاتے کیوں کہ ماسوا اللہ کہ ہر چیز ہیچ ہے۔ جسے اللہ مل گیا سارا جہاں مل گیا، آپ کے ارشادات میں جابجا اللہ کی وحدانیت کا ذکر ملتا ہے ایک جگہ فرماتے ہیں:

''ایک روز ارشاد ہوا ہم کو ایک نقل یاد آتی ہے کسی چیلے نے اپنے گرو سے شکایت کی کہ

گرو جی مجھے چار سال ہو گئے اب تک کچھ اثر مرتب نہیں ہوا ہنوز روز اول ہے۔ کہا اچھا! دیکھا جائے گا۔ دوسرے روز گرو جی نے بھنگ گھوٹ کر خو پی اور اس چیلے کو بھی پلا دی تھوڑی دیر کے بعد پوچھا کہ کیو چیلے جی کیا حال ہے کہا گرو جی کچھ نہ پوچھو، ایک دھوندوکال ہے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ گرو نے کہا کہ یہاں دھوندوکال کے سوا اور کچھ نظر نہ آئے گا۔ پس اسی دھوندوکال میں سب چلے گئے تو بھی چلا جا۔ سو صاحب یہاں سوائے توحید کے اور کیا رکھا ہے جو نظر آئے اور اگر کسی نے کچھ دیکھا ہے تو یہ اس کے تخیلات اور وہمیات پر محمول ہے۔ ان شعبدات کا کیا اعتبار اللہ تعالیٰ ان سب سے منزہ و مبرا ہے پس ماسوا اللہ سب ہیچ ہے۔

مے صرف وحدت کسے نوش کرد   کہ دنیا و عقبیٰ فراموش کرد (۳۸۶)

انسان کو اللہ کی رضا میں زندگی گزارنا چاہیے۔ غمی و خوشی راحت و خوار ہر حال میں اللہ کا طالب رہے، ماسوا اللہ کے غیر کا نام دل میں بھٹکنے نہ دے یہی عبدیت کی شان ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

ایک روز ارشاد ہوا کہ حضرت موسیٰ نے جناب باری میں عرض کیا کہ تیری بارگاہ میں کون سا فعل پسندیدہ ہے تاکہ میں اس کو زیادہ کروں حکم ہوا کہ یہ فعل ہم کو پسند آیا کہ زمانہ طفلی میں جب تمھاری ماں مارا کرتی تھی مار کھا کر بھی اس کی طرف دوڑتے تھے، پس طالب خدا کو بھی یہی لازم ہے کہ گو کیسی ہی مصیبت و سختی اور ذلت و خواری پیش آئے لیکن بہر حال خدا کی طرف متوجہ رہے۔

غم نہ کیجیے غم کا اور شادی نہ کیجیے عیش کی دونوں حالت دیکھے منہ سے نہ کچھ فرمائیے اور یہ بات تو شیطان ہی پر ختم ہے کہ اتنی ذلت و خواری اٹھائی طوق لعنت پہن لیا مگر بھول کر بھی غیر کا نام نہیں لیتا۔ (۳۸۷)

آپ راہ سلوک کی مسافت میں صحبت مردان کامل کو لازمی جز قرار دیتے ہیں کیونکہ بغیر صحبت کہ سالک مقام کمال تک نہیں پہنچ سکتا پیر کامل کی صحبت دل کی کثافت و میل کچیل کو مجلا و شفاف کرنے میں مسیحا کا کردار ادا کرتا ہے۔ نیز صبر و ضبط کے بغیر سالک پیر کامل کی صحبت سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں:

''فقیری میں صحبت کو بڑا اثر ہے اور مردان خدا نے اسی کو جزو اعظم سمجھا ہے۔

یک زمانہ صحبت با اولیاء   بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

جو باتیں بچپن سے دل میں سمائی ہیں وہ کانوں کی راہ سے آئی ہیں اور کانوں کے راستے سے نکلیں گی

بھو بھاگت بھاگے   رنگ لاگت لاگت لاگے
بہت دنوں کا سوہا منوا   جاگت جاگت جاگے

یعنی رفع ادہام اور شکوک کے لئے ایک مدت چاہیے   عمر باید کہ یار آید بہ کنار'' (۳۸۸)

اگر سالک کو اس راہ میں کچھ حصول نہ ہو تو مایوسی اور ناامیدی فضول بیکار ہے صرف یہ خیال کرے کہ جو قدم اللہ کی راہ میں اٹھا وہ کافی ہے۔ چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں:

''خاندان نقشبندیہ میں تو صفائی اور معلومات مبتدی کا دل بہلاتی اور ہمت بڑھاتی میں ایسے ہی خاندان چشتیہ میں ذوق شوق کی چاٹ طبیعت کو اچاٹ نہیں ہونے دیتی مگر خاندان قادریہ میں مبتدی کو بجز بے حاصلی کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا اس لیے بعض طالب مایوس ہو کر کمر ہمت کھول دیتے ہیں البتہ مدت دراز اور مجاہدہ کثیرہ کے بعد آخر میں یہ نسبت ہوتی ہے کہ گویا دفعتہ صور پھونک دیا یا کنواں کھودتے کھودتے یک بارگی بم پھٹ گیا پھر تو سبحان اللہ سب کیفیتیں اس کے سامنے گرد ہیں اور اگر طالب کو کچھ حاصل نہ ہوا اور اس راہ میں کھیت رہا تو یہ ہزار مراد سے بہتر ہے کیوں کہ راہ خدا میں حاصل و حصول کیا جو قدم اس طرف اٹھا وہی نقد وقت ہے۔'' (۳۸۹)

راہ سلوک کے مبتدیوں کے لئے ریاضت و مجاہدہ لازمی جز ہے کیونکہ اس کے بغیر طلب کی جستجو دھیمی اور سرد رہتی ہے۔ ریافت و مجاہدہ طلب میں اضافہ اور قلب کو تر و تازہ رکھتا ہے۔ اسلاف کا یہی طرہ امتیاز رہا کہ ریاضت و مجاہدہ کو لازمی قرار دیا اور اسی کے ذریعے کمال بزرگی حاصل کی۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''ایک روز ارشاد ہوا کہ ریاضت و مجاہدہ بھی ایک اور ضروری ہے دیکھو جب کریا کی قوت دھیمی پڑ جاتی ہے تو رگڑنے سے پھر تیز ہو جاتی ہے اس طرح طالب کا قلب ریافت و مجاہدہ سے تر و تازہ رہتا ہے۔'' (۳۹۰)

ریاضت و مجاہدہ جستجو و طلب راہ سلوک کے ہتھیار میں جو بلند ہمتی اور عالی حوصلگی میں اضافہ کا سبب بنتے ہیں حقیقتاً ریاضت و مجاہدہ کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہے کیونکہ جب تک اللہ کا رحم و کرم شامل و حال نہیں ہوگا بندہ منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا لہٰذا ایک جگہ فرماتے ہیں:

''ایک روز ارشاد فرمایا کہ سالک راہ رو کو کہتے ہیں اور سلوک یہ ہے کہ جو کچھ مقسوم میں ہے بزرگوں کی تعلیم و تلقین سے آہستہ آہستہ حاصل ہو جاتا ہے جیسے رہ رو چلتا چلتا اپنی منزل مقصد کو پہنچتا ہے اور یہ جو دفعتہ کسی کو کچھ مل جائے سو یہ بات ہر شخص کے واسطے نہیں ہو سکتی ہے۔ لاکھوں کروڑوں میں خدا نے کسی کے لیئے یہ بات مقرر کر دی تو ہوئی ورنہ سالک کا یہی کام ہے کہ بزرگوں سے جو کچھ ان کو پہنچا ہے طالب کو تبادیا آگے ہوتا نہ ہونا اس کے مقسوم پر منحصر ہے۔ اس میں کسی کا اختیار نہیں اور خدا کو جب کسی پر رحمت منظور ہوتی ہے تو جس طور سے چاہتا ہے کر دیتا ہے۔'' (۳۹۱)

عاشق کو چاہیے کہ وہ مکمل سچائی اور خلوص کے ساتھ ذکر اپنی میں مشغول رہے کیونکہ ذکر الٰہی کی بدولت طالب اپنے محبوب تک رسائی کرتا ہے اللہ کے محبوب بندے رسائی و راحت میں معبود کی محبت میں مستغرق رہتے ہیں اور کسی لمحے غافل نہیں ہوتے۔ سچے عاشقوں کا دین و ایمان یہی ہے کہ محبوب کے عشق میں ہر چیز قربان کردے اور سوائے معشوق کہ کسی کی طرف دل مائل نہ ہوا اور جب عشق غلبہ حاصل کرلیتا ہے تو کچھ باقی نہ رہتا نہ عاشق نہ معشوق نہ عشق چنانچہ عشق کی منازل کو سمجھاتے ہوئے کہتے ہیں:

''ایک روز ارشاد ہوا کہ جب مجنوں عاشق ہوا اور عشق مشتہر ہوا تو امتحان کے لئے لیلیٰ نے ایک آدمی بھیجا کہ مجنوں سے ایک پارہ گوشت مانگ لاؤ۔ اس نے محبوب کو یہ پیغام سنایا۔ پوچھا کہ کہاں کا گوشت طلب کیا ہے اس نے لیلیٰ سے پوچھا۔ کہا کہ ابھی کچا ہے، مرتبہ ناسوق میں ہے۔ چندمدت کے بعد پھر ایک آدمی گوشت کی طلب میں بھیجا تو مجنوں نے جواب دیا کہ کاٹ کرلے جاؤ اس نے آکر لیلیٰ سے بیان کیا کہا کہ ہاں! اب عشق میں آیا ہے اور یہ مرتبہ ملکوتی ہے کچھ عرصے کے بعد انا لیلیٰ کہنے لگا جس طرح شاہ منصور نے انا الحق کہا تھا۔ یہ مرتبہ جبراتی ہے اور فنائی العشق ہے، چندروز بعد صرف لیلیٰ لیلیٰ کہنا شروع کیا یہ مرتبہ لاہوت و توحید ہے بعد اس کے گم گشتگی پیدا ہوئی نہ لیلیٰ لیلیٰ یاد رہی نہ مجنوں یہ مرتبہ یاہوت ہے۔ نہ خود نہ خودی نہ خدا کچھ باقی نہ رہا نہ ذکر نہ ذاکر نہ مذکور۔'' (۳۹۲)

آپ نے ۱۲۷۹ھ ماہ شعبان پانی پت میں آکر قیام کیا اور اٹھارہ برس پانی پت میں قیام پذیر رہے۔ بالآخر ماہ ربیع الاول ۱۲۹۷ھ کو وصال فرمایا۔ (۳۹۳) مزار مبارک پانی پت میں مرجع خلائق ہے۔ وصال سے قبل مولانا گل حسنؒ کو دس روپے تدفین و تلفین کے لئے عنایت فرمائیں اور چند وصیتیں گوش گزار فرمائیں۔ وصیت نامے سے ظاہر ہوتا ہے، کہ آپ کو شرعی امور کا بدرجہ اتم خیال تھا اور ذات الٰہی کی محبت و الفت میں مستغرق رہے چنانچہ فرماتے ہیں:

''اول یہ کہ ہماری قبر شاہ ولایتؒ کے مزار سے فاصلہ تین یا چار تیر جانب جنوب چٹیل میدان میں بنانا اور جہاں کسی کا سایہ و وسیلہ بجز ذات خدا کہ نہ ہو اور کوئی دوسری قبر نہ ہو۔ دوم جو روپیہ تدفین و تکفین کیلئے دیا ہے اس کے علاوہ کسی سے نہ لینا اور اگر زمین کی قیمت کوئی وصول کرے تو اپنی طرف سے ادا کردینا، سوم قبر کچی بنانا ایک کنگھر سرا ہے اور پائنتی رکھ دینا۔'' (۳۹۴)

مولانا راغب اللہ پانی پتیؒ:

شیخ العالم الصالح راغب اللہ بن محب اللہ حنفی پانی پتی فقہا حنفیہ میں سے تھے ۱۷ رجب ۱۲۲۹ھ میں پیدا ہوئے کچھ عرصے اپنے شہر میں پڑھتے رہے پھر سہارن پور جا کر مولانا احمد حسن کانپوری شیخ محمد مظہر اور علامہ محمد قاسم نانوتوی سے پڑھتے رہے پھر علی گڑھ جا کر مولانا مفتی لطف اللہ کوئلی سے اکثر درسی کتابیں پڑھیں پھر اپنے شہر واپس آئے اور حدیث کی تعلیم شیخ عبدالرحمن بن محمد انصاری پانی پتی سے ایک عرصے ان کی خدمت میں رہ کر حاصل کی۔

عملی دنیا میں قدم رکھا تو درس وتدریس سے وابستہ ہو گئے اور مدرسہ عربیہ پانی پت میں مدرس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ آپ بڑے متواضع اور خاموش عالم تھے۔ آپ کی وفات ۱۳۲۰ھ کے قریب ہوئی۔ (۳۹۵)

مولانا عبدالسمیع ومفتی عبدالرحیم پانی پتیؒ:

مولانا عبدالسمیع اپنے گھر میں اور بھوتوں والی مسجد میں بچوں کو فارسی پڑھاتے تقسیم پاکستان سے قبل پانی پت میں وفات پائی۔ مفتی عبدالرحیم پانی پتی تجوید وقراءت کے علاوہ عربی و فارسی، تفسیر اور فقہ میں عبور و دسترس حاصل تھی۔ آپ متقی و پرہیزگار بزرگ اور فتاوی میں خصوصی دلچسپی رکھتے تھے۔ تقسیم ہند کے بعد آپ جھنگ پاکستان تشریف لے آئے اور شیخ لاہوری (جھنگ) میں خطیب ہو گئے۔ (۳۹۶) قرآن پاک سے انتہائی عقیدت و محبت تھی۔ آپ سوتے ہوئے بجائے بڑبڑانے کے قرآن مجید کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ مولانا احمد اللہ عثمانیؒ، قاری فتح محمدؒ، قاری رحیم بخشؒ آپ کے ہونہار اور معروف تلامذہ میں سے ہیں۔ آپ نے ۱۳۷۰ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا اور شیخ لاہوری میں قائم مدرسے میں مدفون ہیں۔ (۳۹۷)

حوالہ جات

۱۔ الکاذرون ایک تاریخی شہر ہے جوشیراز سے ۴۵ میل جانب مغرب سمندر کی جانب واقع ہے۔ یہ ایک پر فضاء گنجان آباد اور مردم خیز خطہ رہا ہے۔ (تذکرہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی، ازمحمود الحسن، مشمولہ: اردو دائرہ معارف اسلامیہ ۱۷: ۱۴)

۲۔ خواجہ صاحبؒ کے نسب نامے سے پتا چلتا ہے کہ آپ حضرت عثمان غنیؓ کی اولاد میں سے ہیں۔ عثمانی خاندان کی یہ شاخ مدینہ سے ہجرت کر کے کاذرون کیسے پہنچی، تفصیل کے لئے دیکھئے (تذکرہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی، ص: ۳۳ تا ۳۷)

۳۔ محمود الحسن عارف، ڈاکٹر ''تذکرہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی'' مشمولہ: تعارف تفسیر مظہری مئولف: قاری ابو محی الاسلام (قلمی) ص: ۱، حاشیہ ۲

۴۔ سلطان محمود غزنوی نے آخری بار سومناتھ پر حملہ ۴۱۶ھ/ ۱۰۲۵ء میں کیا جبکہ ہندوستان میں مسلمانوں کی باقاعدہ حکومت کی تشکیل قطب الدین ایبک کے دورِ حکومت (۶۰۲ھ تا ۶۰۷ھ) میں ہوئی۔ دونوں سلاطین کا دور حکومت کا مفاصلہ تقریباً دوسو سال بنتا ہے۔

۵۔ ''طبقاتِ اکبری'' نظام الدین خواجہ، مترجم: محمد ایوب قادری، ج: اول، اردو سائنس بورڈ لاہور، ۱۹۹۰ء، ص: ۴۷

۶۔ ''تذکرہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی'' محمود الحسن عارف، ڈاکٹر، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور، ۱۹۹۵ء، ص: ۳۹

۷۔ ایضاً، ص: ۴۰

۸۔ حضرت عثمان غنیؓ ۵۷۵ء میں مکہ میں پیدا ہوئے۔ نبی اکرم ﷺ سے پانچ برس چھوٹے تھے، قبیلہ قریش کے اموی شاخ سے تعلق تھا۔ اسلام کے ابتدائی زمانے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ رسول اکرم ﷺ کی صاحب زادی حضرت رقیہؓ سے شادی ہوئی، آپ کے انتقال کے بعد حضرت ام کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ سے نکاح ہوا۔ ان دونوں شادیوں کے باعث ذوالنورین کا لقب ملا۔ بڑے مالدار تھے، ذاتی دولت کا بڑا حصہ خدمتِ اسلام پر صرف ہوا، ۶۴۴ء کو مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے۔ (اردو انسائیکلو پیڈیا، ص: ۹۷۷)

۹۔ القرآن ۷: ۳۰

۱۰۔ القرآن ۹: ۶۱

۱۱۔ اردو انسائیکلو پیڈیا، فیروز سنز لاہور، پہلا ایڈیشن ۱۹۶۲ء دوسرا ایڈیشن ۱۹۶۸ء، ص: ۵۲

۱۲۔ ''تذکرۃ الصالحین'' محمد عبدالحلیم انصاری، دارالاشاعت رحمانیہ پانی پت، ۱۹۳۸ء، ص: ۱۸/ ۱۷

۱۳۔ تذکرہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی، ص: ۴۵

۱۴۔ ایضاً، ص: ۴۶

۱۵۔ ''سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات'' از خلیق احمد نظامی، ندوۃ المصنفین دہلی، ۱۹۵۸ء، ص: ۱۶۸/ ۱۶۷

۱۶۔ عبدالقادر خانی ''علم و عمل'' مترجم: مولوی معین الدین، جلد اول، آل پاکستان ایجوکیشنل سوسائٹی ۱۷۔ کراچی، ۱۹۶۰ء، ص: ۱۷۲

۱۷۔ تذکرہِ رحمانیہ، ص: ۱۸ تا ۲۱

۱۸۔ محولہ بالا، ص: ۱۷۲

۱۹۔ ''حقیقتِ تصوف اور حضرت بوعلی قلندرؒ'' محمد جاوید، علامہ، علم و عرفان پبلشرز لاہور، ۲۰۰۴ء، ص: [illegible]

۲۰۔ ''پانی پت بزرگان پانی پت'' سید محمد میاں، مولانا، جمعیۃ پبلیکشنز لاہور، فروری ۲۰۰۰ء، ص: ۹۵

۲۱۔ ''سیر الاقطاب'' (فارسی) حضرت الہدیہ ابن شیخ عبدالرحیم، منشی نول کشور، ۱۸۸۹ء، ص: ۱۹۰

۲۲۔ پانی پت بزرگان پانی پت، ص: ۹۵

۲۳۔ ''دیوان بوعلی شاہ قلندر'' بوعلی شاہ قلندر، مرتبہ: شیخ محمد عطا، اشرف برنی پریس سیالکوٹ، ۱۹۳۳ء، ص: ۶۰

۲۴۔ تاریخ ادب اردو، مرتبہ: عبدالقیوم، پاکستان ایجوکیشنل لمیٹڈ کراچی، ۱۹۶۱ء، ص: ۵۸۰

۲۵۔ ایضاً، ص: ۵۸۱/ ۵۸۰

۲۶۔ ''دیوان بوعلی شاہ قلندر'' ص: ۳۰۶

۲۷۔ پانی پت بزرگان پانی پت، ص: ۹۸/ ۹۷

۲۸۔ ''مختصر حالات شرف الدین بوعلی قلندر'' گل چین کرنالی حکیم، اردو مشن ملتان، ۱۹۶۷ء، ص: ۸

۲۹۔ ''دیوان بوعلی شاہ قلندر'' ص: ۳۰۶

۳۰۔ ''فرہنگ آصفیہ'' مولوی احمد علی، ج: سوم، ص: ۳۹۷

۳۱۔ ایضاً، ص: ۳۹۷

۳۲۔ ''مثنوی بوعلی شاہ قلندر'' بوعلی شاہ قلندر، مطبع مجیدی کانپور، ۱۳۲۹ھ، ص: ۴۸

۳۳۔ حقیقتِ تصوف اور بوعلی قلندر، ص: ۴۷

۳۴۔ ''دیوان بوعلی شاہ قلندر'' ص: ۶۵

۳۵۔ ''فرہنگ آصفیہ'' جلد سوم، ص: ۳۹۷

۳۶۔ ''تذکرہ غوثیہ'' ص: ۲۰۲

۳۷۔ ''اخبار الاخیار'' شیخ محدث عبدالحق دہلوی، مترجم: اقبال الدین احمد، دارالاشاعت کراچی، ۱۹۶۳ء، ص: ۱۰۲

۳۸۔ ''تحفۃ الکرام'' میر شیر علی قانع، مترجم: اختر رضوی، ج: سوم، سندھی ادبی بورڈ کراچی، ۱۹۵۹ء، ص: ۴۲۹

۳۹۔ ''دیوان بوعلی شاہ قلندر'' ص: ۲۸۵

۴۰۔ ایضاً، ص: ۲۸۵

۴۱۔ القرآن ۴۳: ۴

۴۲۔ ''دیوان بوعلی شاہ قلندر'' ص: ۷۰

۴۳۔ ایضاً، ص: ۳۰۸

۴۴۔ ایضاً، ص: ۲۷۸

۴۵۔ ایضاً، ص: ۱۴۴

۴۶۔ اخبار الاخیار، ص: ۲۳۱

۴۷۔ مثنوی بوعلی شاہ قلندر، ص: ۱۸/۱۹

۴۸۔ ''دیوان بوعلی شاہ قلندر'' ص: ۱۱۳

۴۹۔ ''خزینۃ الاصفیاء'' غلام سرور، مفتی، ج: اول، مطبع منشی نول کشور کانپور، ص: ۳۲۶

۵۰۔ محولہ بالا، ص: ۷۰

۵۱۔ تذکرہ غوثیہ، مرتبہ: مولانا گل حسن، دارالاشاعت کراچی۔ بار اول: ۱۸۸۴ء بار ہفتم: ۱۹۵۵ء، ص: ۳۶۴

۵۲۔ ''دیوان بوعلی شاہ قلندر'' ص: ۳۷

۵۳۔ مثنوی بوعلی شاہ قلندر ص: ۱۴

۵۴۔ ایضاً، ص: ۲۲

۵۵۔ ایضاً، ص: ۴۳

۵۶۔ ''حیات امداد'' محمد انوار الحسن، پروفیسر، مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی، ۱۹۶۵ء، ص: ۸۹

۵۷۔ سیر الاقطاب (فارسی) ص: ۱۸۹

۵۸۔ ''تذکرہ رحمانیہ'' محمد عبدالحلیم انصاری، ص: ۱۹

۵۹۔ محولہ بالا، ص: ۲۰۱

۶۰۔ محولہ بالا، ص: ۱۱/۱۲

۶۱۔ تحویلدار

۶۲۔ کوتوال، محافظ شہر

۶۳۔ ''سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات'' خلیق احمد نظامی، ص: ۲۶۹

۶۴۔ ''سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات'' خلیق احمد نظامی، ص: ۳۱۰

۶۵۔ ''سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات'' خلیق احمد نظامی، ص: ۳۷۲/۳۷۳

۶۶۔ ''سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات'' خلیق احمد نظامی، ص: ۴۱۱

۶۷. Thomos Arnold"The Preaching of Islam" Shirkat-e-Quaolam, Lahore 1956, P:282

۶۸۔ ''بزم صوفیہ'' عبدالرحمن سید، علامہ ابوالبرکات اکیڈمی لاہور، ۱۹۸۸ء، ص: ۲۵۰

۶۹۔ خزینۃ الاصفیاء، ج: اول، ص: ۳۲۸

۷۰۔ محولہ بالا، ص: ۲۵۱

۷۱۔ ''پانی پت اور بزرگان پانی پت'' سید محمد میاں، مولانا، ص: ۹۹

۷۲۔ اخبار الاخیار، ص: ۲۳۱/۲۳۲

۷۳۔ ایضاً، ص: ۲۳۴

۷۴۔ ''افادات سلیم'' وحید الدین سلیم، کتب خانہ اعظم لاہور، ص: ۵۸

۷۵۔ محولہ بالا، ص: ۵۱

۷۶۔ ایضاً، ص: ۷۲

۷۷۔ ''بال جبرئیل'' علامہ اقبال، جون ۱۹۹۹ء، ص: ۸۲

۷۸۔ ''مثنوی بوعلی شاہ قلندر'' بوعلی شاہ قلندر، ص: ۳۲

۷۹۔ ایضاً، ص: ۳۳

۸۰۔ ایضاً، ص: ۳۴

۸۱۔ ایضاً، ص: ۳۴

۸۲۔ القرآن ۲۲: ۷۸

۸۳۔ ''مثنوی بوعلی شاہ قلندر'' بوعلی شاہ قلندر، ص: ۳۵

۸۴۔ ایضاً، ص: ۳۶

۸۵۔ ایضاً، ص: ۳۲

۸۶۔ القرآن ۲:۱۳۸

۸۷۔ ''مثنوی بوعلی شاہ قلندر'' بوعلی شاہ قلندر، ص:۴۱

۸۸۔ ایضاً، ص: ۴۲/۴۱

۸۹۔ القرآن ۴۵:۲۳

۹۰۔ القرآن ۲۸:۵۰

۹۱۔ ''مثنوی بوعلی شاہ قلندر'' بوعلی شاہ قلندر، ص:۱۷ تا ۱۹

۹۲۔ القرآن ۲۹:۴۵

۹۳۔ القرآن ۲:۱۵۲

۹۴۔ القرآن ۶۲:۱۰

۹۵۔ ''مثنوی بوعلی شاہ قلندر'' بوعلی شاہ قلندر، ص:۲۱/۲۰

۹۶۔ القرآن ۶:۱۴۲

۹۷۔ القرآن ۱۶:۱۱۳

۹۸۔ ''مثنوی بوعلی شاہ قلندر'' بوعلی شاہ قلندر ص:۹/۸

۹۹۔ القرآن ۲۸:۱۰

۱۰۰۔ القرآن ۱۶:۱۲۵

۱۰۱۔ ''مثنوی بوعلی شاہ قلندر'' بوعلی شاہ قلندر ص:۲۶/۲۵

۱۰۲۔ ''معارف اقبال'' غلام مصطفی خاں، ص:۱۲۸

۱۰۳۔ محولہ بالا، ص: ۲۴

۱۰۴۔ ''پانی پت بزرگان پانی پت'' سید محمد میاں، مولانا، ص: ۲۳۰/۲۲۹

۱۰۵۔ سیر الاقطاب (فارسی) ص: ۱۸۶/۱۸۵

۱۰۶۔ ایضاً، ص: ۱۸۵

۱۰۷۔ ''تذکرہ صابر کلیر'' راجہ رشید محمود، نذیر سنز پبلشرز لاہور، ۱۹۹۱ء، ص: ۷۴

۱۰۸۔ ''تذکرہ اولیائے پاک وہند''، اختر دہلوی، فیمس بک اردو بازار لاہور، ۱۹۸۹ء، ص: ۱۷۳

۱۰۹۔ ''تذکرہ اولیائے پاک وہند'' ظہور الحسن شارب، ڈاکٹر، حامد اینڈ کمپنی، ص:۹۱

۱۱۰۔ ''پانی پت اور بزرگان پانی پت'' سید محمد میاں، مولانا، ص: ۲۳۲

۱۱۱۔ القرآن ۹:۱۱۱

۱۱۲۔ ''طبقات اکبری'' خواجہ نظام الدین، مترجم: محمد ایوب قادری، اردو سائنس بورڈ لاہور، ۱۹۹۰ء، ص: ۱۵۳

۱۱۳۔ ''سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات'' خلیق احمد نظامی، ص: ۱۶۳

۱۱۴۔ سیر الاقطاب (فارسی) ص: ۱۸۸/۱۸۷

۱۱۵۔ پانی پت اور بزرگان پانی پت، ص: ۲۶۲

۱۱۶۔ ایضاً، ص: ۲۵۱

۱۱۷۔ ایضاً، ص: ۲۵۱

۱۱۸۔ ایضاً، ص: ۲۵۲ تا ۲۵۴

۱۱۹۔ سیر الاقطاب (فارسی) ص: ۲۰۰

۱۲۰۔ ایضاً، ص: ۲۰۵/۲۰۴

۱۲۱۔ پانی پت اور بزرگان پانی پت، ص: ۲۹۱ تا ۲۹۳

۱۲۲۔ اخبار الاخیار، ص: ۳۳۳ تا ۳۳۶

۱۲۳۔ سیر الاقطاب (فارسی) ص: ۲۲۲

۱۲۴۔ خزینۃ الاصفیہ (فارسی) ج: اول، ص: ۳۹۴

۱۲۵۔ محولہ بالا، ص: ۲۲۵

۱۲۶۔ پانی پت اور بزرگان پانی پت، ص: ۲۹۱

۱۲۷۔ سیر الاقطاب (فارسی) ص: ۲۲۶

۱۲۸۔ محولہ بالا، ص: ۲۹۲

۱۲۹۔ محولہ بالا، ص: ۲۲۸/۲۲۷

۱۳۰۔ سیر الاقطاب (فارسی) ص: ۲۲۸

۱۳۱۔ پانی پت اور بزرگان پانی پت، ص: ۲۹۵

۱۳۲۔ محولہ بالا، ص: ۲۲۹ تا ۲۳۱

۱۳۳۔ ایضاً، ص: ۲۳۲/۲۳۱

۱۳۴۔ پانی پت اور بزرگان پانی پت، ص: ۲۹۸ تا ۳۰۷

۱۳۵۔ ''فقہائے ہند'' محمد اسحاق بھٹی، ج: سوم، دسویں صدی ہجری، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ص: ۲۱۰

۱۳۶۔ شیخ مودود دولاری ۸۵۷ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ توحید مشرب، تنہا پسند اور اہل تفرید اور بلند ہمت کے مالک تھے۔ ۹۰۰ھ میں آگرہ آئے، شیخ امان نے آپ سے علم توحید سیکھا اور فصوص الحکم کے مخصوص مقامات

پڑھے۔آپ نے پانی پت میں ۹۴۲ھ میں وفات پائی۔(اخبارالاخیار،ص:۴۰۲/۴۰۱)

۱۳۷۔ شیخ محمد حسن طاہر جون پوری ۸۳۹ھ میں جون پور میں پیدا ہوئے۔اپنے زمانے کے بڑے عارفِ حال تھے۔ جب آپ خلوت سے باہر آتے تو ہندو، مسلمان سب آپ کو دیکھ کر تعجب سے اللہ اکبر کے نعرے لگاتے۔برسوں حرم مدینہ میں رسالت مآب ﷺ کی مجاوری کی اور جو مشائخ قادریہ یمن میں تھے ان سے بیعت وخلافت حاصل کی۔دہلی میں ۹۴۴ھ میں وفات پائی۔(اخبارالاخیار،ص:۴۰۲)

۱۳۸۔ ''تذکرہ علمائے ہند'' رحمان علی، مولوی، مترجم:ایوب قادری، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی، ۱۹۶۱ء، ص:۱۲۰

۱۳۹۔ اخبارالاخیار،ص:۴۱۴/۴۱۳

۱۴۰۔ ایضاً،ص:۴۱۴

۱۴۱۔ ایضاً،ص:۳۶۶تا۳۶۸

۱۴۲۔ ایضاً،ص:۴۱۴

۱۴۳۔ شیخ سیف الدین ۹۲۰ھ کو دہلی میں پیدا ہوئے۔آپ شیخ محدث دہلوی (م۹۵۸ھ) کے والدِ ماجد تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم وعمل کی بہت سی خوبیاں عطا کی تھیں۔آپ ایک صاحبِ دل بزرگ، اچھے شاعر اور پر لطف انسان تھے۔آپ کو دنیاوی مال ومتاع سے کوئی لگاؤ نہ تھا بلکہ دل ہر وقت اللہ کی یاد میں لگا رہتا۔آپ نے ۹۹۰ھ میں وفات پائی۔(اخبارالاخیار،ص:۴۹۵تا۵۰۹)

۱۴۴۔ شیخ اکرام ''رودِ کوثر'' فیروز سنز لاہور، ۱۹۵۸ء،ص:۲۳۰

۱۴۵۔ اخبارالاخیار،ص:۴۱۵

۱۴۶۔ ایضاً،ص:۴۱۶

۱۴۷۔ ایضاً،ص:۴۱۶

۱۴۸۔ ''101 علمائے پاکستان وہند'' غلام حبیب سجانی، ادارہ تخلیقات لاہور، ۲۰۰۲ء،ص:۳۷۰

۱۴۹۔ اخبارالاخیار،ص:۴۱۸

۱۵۰۔ ''فقہائے ہند'' محمد اسحاق بھٹی، ج:چہارم، گیارہویں صدی ہجری، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ،ص:۲۸۱/۲۸۰

۱۵۱۔ ایضاً،ص:۲۸۱/۲۸۲

۱۵۲۔ ''ماثرالامراء'' صمصام الدولہ شاہنواز خاں، مترجم:محمد ایوب قادری، مرکزی اردو بورڈ لاہور،ص:۱۵۳/۱۵۲

۱۵۳۔ ایضاً،ص:۱۵۳

۱۵۴۔ ایضاً،ص:۵۴

۱۵۵۔ ''تذکرہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی'' محمود الحسن عارف، ڈاکٹر، مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۹۵ء، ص:۶۱/۶۰

۱۵۶۔ ''شمائل واخلاق نبوی'' قاضی ثناء اللہ پانی پتی، مترجم:محمود الحسن عارف، نفیس اکیڈمی لاہور، ۱۹۸۸،ص:۱۴/۱۵

۱۵۷۔ ایضاً،ص:۱۵

۱۵۸۔ ایضاً،ص:۱۵

۱۵۹۔ ایضاً،ص:۱۶

۱۶۰۔ ''تذکرہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی'' محمود الحسن عارف، مشمولہ مکاتیب مرزا مظہر، مرتبہ:عبدالرزاق قریشی، علوی بک ڈپو بمبئی ۱۹۶۶ء،ص:۱۶۷تا۱۳

۱۶۱۔ ''نزہۃ الخواطر'' مولانا عبدالحئی، الجزالسابع مجلس دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن، ۱۳۹۹ھ،ص:۱۵۰

۱۸۲۔ لوائح خانقاہ مظہریہ،ص:۲۴۵

۱۸۳۔ ایضاً،ص:۹

۱۸۴۔ ''خزینۃ الاصفیاء'' مفتی غلام سرور، ج:اول، مطبع نول کشور، ۱۲۸۰ھ،ص:۶۶

۱۸۵۔ تذکرہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی،ص:۱۴۶

۱۸۶۔ ایضاً،ص:۱۴۷

۱۸۷۔ مالابدمنہ (فارسی) مطبوعہ ملتان،ص:۱۴۲

۱۸۸۔ ایضاً،ص:۱۴۷

۱۸۹۔ مقامات مظہری،ص:۳۹۳

۱۹۰۔ اتحاف النبلا،ص:۲۴۰

۱۹۱۔ ''شمائل اخلاق نبوی'' ص:۱۹

۱۹۲۔ مقامات مظہری،ص:۳۹۴/۳۹۳

۱۹۳ ایضاً،ص:۳۹۲

۱۹۴۔ مقامات مظہری،ص:۳۹۳

۱۹۵۔ ایضاً،ص:۳۹۳

۱۹۶۔ شمائل واخلاق نبوی،ص:۲۷تا۳۵

۱۹۷۔ حدائق الحنفیہ،ص:۴۸۴

۱۹۸۔ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ، ج:ششم،ص:۱۰۳۳

۱۹۹۔ آپ ﷺ کے قول، فعل اور تقریر کو حدیث کہتے ہیں۔

۲۰۰۔ علم الروایہ میں عموماً اسناد اور روایت حدیث کی تنقید، جانچ اور پرکھ کی جاتی ہے۔

۲۰۱۔ علم الدرایہ میں متن حدیث کی تنقید کی جاتی ہے۔

۲۰۲۔ تذکرہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی، ص: ۴۳۵

۲۰۳۔ ''ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت'' مناظر احسن گیلانی، مولانا، ج: اول، ندوۃ المصنفین دہلی، ۱۹۶۶ء، ص: ۵۷

۲۰۴۔ ''التفسیر المظہری'' قاضی ثناء اللہ پانی پتی، جلد اول، مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ، ص: ۱۶۸

۲۰۵۔ تذکرہ علماء ہند، ص: ۱۴۴

۲۰۶۔ حدائق الحنفیہ، ص: ۴۸۴

۲۰۷۔ نزہۃ الخواطر (عربی) الجزء السابع، ص: ۱۵۰

۲۰۸۔ مجتہد فی الفتوی وہ ہے جو تمام مسائل کی اچھی طرح تنقیح و تحقیق کرنے اور پھر حسب ضروری مختلف اقوال و آراء میں سے کسی ایک قول کو ترجیح دینے کی اعلی ترین صلاحیتوں سے بہرہ ور ہو۔ (تذکرہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی، ص: ۴۰۱)

۲۰۹۔ مجتہد فی المذہب وہ جو اپنے مسلکی اصولوں کی روشنی میں پیش آئندہ واقعات کے لئے اجتہاد کی بصیرت رکھتا ہو اور اگر اسے نص صریح اپنے امام کے قول کے خلاف مل جائے تو وہ اسے قبول کرنے میں تامل نہ کرے۔ (تذکرہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی، ص: ۴۱۳)

۲۱۰۔ ''التفسیر المظہری'' قاضی ثناء اللہ پانی پتی، جلد دوم، مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ، ص: ۹۶

۲۱۱۔ ''التفسیر المظہری'' قاضی ثناء اللہ پانی پتی، جلد اول، مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ، ص: ۱۶۹/۱۷۰

۲۱۲۔ ایضاً، ص: ۴۰۳

۲۱۳۔ ایضاً، ص: ۴۰۳

۲۱۴۔ ایضاً، ص: ۱۵۵

۲۱۵۔ ایضاً، ص: ۳۷

۲۱۶۔ ایضاً، ص: ۱۵۹

۲۱۷۔ ایضاً، ص: ۱۵۹

۲۱۸۔ ایضاً، ص: ۱۵۹

۲۱۹۔ ایضاً، ص: ۱۱۶

۲۲۰۔ ''علوم القرآن'' تقی عثمانی، مولانا، ادارہ اشاعت اسلام کراچی، ص: ۹۷

۲۲۱۔ ایضاً، ص: ۹۸

۲۲۲۔ تذکرہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی، ص: ۳۳۳ تا ۳۳۸

۲۲۳۔ ایضاً، ص: ۳۳۲

۲۲۴۔ ''التفسیر المظہری'' قاضی ثناء اللہ پانی پتی، جلد اول، مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ، ص: ۱۵۸

۲۲۵۔ ایضاً، ص: ۱۷۱

۲۲۶۔ تذکرہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی، ص: ۷۲ تا ۷۶

۲۲۷۔ ''علوم القرآن'' تقی عثمانی، مولانا، بحوالہ: الاتقان از علامہ جلال الدین سیوطیؒ، ج: دوم، ص: ۱۸۵

۲۲۸۔ ''التفسیر المظہری'' قاضی ثناء اللہ پانی پتی، جلد اول، مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ، ص: ۱۸

۲۲۹۔ ''التفسیر المظہری'' قاضی ثناء اللہ پانی پتی، جلد پنجم، مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ، ص: ۲۸۲

۲۳۰۔ ''التفسیر المظہری'' قاضی ثناء اللہ پانی پتی، جلد اول، مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ، ص: ۴۴۸

۲۳۱۔ تذکرہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی، ص: ۲۸۶ تا ۲۸۸

۲۳۲۔ ایضاً، ص: ۴۹۳

۲۳۳۔ دیکھئے حاشیہ ''مالابدمنہ'' مطبوعہ ملتان، ص: ۳

۲۳۴۔ ایضاً، ص: ۳

۲۳۵۔ ''مالابدمنہ'' قاضی ثناء اللہ پانی پتی، حاشیہ: سعد الدین لکھنوی، لکھنو، ۱۲۵۷ھ، ص: ۹

۲۳۶۔ ایضاً، ص: ۱۰

۲۳۷۔ مالابدمنہ، مطبوعہ ملتان، ص: ۱۳۸

۲۳۸۔ ایضاً، ص: ۱۴۳

۲۳۹۔ ایضاً، ص: ۱۲۲

۲۴۰۔ ایضاً، ص: ۷۲

۲۴۱۔ ایضاً، ص: ۹۲/۹۳

۲۴۲۔ ایضاً، ص: ۱۱۵

۲۴۳۔ کال نمبر ۱۱،۲۵۱، دارالعلوم کورنگی کراچی

۲۴۴۔ کال نمبر ۳،۱۵۶۱، مدرسہ دینیات حیدرآباد

۲۴۵۔ ''مالابدمنہ'' قاضی ثناء اللہ پانی پتی، مترجم: محمد نور الدین (کشف الحاجہ) سعید کمپنی کراچی، ۱۳۸۹ھ، ص: ۵

۲۴۶۔ فاضل گرامی نے روافض کی جن کتب سے استفادہ کیا ہے ان کی تفصیل۔السیف المسلول (اردو ترجمہ) ص:۱۷ پر درج ہے۔

۲۴۷۔ ''السیف المسلول' قاضی ثناء اللہ پانی پتی،مترجم:مولانا رفیق اثری، فاروقی کتب خانہ ملتان،نومبر ۱۹۷۹ء، ص:۲۶۶

۲۴۸۔ ایضاً،ص:۱۶/۱۷

۲۴۹۔ تذکرہ قاضی ثناءاللہ پانی پتی،مئولف:ڈاکٹر محمود الحسن،ص:۵۳۰/۵۲۹

۲۵۰۔ السیف المسلول (اردو)،ص:ج

۲۵۱۔ ''ارشادالطالبین'' قاضی ثناءاللہ پانی پتی،مترجم:ڈاکٹر غلام محمد،مکتبہ اسحاقیہ کراچی،اکتوبر ۱۹۸۲ء،ص:۵۸

۲۵۲۔ ایضاً،ص:۲۷

۲۵۳۔ ایضاً،ص:۴۴

۲۵۴۔ ایضاً،ص:۳۶/۳۵

۲۵۵۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں،''تذکرہ قاضی ثناءاللہ پانی پتی''مئولف:محمود الحسن عارف،ص:۵۳۷

۲۵۶۔ ''درمسئلہ سماع ووحدت الوجود'' قاضی ثناءاللہ پانی پتی،مطبع مجتبائی دہلی، ۱۹۰۴ء،ص:۲

۲۵۷۔ ایضاً،ص:۲

۲۵۸۔ ایضاً،ص:۲

۲۵۹۔ ایضاً،ص:۳تا۷

۲۶۰۔ ایضاً،ص:۸/۷

۲۶۱۔ ایضاً،ص:۸

۲۶۲۔ ایضاً،ص:۱۰/۹

۲۶۳۔ ایضاً،ص:۱۱

۲۶۴۔ ایضاً،ص:۱۱

۲۶۵۔ تذکرہ قاضی ثناءاللہ پانی پتی،ص:۵۵۹

۲۶۶۔ ''حقیقت الاسلام'' قاضی ثناءاللہ پانی پتی،مترجم:قاری قیام الدین (تاج اعظم) حسین آگاہی ملتان،ص:۶

۲۶۷۔ حقیقت الاسلام (اردو) ص:۷

۲۶۸۔ ایضاً،ص:۷

۲۶۹۔ ایضاً،ص:۲۲/۲۱

۲۷۰۔ ایضاً،ص:۱۲۸

۲۷۱۔ ایضاً،ص:۷۴

۲۷۲۔ ایضاً،ص:۷۶

۲۷۳۔ ایضاً،ص:۷۶

۲۷۴۔ ایضاً،ص:۷۶

۲۷۵۔ ''الشہاب الثاقب'' (فارسی) قاضی ثناءاللہ پانی پتی،مطبع محمدی دہلی،ص:۳

۲۷۶۔ ایضاً،ص:۲

۲۷۷۔ ایضاً،ص:۱۲/۱۱

۲۷۸۔ ایضاً،ص:۶۴

۲۷۹۔ ''تذکرۃ الموتی والقبور'' قاضی ثناء اللہ پانی پتی،مترجم:مولانا اقبال الدین احمد،واحد بک ،ڈپو کراچی، ۱۹۶۷،ص:۹

۲۸۰۔ ایضاً،ص:۳۲

۲۸۱۔ ایضاً،ص:۳۳

۲۸۲۔ ایضاً،ص:۱۰۱

۲۸۳۔ ایضاً،ص:۷۶

۲۸۴۔ ایضاً،ص:۷۶

۲۸۵۔ ایضاً،ص:۱۰

۲۸۶۔ ایضاً،ص:۱۰

۲۸۷۔ ایضاً،ص:۱۰

۲۸۸۔ ایضاً،ص:۷

۲۸۹۔ ''تذکرۃ المعاد'' قاضی ثناءاللہ پانی پتی (فارسی) مطبع نول کشور،۱۲۸۷ھ،ص:۲

۲۹۰۔ ایضاً،ص:۱۳

۲۹۱۔ ایضاً،ص:۱۳

۲۹۲۔ ''تذکرۃ الصالحین'' قاری محمد عبدالحلیم انصاری،دارالاشاعت رحمانیہ پانی پت،۱۹۳۸ء،ص:۲۷

۲۹۳۔ ایضاً،ص:۱۳/۱۲

۲۹۴۔ ایضاً،ص:۱۵

۲۹۵۔ ایضاً،ص: ۲۲/۲۳

۲۹۶۔ ایضاً،ص: ۲۳تا۲۶

۲۹۷۔ ''ہندوستان میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم وتربیت'' مولانا مناظر احسن گیلانی، ج:اول، مشمولہ: تذکرہ رحمانیہ از عبدالحلیم انصاری، ص:۳۱

۲۹۸۔ ''تذکرہ رحمانیہ'' مولانا عبدالحلیم انصاری، دارالاشاعت رحمانیہ پانی پت ۱۹۳۸ء، ص:۲۸/۲۹

۲۹۹۔ ایضاً،ص:۳۲

۳۰۰۔ ایضاً،ص:۳۳تا۳۵

۳۰۱۔ ایضاً،ص:۳۳تا۳۹

۳۰۲۔ مشاہیر علمائے دیوبند از حافظ فیوض الرحمن، ج:اول، مشمولہ: نزہۃ الخواطر، مؤلف: مولانا حکیم سید عبدالحئی، حیدرآباد دکن ۱۹۷۰ء، ج:۸، ص:۲۴۶/۲۴۵ (اردو)

۳۰۳۔ نقوش، مدیر: محمد طفیل، مطبوعہ لاہور، اپریل ۱۹۵۳ء، ص:۸

۳۰۴۔ تذکرہ رحمانیہ از عبدالحلیم انصاری، ص:۴۱

۳۰۵۔ ایضاً،ص: ۲۲/۲۳

۳۰۶۔ ایضاً،ص:۴۰

۳۰۷۔ ایضاً،ص: ۴۲/۴۳

۳۰۸۔ تفصیل کے لئے دیکھئے (مقالات سلیمان از سلیمان ندوی، مرتبہ: شاہ معین الدین احمد ندوی ج: دوم، مطبع اعظم گڈھ، ۱۹۶۸ء، ص: ۴۷/۴۴)

۳۰۹۔ شاہ صاحب کے چار فرزند تھے شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالغنی جن میں ہر ایک آسمان علم کا درخشندہ ستارہ ہے۔

۳۱۰۔ مقالات سلیمان از سلیمان ندوی، مرتبہ: شاہ معین الدین احمد ندوی ج: دوم، مطبع اعظم گڈھ، ۱۹۶۸ء، ص: ۴۷

۳۱۱۔ ایضاً،ص:۵۱

۳۱۲۔ شاہ عبدالعزیز نے وفات سے قبل مدرسہ رحیمیہ شاہ اسحاق کو سپرد فرما کر جانشین مقرر فرما دیا تھا۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے، تاریخ دارالعلوم دیوبند از سید محبوب رضوی)

۳۱۳۔ تاریخ دارالعلوم دیوبند از سید محبوب رضوی، ص:۹۵

۳۱۴۔ تذکرہ علمائے ہند، ص:۴۰۹

۳۱۵۔ ایضاً،ص:۵۷۸

۳۱۶۔ مشاہیر علمائے دیوبند، از حافظ فیوض الرحمن، ج:اول، مشمولہ نزہۃ الخواطر (اردو) ج:۸، ص:۲۴۶/۲۴۵

۳۱۷۔ تذکرہ رحمانیہ از مولانا عبدالحلیم انصاری، ص:۴۹

۳۱۸۔ ایضاً،ص:۴۶/۴۷

۳۱۹۔ تذکرہ علمائے ہند، ص:۵۷۸

۳۲۰۔ نقوش، مدیر: محمد طفیل، فروغ اردو لاہور، اپریل ۱۹۵۳ء، ص:۸

۳۲۱۔ ایضاً،ص:۸

۳۲۲۔ ''شرح سبعہ قراءت'' قاری محی الاسلام عثمانی، ج:اول، ادارہ اسلامیات لاہور، ۱۳۴۷ھ، ص:۸

۳۲۳۔ تذکرہ علمائے ہند، ص:۵۷۸

۳۲۴۔ نقوش، مدیر: محمد طفیل، فروغ اردو لاہور، اپریل ۱۹۵۳ء، ص:۸

۳۲۵۔ ایضاً،ص:۹

۳۲۶۔ ایضاً،ص:۹

۳۲۷۔ قاری طاہر رحیمی ''سوانح فتحیہ'' ص:۵۴

۳۲۸۔ جو قراءت (۱) نحوی وجوہ میں سے کسی ایک وجہ کے موافق ہو (۲) مصاحف عثمانیہ میں سے کسی ایک کی رسم کے مطابق ہو عام ہے کہ یہ مطابقت ظاہراً ہو یا احتمالاً اور تقدیراً (۳) صحیح اور متصل سند سے ثابت ہو یعنی اس کی سند نبی ﷺ تک پہنچتی ہو جس میں یہ تینوں رکن پائے جائیں وہ قراءت صحیح ہے۔ اور ان سات حروف (لغات) میں سے جن پر قرآن نازل ہوا ہے اور اس کا ردوانکار جائز نہیں بلکہ مسلمانوں پر اس کا قبول کرنا واجب ہے۔... اور اگر ان تینوں رکن میں سے کوئی رکن خلل پذیر ہو جائے تو وہ ضعیف یا شاذ یا باطل ہے۔ (عنایات رحمانی، جلد اول، ص:۱۶)

۳۲۹۔ نقوش، مدیر: محمد طفیل ادارہ فروغ اردو لاہور، اپریل ۱۹۵۳ء، ص:۸

۳۳۰۔ ایضاً،ص:۹

۳۳۱۔ تحفہ حفاظ مرتبہ: محمد اسحاق ملتانی، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، بار چہارم، ص:۲۵۴

۳۳۲۔ مشاہیر علمائے دیوبند از حافظ فیوض الرحمن، ج:اول، مشمولہ: نزہۃ الخواطر (عربی) ج:۷، ص:۲۴۶/۲۴۵

۳۳۳۔ نقوش، مدیر: محمد طفیل ''ادارہ فروغ اردو لاہور'' اپریل ۱۹۵۳ء، ص:۹

۳۳۴۔ ''الفوز الکبیر'' شاہ ولی اللہ دہلوی، مترجم: محمد سلیم عبداللہ، اردو اکیڈمی سندھ کراچی ۱۹۶۰ء، ص:۱۶

۳۳۵۔ تذکرہ رحمانیہ از مولانا عبدالحلیم انصاری، ص:۲۲۵/۲۲۶

۳۳۶۔ ایضاً،ص:۲۲۶

۳۳۷۔ قاری عبدالرحمن پانی پتی ''رسالہ تحفہ نذریہ'' مترجم: مولوی رحیم الدین، میر محمد کتب خانہ کراچی، ۱۸۹۳ء ص:۱۱

۳۳۸۔ نقوش، مدیر: محمد طفیل، ادارہ فروغ اردو لاہور، اپریل ۱۹۵۳ء، ص:۹

۳۳۹۔ ایضاً ص:۹

۳۴۰۔ ایضاً ص:۱۱

۳۴۱۔ ایضاً ص:۱۱

۳۴۲۔ تذکرہ رحمانیہ ازمولانا عبدالحلیم انصاری، ص:۱۰۵/۱۰۴

۳۴۳۔ نقوش، مدیر: محمد طفیل، ادارہ فروغ اردو لاہور، اپریل ۱۹۵۳ء، ص:۱۰

۳۴۴۔ ایضاً ص:۱۱

۳۴۵۔ ایضاً ص:۱۱

۳۴۶۔ تذکرہ رحمانیہ ازعبدالحلیم انصاری، ص:۱۸۱

۳۴۷۔ ایضاً ص:۲۴۸ تا ۲۵۶

۳۴۸۔ ایضاً ص:۲۶۱

۳۴۹۔ نقوش، مدیر: محمد طفیل، ادارہ فروغ اردو لاہور، اپریل ۱۹۵۳ء، ص:۱۲

۳۵۰۔ تذکرہ رحمانیہ ازمولانا عبدالحلیم انصاری، ص: ۲۳۳ تا ۲۳۹

۳۵۱۔ کال نمبر: ۱ء ۲۲۴

۳۵۲۔ قاری عبدالرحمن پانی پتی ''تحفہ نذریہ'' مترجم: مولوی رحیم الدین (تبین الغاد) میر محمد کتب خانہ کراچی، ۱۸۹۳ء، ص:۳

۳۵۳۔ ایضاً ص:۵۸

۳۵۴۔ ایضاً ص:۵۹

۳۵۵۔ کلمات قرآنی کی دو قسمیں ہیں متفق علیہ جن کو تمام صحابہ کرامؓ نے ایک طرح پڑھا ہے ان میں کوئی اختلاف نہیں ہوسکتا۔ مختلف فیہ جن کو صحابہ کرامؓ نے لغوی اختلاف یا نحوی وجوہ کی بناء پر مختلف طرح پڑھا جاتا ہے۔ دونوں قسم کے الفاظ منزل من اللہ اور حضور نبی اکرم ﷺ کے تعلیم کردہ ہیں۔ مثلاً: ایک صحابی نے صلہ، اظہار، تسہیل اور فتح سیکھا اور دوسرے نے بغیر صلہ، اظہار، تسہیل اور فتح تیسرے نے بغیر صلہ، ادغام، تسہیل اور امالہ۔ اسی طرح اور بہت سی شکلیں ہوسکتی ہیں اور چونکہ ان اختلافات کی کوئی ترتیب بعینہٖ واجب نہ تھی لہٰذا تابعین وتبع تابعین نے اپنے اساتذہ کی قرأت سے باپابندی شرائط نئی ترتیب سے قراآت اختیار کرلیں۔..... محققین نے اپنی کتابوں میں قرأ سبعہ سے مقدم وہ پندرہ قراآت بیان کی ہیں جو صحابہ کرام کے عہد میں پڑھی جاتی تھیں اور جن

سے وہ نماز پڑھتے تھے۔... اب امت کے پاس دس قراءتیں متواترہ باقی ہیں، ان میں سے سات بہت زیادہ مشہور ہیں اور قراء سبعہ میں امام عاصم کوفی پنجم قاری ہیں جن کے دوسرے راوی ابوعمر حفص ہیں۔ (شرح سبعہ قرآت مئولف: قاری محی الاسلام، ج: اول، ص:۷۷ تا ۸۸)

۳۵۶۔ ''رسالہ تحفہ نذریہ'' قاری عبدالرحمن پانی پتی، مترجم: مولوی رحیم الدین، میر محمد کتب خانہ کراچی، ۱۸۹۳ء، ص:۶

۳۵۷۔ ایضاً ص:۷۲

۳۵۸۔ ایضاً ص:۴۴

۳۵۹۔ تذکرۃ الصالحین المعروف تذکرہ رحمانیہ ازقاری عبدالحلیم انصاری، ص: ۲۳۴

۳۶۰۔ قاری عبدالرحمن پانی پتی ''رسالہ تحفہ نذریہ'' مترجم: مولوی رحیم الدین (تبین الغاد) ص:۸۹

۳۶۱۔ کال نمبر: ۲۹۷ء ۳۲۱۲، (ع ب د) لیاقت نیشنل لائبریری کراچی

۳۶۲۔ قاری عبدالرحمن پانی پتی ''فیوض رحمانی'' مطبع قیومی پریس محلہ ٹپکاپور واقع کانپور، ص:۲

۳۶۳۔ ایضاً ص:۴/۳

۳۶۴۔ ایضاً ص:۷/۶

۳۶۵۔ ایضاً ص:۲۶

۳۶۶۔ ایضاً ص:۲۸

۳۶۷۔ ایضاً ص:۴۱

۳۶۸۔ کال نمبر: ۴۹۵۵ دارالعلوم کورنگی کراچی

۳۶۹۔ ''کشف الحجاب'' قاری عبدالرحمن پانی پتی، مطبوعہ: بہار کشمیر واقع لکھنو، ۱۲۹۸ھ، ص:۱۹

۳۷۰۔ کال نمبر: ۵۶۸۴۴ دارالعلوم کورنگی کراچی

۳۷۱۔ ''جوابات اسولہ غیر مقلدین'' قاری عبدالرحمن پانی پتی، مطبوعہ خادم السلام دہلی، ص:۲

۳۷۲۔ تذکرہ رحمانی ازعبدالحلیم انصاری، ص:۲۳۹

۳۷۳۔ ''تعلیم غوثیہ'' گل حسن، مولانا، نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۶۷ء، ص:۵۰۲

۳۷۴۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی ''اخبار الاخیار'' (اردو) ص:۳۵۵

۳۷۵۔ محولہ بالا، ۵۰۲

۳۷۶۔ ''تعلیم غوثیہ'' گل حسن، مولانا، نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۶۷ء ص:۵۰۳

۳۷۷۔ ''تذکرہ غوثیہ'' گل حسن، مولانا، دارالاشاعت کراچی، باراول ۱۸۸۴ء، بارہفتم ۱۹۵۵ء ص:۱۹

۳۷۸۔ ایضاً ص:۱۹ تا ۲۶

۳۷۹۔ ایضاً،ص:۱۹تا۱۴۱

۳۸۰۔ ''سوانح فتحیہ'' قاری طاہر رحیمی،ص:۷۲

۳۸۱۔ ایضاً،ص:۷۲

۳۸۲۔ ایضاً،ص:۷۴

۳۸۳۔ اردو انسائیکلو پیڈیا، فیروز سنز لاہور، پہلا ایڈیشن ۱۹۶۲ء، دوسرا ایڈیشن ۱۹۶۸ء، ص:۹۹

۳۸۴۔ تذکرہ غوثیہ، مرتبہ: مولانا گل حسن، دارالاشاعت کراچی، ص:۲۱۲

۳۸۵۔ ایضاً،ص:۴۲۷

۳۸۶۔ ایضاً،ص:۳۳۷

۳۸۷۔ ایضاً،ص:۲۵۷

۳۸۸۔ ایضاً،ص:۳۳۶

۳۸۹۔ ایضاً،ص:۳۴۰

۳۹۰۔ ایضاً،ص:۳۴۰

۳۹۱۔ ایضاً،ص:۲۰۲

۳۹۲۔ ایضاً،ص:۲۲۶

۳۹۳۔ ایضاً،ص:۴۴۲

۳۹۴۔ ایضاً،ص:۴۳۲

۳۹۵۔ مشاہیر علمائے دیوبند، ج:اول، بحوالہ: مولانا عبدالحیٔ ''نزھۃ الخواطر'' حیدرآباد دکن، ۱۹۷۰ء، ج:۸، ص:۱۴۴

۳۹۶۔ ''سوانح فتحیہ'' قاری طاہر رحیمی،ص:۱۶۹/۱۷۰

۳۹۷۔ ماخوذ ''الشجرۃ الرحیمیہ الفتحیہ'' جامعہ قاسمیہ جھنگ صدر

•□•••□•

باب ــــ سوم

پانی پت کے ادباء

کسی بھی قوم کے مزاج، رجحانات اور واقعات کا اندازہ کرنا ہے تو وہاں کے ادب کا مطالعہ کرنا بے حد ضروری ہے۔ لفظ علم چونکہ ادب کو بھی شامل ہے لہٰذا اس باب میں چند علمی اور ادبی شخصیات کو ضبطِ تحریر میں لایا گیا ہے۔ ان شخصیات کی تخلیقی و تحقیقی کاوش کی بناء پر قوم میں بیداری کی امنگ اور جینے کی جستجو پیدا ہوئی۔ ان علمی و ادبی شخصیات نے سماجی و معاشرتی رسم و رواج کو توڑ کر ایک متحرک اور جاندار ادب کی بنیاد ڈالی جس نے قوم کی بنیادوں کو مستحکم کرنے اور توانائی بخشنے میں صف اول کا کام کیا۔ ان برگزیدہ شخصیات نے روایت کی زنجیروں کو توڑ کر فطری، قدرتی اور حقیقی نظریات کو فروغ دیا۔ اپنے منظوم اور نثری کلام میں رواداری اور بھائی چارگی کا درس دیا تو وقت کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے اور زمانے کے ہم قدم چلنے کی تلقین بھی فرمائی۔ پانی پت کے یہ یگانہ روزگار علماء و ادباء تاریخ کے صفحات میں ہمیشہ آفتاب کی طرح روشن رہیں گے کیونکہ انہوں نے اپنے قلم سے علم و ادب کی ایسی خدمت کی ہے جو ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔

گو کہ پانی پت میں بہت سے علماء و ادباء نے جنم لیا مگر ہم نے چند معروف شخصیات کو منتخب کیا ہے جن کے کارناموں سے صرفِ نظر کرنا سراسر زیادتی کے مترادف ہے۔ مذکورہ تذکرے میں سعد اللہ پانی پتی، محمد افضل پانی پتی، مولانا الطاف حسین حالی، کریم الدین پانی پتی، سلیم پانی پتی اور اسماعیل پانی پتی جیسے اہل علم شامل ہیں۔ علم و ادب کے یہ ستارے تمام عمر جن حالات و کیفیات میں علم و ادب سے وابستہ رہے ان کا اجمالی جائزہ لیا ہے اور جو کارنامے مدون فرمائے ان پر بحث کی گئی ہے۔

شیخ سعد اللہ پانی پتی:

مسلمان جہاں کہیں اسلام کا پیغام لے کر گئے وہاں امن و اخوت و بھائی چارہ اور رواداری کو فروغ دیا۔ اس پیغام اور طرزِ عمل کی بدولت اسلام کے گوشہ عافیت میں غیر مسلموں نے ہمیشہ سر چھپایا اور امن و عافیت کی زندگی بسر کی۔ ہندوستان میں بھی مسلمانوں نے اسی روش کو اختیار کیا اور یہاں کی طرز زندگی میں

رچ بس گئے اور اسے ہی اپنا حقیقی وطن جان کر اپنا تن و من سب کچھ قربان کر دیا۔ مسلمان علماء و مشائخ نے ذات پات کی چکی میں پسنے والے افراد کی دادرسی کی تو حکمرانوں نے ان کی طرزِ زندگی کو ترقی بخشی۔ مسلمان علماء وادباء نے یہاں کے قصے، کہانیاں، گیت اور تاریخی واقعات کو اپنے قلم کی زینت بخشا تو فاتحین نے ظلم و ستم سے چھٹکارا دلایا۔ غرض ہر شخص اور علم وفنون کے ماہر نے اپنی اجنبی حیثیت برقرار نہ رکھی۔ اگر مسلمان حکمرانوں نے رواداری میں بے مثال مظاہرہ کیا تو اہل قلم و دانش بھی کسی طرح ان سے پیچھے نہ رہے۔ دورِ جہانگیری میں رام وسیتا کے فارسی مؤلف مسیحا شیخ سعداللہ پانی پتی جو کہ قصبہ کرنال کے جائے پیدائش ہیں مگر پانی پت کی بدولت شہرت پائی۔ آپ نے ہندی زبان میں مشتمل قصہ رام وسیتا کو فارسی زبان میں قلمبند کیا ہے۔ چند اشعار حسب ذیل ہیں:

درمن وشید انماند اندر حقیقت امتیاز
من بشید امانم وماند بمن شیدے امن
در بزم عاشقاں چو برآرم زسینہ آہ
چون ہیزمی کہ دود اکند دورم وگنند
گراز خداش ولم منکری ببین برجم
کہ پوست کندہ سخن میکند ادانا خن
برخوان عطائے تو مسیحا مرحوم
چوں صورت تصویر کہ باشد برخواں ولہ از مثنوی رام وسیتا (۱)

محمد افضل جھنجانوی یا پانی پتی:

محمد افضل جھنجانوی یا پانی پتی کے متعلق تذکرہ نگار مختلف رائے رکھتے ہیں کہ آیا ان کا تعلق جھنجانہ سے ہے یا پانی پت سے البتہ محمد افضل نے ایک دوازدہ ماہہ (بارہ ماسہ) یا بکٹ کہانی کے مصنف ہیں۔ میر حسن ان کے متعلق لکھتے ہیں:

''محمد افضل، افضل تخلص، از قدیم است کدام ہندو بچہ گوپال نام بود کہ برد عاشق شدہ حسب حال خود بارہ ماسہ عرف بکٹ کہانی گفتہ کہ اکثر کھتریاں وگانیاں مشتاق اوی باشند، نصفے فارسی ونصفے ہندی دارد لیکن قبولیت دادالٰی است بردلہا اثر میکند ازوست:

پڑی ہے گل میں میرے بیم پھانسی
مرن اپنا ہے اور لوگوں کی ہانسی

مسافر سے جنہوں نے دل لگایا
انہوں نے سب جنم روتے گنوایا'' (۳)

ان کے زمانے کے متعلق اشپرنگر نے یادگار شعراء میں 'مخزن نکات' از قائم چاند پوری کے حوالے سے لکھا ہے:

''افضل عبداللہ قطب شاہ سے جو ۱۰۲۰ھ میں تخت نشین ہوتا ہے پیشتر گزرا ہے اس کی تعلیم معمولی حیثیت کی تھی۔ صوفیانہ شعر کہتا تھا اور ایک بکٹ کہانی لکھی ہے جس کا ایک نسخہ انڈیا آفس کے کتب خانے میں محفوظ ہے'' (۴)

ڈاکٹر اشپرنگر نے مذکورہ بالا بیان میں ایک غلطی کی ہے۔ عبداللہ کتب شاہ ۱۰۳۵ھ میں تخت نشین ہوا تھا ۱۰۲۰ھ میں نہیں ۱۰۲۰ھ میں محمد کتب شاہ تخت نشین ہوا تھا یا تو قائم نے محمد کتب شاہ کے بجائے عبداللہ کتب شاہ لکھ دیا یا ۱۰۳۵ھ کی جگہ ۱۰۲۰ھ لکھ دیا۔ (۵)

مذکورہ بالا دونوں بیانات سے بالکل مختلف رائے علی قلی خاں نے اپنے تذکرے ریاض الشعراء میں بیان کی ہے:

علی قلی خاں والہ داغستانی کے قول کے مطابق محمد افضل کا تعلق پانی پت سے ہے۔ ان کا پیشہ معلمی تھا اور آپ نہایت اعلیٰ پائے کے شاعر اور نثر نویس تھے۔ ادھیڑ عمر میں ہندو عورت کے عشق میں گرفتار ہو کر زہد وتقویٰ، عبادت وریاضت اور مسجد ومدرسہ کو خیر باد کہہ دیا۔ عشق مزاجی میں اس حد تک نکل گئے کہ اس کے کوچے کا طواف کرنے لگے۔ اس عاشقانہ دور میں مولانا نے کثرت سے عشقیہ غزلیں لکھیں۔ ایک غزل کا مطلع یہ ہے:

عالم خراب حسنِ قیامت نشانِ کیست
در دہ کدام فتنہ گر است و زمان کیست

اس عشق کی کیفیت لڑکی کے گھر والوں کو پہنچی، بہت بدنامی ہوئی اور بے چاری گھر میں مقید ہو کر رہ گئی۔ مولانا بھی سچے عاشق کی طرح کوچۂ یار میں دھرنا دے کر بیٹھے رہے۔ آخر کار تنگ آ کر لڑکی کے گھر والوں نے اسے متھرا بھیج دیا۔ مولانا کو جب خبر لگی تو وہ بھی کسی طرح متھرا پہنچ گئے اور محبوب کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ ایک دن اتفاق سے وہ لڑکی اپنی سہیلیوں کے ساتھ ٹہلتی ہوئی آ رہی تھی مولانا کی جو نظر پڑی تو فوراً یہ شعر کہہ دیا:

خوشا رسوائی وصال بتا ہے
سر راہے و آہے و نگاہے

وہ لڑکی شعر سن کر بہت جھنجھلائی اور مولانا کو سخت ڈانٹ پلائی کہ منہ پر سفید داڑھی رکھ کر پرائی عورت کا دم بھرتے ہو۔

مولانا نے اب دوسری چال چلی اور لڑکی کو شیشے میں اتارنے کے لئے داڑھی منڈوا اور گلے میں زنار ڈال برہمن کا بھیس بدل کر ایک مندر میں پجاری کے چیلے بن گئے۔ دن ورات خدمت کر کے اپنی قابلیت کے باعث اس پجاری کے دل میں گھر کر لیتے ہیں۔ برہمن کے مرنے کے بعد اس کے جانشین مقرر ہوئے، لوگ گن گانے لگے۔ مندر کے سالانہ میلے میں عورتیں نذر و نیاز لے کر حاضر ہوئیں۔ مولانا کی مطلوبہ بھی اپنی باری پر مہاراج کے پیر چومتی ہے۔ مولانا اسے فوراً روک دیتے ہیں اور مخاطب ہو کر کہتے ہیں ہمیں پہچانتی ہو۔ وہ عورت سر اٹھا کر مولانا کو حیرت سے دیکھتی ہے مولانا کی مشکلات اور جذبہ عشق سے متاثر ہو کر ان سے شادی کر لیتی ہے اور مسلمان ہو جاتی ہے۔ ۱۰۳۵ھ میں مولانا کا انتقال ہوا۔ (۶)

محمود شیرانی والہ داغستانی کے اس بیان کو میر حسن کے بیان پر فوقیت دیتے ہیں جس کی ایک وجہ تو والہ داغستانی کا تقدم زمانی ہے۔ دوسرا بکٹ کہانی کے اختتام پر یہ شعر درج ہے:

بیاد دل ربا خوش حال می باش
گہے افضل گہے گوپال می باش (۷)

مذکورہ بالا شعر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مولانا گوپال کو اپنا نام بتاتے ہیں جب وہ مندر میں برہمن کی زندگی گزار رہے تھے۔ گوپال کسی ہندو بچے کا نام نہیں ہے جیسا کہ میر حسن کا خیال ہے نیز والہ داغستانی کے اس بیان سے کہ افضل ۱۰۳۵ھ میں انتقال کرتے ہیں قائم کے بیان کی تائید ہوتی ہے۔ جس نے لکھا ہے کہ وہ عبداللہ قطب کے دور سے پہلے کے آدمی ہیں۔

محمد افضل کی بکٹ کہانی دراصل ایک بارہ ماسہ یا دوازدہ ماہہ ہے جس میں ایک فراق زدہ عورت اپنے خاوند کی جدائی میں اپنے غم و الم کی کہانی اپنی سہیلیوں کو سنا رہی ہے۔ ہر ماہ کے عنوان کے ذیل میں جدائی کا غم و کیفیات انتہائی درد بھرے انداز میں بیان کی گئی ہے۔ اس نظم میں ایک مصرعے کی بندش آدھی ہندی ہے اور آدھی فارسی۔ بعض نمونے درج ہیں:

چہ سازم چوں کنم کس کن پکاروں — جتن کیا عشق کے غم کا بچاروں
جنوں در ملک جاں جھنڈا گڈایا — سمجھ اور بوجھ کا تھانا اوٹھایا
چوشد مدت پیا کے سنگ رہتے — مرم بایک دیگر کہتے وسنتے
چہ می بینم کہ منگل گاوتی ہیں — میرے گھر ناریاں سب آوتی ہیں (۸)

ہندی لفظ ''دھوم'' میں ش کا اضافہ کر کے فارسی قاعدے سے لے کر حاصل مصدر ''دھومش'' بنالیا ہے۔

اٹھا کر کھرے دھومش مچائی — متاع صبر و تسکین دل لوٹائی

اسماء و افعال میں اکثر لام کو رائے مہملہ کے ساتھ بدل دیا ہے مثلاً: جرنا = جلنا، جارا = جالا بمعنی جلانا، کاری = کالی، بادر = بادل بکٹ کہانی جذبات کے لحاظ سے ہندی نظم ہے اس میں ہندو تہواروں، ہندوانہ زندگی، ہولی، دیوالی، دسہرہ کا ذکر ہے۔ ہولی کے گیت، رنگ کی پچکاریاں، دف اور مردنگ، سر منڈل، گلال اور عبیر کا جگہ جگہ ذکر ہے، کاکا قاصد ہے کوئل کوکتی ہے اور پپیہا پیہ پیہ پکارتا ہے۔ نمونے درج ہیں:

سنوں سکھیوں ۱ بکٹ میری کہانی — پھٹی ۲ ہوں عشق کے غم سوں نمانی ۳
نہ مجھ کو سوکھ دن نہ نیند رات — برہوں ۴ کی آگ سیں سینہ جراتا ۵
تمامی ۶ لوگ مجھ بوری ۷ کہیں ری — خرد گم کردہ و مجنوں کہیں ری
نہیں اس درد کا دارو ۸ کسی کن — پھیے ۹ حیران سبھی حکماء ذوفن
اری جس شخص کوں یہ دیو لاگا ۱۰ — سیاناں دیکھ اوس کوں دور بھاگا
اری یہ ناگ جس کوں دنگ لاوے ۱۱ — نپاوے ۱۲ گا درد جیورا کو (۹)

ایک فراق جدہ عورت اپنے غم والم کی داستان انتہائی درد بھرے انداز سے اپنی سہیلیوں کو سناتے ہوئے کہہ رہی ہے کہ میں عشق کے غم میں عاجز ہو گئی ہوں نہ مجھے دن کو آرام اور نہ رات کو سکوں اس غم میں میرا سینہ جل رہا ہے اور سب لوگ مجھے باؤلی سے تشبیہ دے رہے ہیں۔ وہ چاہیں مجھے غم زدہ کہیں یا مجنوں کہیں اس درد کا علاج کسی کے پاس نہیں۔ اس درد میں جو مبتلا ہوا عقل منداس سے دور بھاگتے ہیں اور یہ ایسا ناگ ہے کہ جب ڈنگ مارتا ہے تو اس کا درد ساری عمر محسوس ہوتا ہے۔

آگے چل کر عورت خاوند کے دیدار میں مدت تک گھر گھر اور بازار سرگرداں رہتی ہے۔ آخر کار اپنے پیا کو پالیتی ہے حسب ذیل شعر عورت کے جذبات کی عکاسی یوں کرتا ہے:

ملن ا پاچھی ۲ بچھرناں ۳ بھی کٹھن ہے — کہو اب زندگی کا کیا جتن ہے (۱۰)

ساون کے عنوان کے ذیل میں جو سماں اور کیفیات پیدا ہوتی ہیں ان کا خوبصورتی سے نقشہ عورت کی زبانی کھینچا ہے کہ ساون کی آمد ہو چکی ہے ہر طرف کالے بادل چھائے ہوئے ہیں۔ پپیہا پیہ پیہ کرتا ہے، مینڈک پکارتے ہیں، جھینگر بولتے ہیں، کوئل کوکتی ہے، اندھیری رات میں جگنو جگمگاتا ہے اور ہر طرف جل تھل اور سبزہ ہی سبزہ ہے۔ ہم جولیاں کھیلتی کودتی ہیں مگر عورت اپنے پیا کے بغیر اس موسم سے لطف اندوز ہونے کے بجائے حسد کرتی ہے جس کا اظہار وہ اس طرح کرتی ہے۔

هندولی جھولتی سبہ نار پیہ سنگ — حسد کی آگ می جارا ۴ میرا انگ
چلا ساون دگر ساجن نہ آہی — ارے کن ۱۵ سوکنی ۶ تونی چلا ہی (۱۱)

بھادوں کے عنوان میں موسم کی دلکشی اور خوبصورتی کا ذکر انتہائی دردمندانہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

سکھی بھادوں تپت بھو تی ۷ پریری ۸ — تمامی تن بدن میرا جری ری ۹
سیہ ۱۰ بادر چھاروں اور چھائیں — لیا مجھ گھیر پیہ ۱۱ اجھوں ۱۲ تیا میں ۱۳
چھوروں ۱۴ پرنی ۱۵ لگی اور راعد ۱۶ گرجا — تمامی تن بدن جیوجان لرجا ۱۷ (۱۲)

آخر میں صبا سے عورت شکایت کرتی ہے کہ میرے پیا کو جا کر خبر کرو کہ کب تک اس کا انتظار کروں۔

خدا را اے صبا ہیں حال میرا — پیا کوں کہوہ ۱۸ کری تک ایک پیرا (۱۳)

اسوج کے عنوان میں عورت کی داستان مزید غم والم سے لبریز ہو جاتی ہے یہاں تک کہ دسہرا کی خوشیاں بھی آ کر چلی جاتیں ہیں مگر پیا کی خبر نہیں آتی اور عورت پیا کی جدائی میں اپنے رنج و دکھ کا اظہار اس طرح کرتی ہے۔

سکھی اس سوچ میں سبہ عمر جاتی — سبھو سیں غم پیاری کا سناتی
کہ ہووے جا کہے کو ہی اس سجن سوں — سنی دل سو کبھی ہمن کوں
سکھی اسوج رت چلتی رہی ری
پیا بن برہن جلتی رہی ری (۱۴)

الغرض افضل نے عورت کی زبانی بارہ مہینوں کے عنوان میں موسمی کیفیات، رنگینیوں اور اس ضمن میں ہندی تہواروں کا ذکر بڑے دلکش انداز میں کیا ہے نیز فراق جدہ عورت کی کہانی جس خوبصورت پیرائے میں بیان کی ہے اس سے شاعر کی قدرتی وفطری مناظر اور ہندی تہواروں سے وابستگی کا پتا چلتا ہے۔

خواجہ الطاف حسین حالی:

شمس العلماء خواجہ الطاف حسین حالی کی ولادت تقریباً ۱۲۵۳ھ مطابق ۱۸۳۷ء بمقام پانی پت میں ہوئی۔ آپ انصاریوں کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ننھیال سادات کے معزز گھرانے ''سادات شہداء پور'' کے نام سے پانی پت میں مشہور ہے سے تعلق رکھتے ہیں اور پدری سلسلہ ایک بزرگ خواجہ ملک علی (م ۷۱۸ھ) تک پہنچتا ہے جو اپنے وقت کے ایک مشہور و معروف عالم تھے۔ یہ بزرگ غیاث

الدین بلبن (م ۶۸۶ھ) کے زمانے میں ہرات سے ہندوستان وارد ہوئے چونکہ غیاث الدین اس بات میں مشہور تھا کہ وہ قدیم اشراف خاندانوں کی بہت عزت کرتا تھا اور اس کا بیٹا سلطان محمد (م ۶۸۳ھ)، علماء و شعراء اور دیگر اہل کمال کا بہت زیادہ قدردان تھا اس لئے اکثر اہل علم اور عالی خاندان لوگ ایران وترکستان سے ہندوستان کا قصد کرتے تھے۔ اسی شہرت کے باعث خواجہ ملک علی بھی سفر ہندوستان پر آمادہ ہوئے۔ چنانچہ سلطان غیاث الدین نے چند عمدہ اور سیر حاصل دیہات پرگنہ پانی پت میں اور متعدد اراضی سواد قصبہ پانی پت میں بطور مدد معاش کے اور بہت سی زمین اندرونِ آبادی قصبہ پانی پت میں واسطے سکونت کے ان کو عنایت کی اور منصبِ قضاء وصدارت وتشخیصِ نرخ بازار اور تولیتِ مزارات ائمہ جو سوادِ پانی پت میں واقعہ ہیں اور خطابتِ عیدین ان کے متعلق کر دیں۔ پانی پت میں جواب تک ایک محلہ انصاریوں کا مشہور ہے وہ انہی بزرگ کی اولاد سے منسوب ہے۔ (۱۵)

خواجہ الطاف حسین حالی کی ولادت کے بعد آپ کی والدہ کا دماغ مختل ہو گیا اور والد بزرگوار نے (چالیس برس کی عمر) سن کہولت میں انتقال کیا جب کہ آپ کی عمر نو برس کی تھی۔ اس لئے ہوش سنبھالا تو بہن بھائیوں کو اپنا سرپرست پایا۔ انہوں نے اول قرآن کریم حفظ کرایا۔ چونکہ تعلیم کا بے حد شوق تھا مگر باقاعدہ اور مسلسل تعلیم حاصل کرنے کا کبھی موقع نہ ملا۔ ایک بزرگ سید جعفر علی مرحوم جو میر ممنون دہلوی کے بھتیجے اور داماد تھے اور فارسی لٹریچر میں اہم مقام رکھتے تھے ان سے دو چار فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں جس سے فارسی لٹریچر سے مناسبت پیدا ہو گئی پھر عربی کا شوق ہوا۔ انہی دنوں میں مولوی حاجی ابراہیم حسین انصاری مرحوم لکھنؤ نے امامت کی سند لے کر آئے تھے، ان سے صرف ونحو پڑھی۔ (۱۶)

سترہ برس کی عمر میں آپ کی شادی کر دی گئی۔ تحصیل علم کے شوق اور اس خیال سے کہ بیوی کے گھر والے خوشحال ہیں یہ چپکے سے گھر چھوڑ کر ۱۸۵۴ء میں دہلی چلے آئے۔ یہاں مولوی نوازش علی جو اس زمانے کے ایک مشہور معلم اور واعظ تھے، ان سے ڈیڑھ سال تک عربی پڑھتے رہے۔ دلی میں شرح مسلم، ملاحسن اور میبذی پڑھنی شروع کی تھی کہ ۱۸۵۵ء میں عزیز و اقارب کے اصرار پر پانی پت واپس چلے آئے اور یہاں اپنے طور کتب بینی کا شوق پورا کرتے رہے۔ ۱۸۵۶ء میں ضلع حصار میں ایک قلیل تنخواہ کی آسامی صاحبِ کلکٹر کے دفتر میں مل گئی۔ ۱۸۵۷ء میں جب فتنہ سپاہِ باغی ہندوستان میں برپا ہوا اور حصار میں بھی اکثر سخت واقعات ظہور پذیر ہوئے اور سرکاری عملداری اٹھ گئی تو آپ پانی پت چلے آئے اور تقریباً چار برس بیکاری اور فضول کے پانی پت میں گزارے۔ اسی اثناء میں پانی پت کے مشہور فضلاء مولوی عبدالرحمن، مولوی محب اللہ اور مولوی قلندر علی مرحوم سے بغیر کسی تربیت اور نظام کے کبھی منطق یا فلسفہ، کبھی حدیث کبھی تفسیر پڑھتے رہے۔ (۱۷)

۱۸۶۳ء میں نواب مصطفی خاں (م ۱۸۶۹ء) رئیس دہلی و تعلقہ دار جہانگیر آباد ضلع بلند شہر سے جو فارسی میں حسرتی اور اردو میں شیفتہ تخلص کرتے تھے اور شاعری کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے شناسائی ہوگئی اور آٹھ برس تک بطورِ مصاحبت ان کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا۔ ان کی رفاقت میں طبعی میلان نے حرکت کی اور آپ کی سرپرستی میں اردو اور فارسی کی غزلیں لکھنے لگے۔ نواب شیفتہ کی وفات کے بعد لاہور چلے آئے اور گورنمنٹ ڈپو میں انگریزی سے اردو میں جو ترجمے ہوتے تھے ان کی عبارت درست کرنے کی نوکری مل گئی۔ چار برس تک اسی خدمت پر مامور رہے۔ اس سے انگریزی لٹریچر کے ساتھ فی الجملہ مناسبت پیدا ہو گئی لہٰذا مشرقی شاعری اور مشرقی انشاء پردازی کی فضول باتوں کی وقعت ان کے دل میں کم ہوگئی اور اس کے ساتھ اپنی زبان اور اپنی شاعری میں بھی اس طرح کی اصلاح کا خیال پیدا ہوا۔ (۱۸)

۱۸۷۴ء میں کرنل ہال رائیڈ ڈائریکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب نے لاہور میں جدید اردو شاعری کے سلسلے میں مشاعروں کی بنیاد ڈالی اس تحریک کے سرگرم رکن مولانا محمد حسین آزاد تھے۔ حالی کو اپنے جذبہ فطری کی مشق کا موقع مل گیا چنانچہ ان کی چار مشہور نظمیں پہلی برکھارت، دوسری نشاطِ امید، تیسری مناظرہ رحم و انصاف اور چوتھی حب وطن ان مشاعروں کی یادگار ہیں۔ لاہور سے حالی واپس دہلی آگئے یہاں ان کو انگلو عربک اسکول میں معلمی کی جگہ مل گئی۔ دہلی میں سکونت کے دوران سرسید (م ۱۸۹۸ء) سے ان کی ملاقات ہوئی۔ جن کی خاص فرمائش پر ۱۸۷۹ء میں مشہور و معروف ''مسدس'' لکھا۔ نواب سر آسمان جاہ مدار المہام سلطنتِ آصفیہ علی گڑھ پہنچے تو سرسید احمد خان نے مولانا حالی کو ان کی خدمت میں پیش کیا۔ نواب صاحب نے مولانا حالی کے لئے پچھتر روپے ماہوار علمی وظیفہ مقرر کرکے ان کو فکرِ معاش سے آزاد کردیا۔ ۱۸۸۹ء میں جب علی گڑھ سے ڈیپوٹیشن حیدر آباد پہنچا تو حالی اس کے رکن تھے۔ اس مرتبہ نواب صاحب نے مولانا کا وظیفہ پچھتر روپے سے بڑھا کر سو روپے ماہوار کردیا۔ (۱۹)

حالی کی تصانیف نثر:

مولانا حالی نے چند کتابیں تحریر کیں ہیں جن کی ترتیب حسب ذیل ہے۔ (۲۰)

۱۔ تریاق مسموم: یہ پادری عماد الدین کی کتاب ہدایت المسلمین کے رد میں ہے۔ مطبوعہ ۱۸۶۷ء

۲۔ طباق الارض: مطبوعہ ۱۸۶۸ء (۲۱)

۳۔ اصول فارسی: مطبوعہ ۱۸۶۸ء (۲۲)

۴۔ مولود شریف: (تصنیف قبل ۱۸۷۰ء مطبوعہ ۱۹۳۲ء) (۲۳)

مذکورہ کتاب مولانا الطاف حسین حالی کی اولین کاوش ہے۔ مؤلف کو آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس سے والہانہ عشق تھا۔ آپ کا دل امتِ محمدی ﷺ کی بے قراری اور بے چینی میں تڑپتا تھا اسی لئے

امت کی رہنمائی و رہبری کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے تھے یہی وہ جذبہ تھا جو عمر بھر آپ کے قلم سے ٹپکتا رہا اور یہی چیز تھی جو عمر بھر آپ کے افعال کو محرک کرتی رہی اور جس نے آپ کو اعلیٰ درجے کا شاعر، نقاد، مصنف، محبت و خلوص کا مجسمہ اور اخلاق کا اعلیٰ نمونہ بنایا۔

مذکورہ کتاب میں آپ ﷺ کی بعثت کی برکات اور انوارات کا ذکر انتہائی خلوص اور محبت سے فرمایا ہے۔ آپ ﷺ کی بعثت کی بدولت کائنات کو بیش بہا ثمرات میسر آئے اور خصوصاً امتِ محمدی ﷺ کو آپ کی بدولت ایسی شریعت ملی جس پر عمل پیرا ہونے سے دنیا و آخرت میں بھلائی اور خیر و برکت ہے۔ آپ ﷺ کی اطاعت و پیروی کی بدولت دنیا آخرت کی نعمتیں ملیں اور ایسی سہل شریعت ملی جس پر تھوڑا سا عمل بھی کرنے سے کئی گنا ثواب ملتا ہے۔ آپ ﷺ سراپا رحمت، نورِ مجسم، یتیموں کے والی اور بے کسوں کے غم خوار تھے۔ قوم کی ہدایت کے حریص تھے۔ تکالیف اور گالیاں کھانے کے باوجود بددعا کے بجائے دعائیں دیں، خود بھوکے رہتے مگر دوسروں کو کھانا کھلاتے یہاں تک کہ اپنے شدید ترین دشمنوں سے نیک خواہشات کا اظہار فرماتے۔ غرض آپ ﷺ کی فضیلت بزرگی اور خوبیوں کا ذکر کرنے کے بعد آپ ﷺ کی بعثت کے وقت اور بعد ازاں رونما ہونے والے واقعات کو قلم بند کیا گیا ہے۔

کتاب کے خاتمہ سے قبل حلیہ شریف بیان کیا ہے اور قرآنی آیات و احادیث سے آپ ﷺ کی محبت اور اطاعت کا ذکر فرمایا ہے۔ حالی نے جگہ جگہ آپ ﷺ پر درود اور سلام اشعار کی صورت میں بھیجا ہے اور اشعار کا انتخاب فارسی، عربی اور اردو تینوں زبانوں میں بڑی خوبصورتی اور دیدہ زیبی سے کیا ہے کہ جسے پڑھ کر قاری کے دل و جان میں آپ ﷺ کی محبت اور عظمت سرایت کر جاتی ہے۔

۵۔ تاریخ محمدی ﷺ پر منصفانہ رائے۔ مطبوعہ ۱۸۷۲ء

۶۔ شواہد الالہام

۷۔ مجالس النساء (دو حصے) مطبوعہ ۱۸۷۴ء۔ عورتوں کی تعلیم کے لئے قصے کے پیرائے میں یہ کتاب ترتیب دی گئی ہے جس پر کرنل ہالرائیڈ نے ایک ایجوکیشنل دربار میں بمقام دہلی لارڈ نارتھ بروک کے ہاتھ سے چار سو روپے کا انعام دلوایا اور اس کتاب کو مدت تک پنجاب کے مدارس نسواں میں پڑھایا جاتا رہا۔

۸۔ سوانح عمری حکیم ناصر خسرو علوی ۱۸۸۲ء

۹۔ حیاتِ سعدی مطبوعہ ۱۸۸۶ء

۱۰۔ مقدمہ دیوان حالی مطبوعہ ۱۸۹۳ء

۱۱۔ یادگارِ غالب مطبوعہ ۱۸۹۶ء

۱۲۔ حیاتِ جاوید مطبوعہ ۱۹۰۱ء

۱۳۔ سوانحِ عمری مولانا عبدالرحمٰن محدث پانی پتی

۱۴۔ مضامینِ حالی

۱۵۔ مقالاتِ حالی

۱۶۔ مکتوباتِ حالی

حالی کی تصانیف نظم:

۱۔ برکھارت ۱۸۷۴ء

۲۔ نشاطِ امید ۱۸۷۴ء

۳۔ رحم وانصاف ۱۸۷۵ء

۴۔ حُبِ وطن ۱۸۷۵ء (۲۴)

حالی کی مذکورہ نظم بارہ بند پر مشتمل ہے جس میں وطن کے پہاڑ، دریا، جنگلات گرمی وسردی اور صبح وشام کا نقشہ حسین وخوبصورت انداز میں کھینچا ہے اور اپنی محبت کا اظہار والہانہ انداز میں کیا ہے۔ وطن کی محبت سے سرشار حالی ایک پل بھی اس سے جدائی اور بے وفائی کا نہیں سوچ سکتے بلکہ ہر پل اور ہر لحظہ اس پر قربان کرنے کے لئے آمادہ رہتے ہیں۔ حالی کے نزدیک وطن سے محبت اور عشق کا تقاضا ہے کہ اس کی عظمت وبڑائی اور بلندی ورفعت کے لئے محنت، بے غرضی، ایثار اور خدمت کا جذبہ ہونا لازمی ہے۔ جس کے بغیر ملک وقوم ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہوسکتی۔

۵۔ مسدس مدوجزر اسلام ۱۸۷۹ء

۶۔ شکوہ ہند ۱۸۸۶ء

۷۔ مناجاتِ بیوہ ۱۸۸۷ء

۸۔ دیوان حالی ۱۸۹۳ء

۹۔ چپ کی داد ۱۹۰۵ء

۱۰۔ رباعیاتِ حالی ۱۹۱۸ء

مولانا کو ۱۹۰۴ء میں ان کی قابلیت اور تعلیمی خدمات کے صلے میں سرکار سے شمس العلماء کا خطاب ملا۔ بالآخر ۷۷ برس کی عمر میں ۱۳ صفر ۱۳۳۳ھ بمطابق ۱۹۱۴ء کو اس دنیا سے رحلت فرمائی۔ (۲۵)

گو حالی شعر وسخن سے زیادہ شغف نہ رکھتے تھے مگر غالب (م ۱۸۶۹ء) کی صحبت نے انہیں اس طرف راغب کیا تاکہ ان میں مخفی صلاحیت عیاں ہو اور لوگ ان سے مستفید ہوسکیں چنانچہ دلّی میں سکونت کے دوران مرزا غالب کی صحبت نے انہیں شعر وسخن پر آمادہ کیا۔ اس ضمن میں حالی کہتے ہیں:

"جس زمانے میں میرا دلّی جانا ہوا تھا مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ مرحوم کی خدمت میں اکثر جانے کا اتفاق ہوتا تھا اور اکثر ان کے اردو اور فارسی دیوان کے اشعار جو سمجھ میں نہ آتے تھے ان کے معنی ان سے پوچھا کرتا تھا......ان کی عادت تھی کہ وہ اپنے ملنے والوں کو اکثر فکرِ شعر کہنے سے منع کیا کرتے تھے مگر میں نے جو ایک آدھ غزل اردو یا فارسی کی لکھ کر ان کو دکھلائی تو انہوں نے مجھ سے یہ کہا.....اگر تم شعر نہ کہو گے اپنی طبیعت پر سخت ظلم کرو گے" (۲۶)

غالب (م ۱۸۶۹ء) کی صحبت نے حالی کو فکرِ شعر پر متحرک کیا تو نواب شیفتہ (م ۱۸۶۹ء) کی محبت نے اس فن کو جلا بخشی اور اس کے ساتھ ساتھ حالی کی دینی ہمیت اور غیرت کو بھی ابھارا اس ضمن میں ڈاکٹر غلام مصطفی کہتے ہیں:

"مولانا حالی نے نواب شیفتہ جیسے سخن فہم اور شیدائے رسول ﷺ کی مصاحبت میں نا صرف ادب وشعر میں پختگی حاصل کی تھی بلکہ دین کے لئے والہانہ تعلق بھی پیدا کیا تھا۔ (۲۷)

گو مولانا حالی صاف گو سچے اور سادہ انسان تھے۔ آپ بہت زیادہ باشعور اور حساس طبیعت واقعہ ہوئے تھے۔ آپ ایک دردمند دل کے مالک تھے جس میں ہمدردی اور انصاف کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ جب آپ نے عملی دنیا میں قدم رکھا تو ہندوستانی معاشرہ بالخصوص مسلمان انحطاط اور بدحالی کا شکار تھے۔ آپ اس بدحالی اور تنزلی کو بخوبی سمجھتے تھے۔ آپ نے اپنی تصانیف میں نہ صرف مرض کی تشخیص کی بلکہ اس کا علاج بھی تجویز کیا۔ اس ضمن میں عبدالحق کہتے ہیں:

"مولانا نے غریبوں اور مظلوموں کی ہمیشہ حمایت کی جس طرح انہوں نے اپنے مسدس میں محنت اور محنت کشوں، مزدوروں کے کام کی عظمت ورفعت کو جن الفاظ میں بیان کیا ہے ایسی کوئی چیز آپ ہماری اس وقت کے ادب میں نہ پایئے گا۔ عورت کی مظلومی کی حمایت میں جو دو نظمیں مناجاتِ بیوہ اور چپ کی داد ہمارے ادب میں ان کی نظیر نہیں ایسی نظمیں حالی ہی لکھ سکتے تھے۔ ان کا کلام درد سے بھرا ہوا ہے اور ہر لفظ دل دردمند کی آواز ہے" (۲۸)

گو حالی دردمند انسان اور قومی شاعر تھے۔ شعر وسخن کا آغاز غالب کی صحبت سے ہوا اور نواب شیفتہ نے جلا بخشی۔ شاعری اور نثر میں جدت اور انقلاب سرسید احمد خاں کی صحبت کی بدولت پیدا ہوا یا یوں کہیے کہ سیاسی شعور وادراک سرسید احمد خاں کی رہنمائی میں پیدا ہوا۔ اس سے قطع نظر حالی کا اپنا سیاسی شعور

اوراد بی اوراک بھی تھا جس نے ایسی یادگار تصانیف قلم بند کرائیں جو ادب میں سرمایہ حیات ہیں۔ ڈاکٹر غلام مصطفی خاں کہتے ہیں:

''حالی کا ادبی احساس سرسید کی وجہ سے پیدا نہیں ہوا بلکہ از خود انفرادی طور پر پیدا ہوا اور اسی احساس نے عبرت اور غیرت دلا کر حالی کو سرسید کا ہمنوا بنا دیا'' (۲۹)

جس طرح سرسید احمد خاں نے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد مسلمانوں کا مقدمہ لڑا ہے وہ سرسید احمد خاں ہی کی شخصیت ہے۔ آپ نے اول انگریز کے دل میں پیوست مسلمانوں کی نفرت کو نکالا دوم تصانیف کے ذریعے مسلمانوں کی حقیقی تصویر دنیا کے سامنے پیش کی سوم مسلمانوں کی تعلیمی تنزلی اور پسماندگی دور کرنے کے لئے علی گڑھ کالج اور ایجوکیشنل کانفرنس جیسے ادارے قائم کر کے جدید علوم کا شوق دلایا چہارم تہذیب الاخلاق کے ذریعے سیاسی و معاشرتی اصلاح کا کام کیا۔ سرسید احمد خاں کی اس اصلاحی اور انقلابی روش میں حالی کا ہم قدم چلنا صرف مسلمانوں کو صحیح راہ بتلانا مقصود ہے۔ اس ضمن میں حالی کا حسب ذیل بے لاگ تبصرہ ان کی شخصیت کی بھرپور عکاسی کرتا ہے:

''سرسید احمد خاں اور ان کے کارنامے لکھنے سے مجھ کو مولوی سید احمد خاں کا خوش کرنا منظور نہیں نہ ان مخالفوں سے بحث کرنا مقصود بلکہ اس کا منشاء و مقصد وہ مصلحت ہے جس کے سبب سے بھولے ہوئے کو راہ بتائی جاتی ہے اور مریض کو دوائے تلخ کی ترغیب دی جاتی ہے'' (۳۰)

حقیقتاً سرسید کے کارنامے اور بیداری میں علی گڑھ کالج، رسالہ تہذیب الاخلاق اور ایجوکیشنل کانفرنس کا عمل دخل بہت زیادہ ہے مگر حالی کی شاعری نے بھی قوم کی اصلاح اور بیداری میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ حالی کی مسدس نے خواص اور عوام دونوں کو جگایا اور ان میں انقلابی روح پھونکی۔ اس انقلابی روح کے متعلق شیخ اکرام کہتے ہیں:

''مسدس نے قوم کی بیداری کا پیغام اس حلقے تک پہنچایا جہاں علی گڑھ کالج یا کانفرنس کی رسائی نہ تھی۔ ان دونوں کا حلقہ تعلیم یافتہ طبقے تک محدود تھا لیکن مسدس کی سادہ زبان اور سیدھے سادے خیالات جتنے خواص کو مرغوب تھے اتنے ہی عوام کو عزیز تھے۔ بہت سے لوگ علی گڑھ کالج کے مخالف تھے لیکن مسدس کی مخالفت کون کرتا یہ کسی نئے مذہب کا پرچار نہ تھا۔ اس میں شہد کے ساتھ سرکہ نہ ملایا گیا تھا۔ حالی کے آنسو خالص آبِ حیات کے چھینٹے تھے اور کون ایسا سنگ دل تھا جو ان کی قدر نہ کرتا تھا'' (۳۱)

حالی نے سرسید کے ہم قدم قوم کی بیداری اور اصلاح میں دقیقہ فروگذاشت باقی نہ رکھا اپنے تئیں حالات کی نزاکت اور ماحول کو بغور دیکھتے ہوئے قوم کے لئے جو کچھ کیا وہ کسی مسیحا سے کم نہیں ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمان بالخصوص انگریزی عتاب وقہر کا شکار ہوئے۔ مسلمانوں کی بربادی اور پس ماندگی کی وجوہات کو سرسید احمد خاں نے دو باتوں پر محمول کیا، پہلی یہ کہ ان میں تعلیم و تربیت نہیں تھی دوسری یہ کہ انگریزوں سے میل جول اور اتحاد نہ تھا چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کی عام بہبود کے لئے تعلیم و تربیت اور انگریزوں سے ربط و اتحاد پر خاص طور پر زور دیا۔ حالی نے بھی کم و بیش ان حالات میں اخوت و بھائی چارہ اور رواداری جیسے عالمگیر اصلاحی اصولوں کو مدنظر رکھ کر قوم کی اصلاح کی کوشش کا بیڑہ اٹھایا اور قوم سے یوں مخاطب ہیں:

تم اگر چاہتے ہو ملک کی خیر — نہ کسی ہم وطن کو سمجھ غیر
ہو مسلماں اس میں یا ہندو — بدھ مذہب ہو یا کہ ہو برہمو
جعفری ہوے یا کہ ہوے حنفی — جین مت ہوے یا ہوے بیشنوی
سب کو میٹھی نگاہ سے دیکھو — سمجھو آنکھوں کی پتلیاں سب کو (۳۲)

حالی ایک قدم اور آگے بڑھ کر مسلمانوں کو حالات کی نزاکت سمجھتے ہوئے مشورہ دیتے ہیں:

''مبارک ہیں وہ جنہوں نے زمانے کے تیور پہچانے اور اس کی چال ڈھال کو نگاہ میں رکھا جدھر کو وہ چلا اس کے ساتھ ہو لئے اور جدھر سے اس نے رخ پھیرا اس کے ساتھ پھر گئے۔ گرمی میں گرمی کا سامان کیا اور جاڑے میں جاڑے کی تیاری کی۔ دن کو دن کی طرح بسر کیا اور رات کو رات کی طرح کاٹا اور بدنصیب ہیں وہ جنہوں نے اس کی پیروی سے جی چرایا اور اس کی ہمراہی سے ناک چڑھائی'' (۳۳)

یعنی حالی حالات کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اپنی ذات میں ایسی قابلیت پیدا کرو کہ جس رنگ کو چاہو فوراً قبول کر لو اور اگر دنیا میں ترقی کرنا چاہتے ہو اور موجودہ غفلت سے نکلنا چاہتے ہو تو زمانے کا ساتھ دو۔

زمانے کا دن رات ہے یہ اشارہ — کہ ہے آشتی میں مری یاں گزارا
نہیں پیروی جن کو یہاں گزارا — مجھے ان سے کرنا پڑے گا کنارا
صدا ایک ہی رخ نہیں ناؤ چلتی — چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی (۳۴)

حالی جدید تعلیم سے روگردانی کو تمام قومی مصائب کی جڑ گردانتے ہیں۔ اگر دنیا میں عزت و ناموس کے ساتھ زندہ رہنا چاہتے ہو تو جدید تعلیم حاصل کرو لہٰذا اس کی طرف رغبت دلاتے ہوئے کہتے ہیں:

گیا دور ہ حکومت کا بس اب حکمت کی ہے یاری جہاں میں چہار سو علم و عمل کی ہے عمل داری
جنہیں دنیا میں رہنا ہے رہے معلوم یہ ان کو کہ ہیں اب جہل ونادان کے معنی ذلت وخواری
ضرورت علم و دانش کی ہے ہر فن اور صناعت میں نہ چل سکتی ہے اب بے علم نجاری نہ معماری (۳۵)

حالی قوم کو ایسے علم کی طرف رغبت دلاتے ہیں جو قوم کو متحرک کر کے آگے بڑھنے پر آمادہ کرے اور جدید چیلنجوں کا مقابلہ کر سکے کیونکہ قدیم طرزِ تعلیم سے مسلمان قوم کی قوتیں منجمد ہو کر رہ گئیں ہیں اس ضمن میں کہتے ہیں:

> ''جس علم کی ہم کو ضرورت ہے وہ، وہ علم ہے جو ہمارے ساکن اور پژمردہ قوتوں کو متحرک اور شگفتہ و شاداب کرے نہ کہ وہ علم جو ہمارے متحرک اور شگفتہ قویٰ کو بھی ساکن اور پژمردہ کر دے ایسے علم سے بے علمی سو درجے بہتر ہے'' (۳۶)

مسلمان جدید علوم سے نفرت کرتے تھے اور مذہب سے بیگانگی گردانتے تھے جبکہ حالیؔ مسلمانوں کی پستی اور پس ماندگی سے نکلنے کے لئے جدید تعلیم حاصل کرنے کی ترغیب دلاتے ہیں اور مذہبِ اسلام کو مانع ترقی خیال نہیں کرتے۔ اس ضمن میں کہتے ہیں:

> ''پس یہ خیال بالکل غلط ہے کہ جب تک مسلمان اسلام سے دست بردار نہ ہوں دنیوی ترقی ہرگز نہیں کر سکتے البتہ جب تک کوئی ہم کو یہ نہ جتائے کہ کیا ضرورتیں درپیش ہیں تب تک نہ مذہبی توہمات ہمارے دل سے دور ہو سکتی ہیں اور نہ ترقی کا خیال ہمارے دل میں پیدا ہو سکتا ہے اور وہ شے تعلیم ہے جس کے پھیلانے میں چند باہمت لوگ کوشش کر رہے ہیں'' (۳۷)

حالی فی زمانہ ترقی کے لئے علم و ہنر اور مال و دولت کو بڑی اہمیت دیتے ہیں اور اسے باعثِ افتخار سمجھتے ہیں۔ جو قومیں علم کے زیور سے آراستہ ہوتیں ہیں، وہ اچھے اور برے، کھرے اور کھوٹے کی تمیز کر کے ترقی کی منازل طے کرتیں ہیں اور جس قوم کے لوگ ہنر سے بہرہ مند ہوتے ہیں وہ صدا خوش رہتے ہیں۔ مفلسی اور محتاجی چھو کر بھی ان سے نہیں گزرتی، رہا مال و دولت تو جدید سرمایادارانہ اور مشینی دور میں ترقی کے لئے سب سے اہم جز ہے۔

کسی نے ایک مردِ دانا سے پوچھا — کہ نعمت ہے دنیا میں سب سے بڑی کیا
کہا عقل جس سے ملے دین و دنیا — کہا گر نہ ہو اس سے انساں کو بہرا
کہا پھر اہم سب سے علم و ہنر ہے — کہ جو باعثِ افتخارِ بشر ہے
کہا گر نہ ہو یہ بھی اس کو میسر — کہا مال و دولت ہے پھر سب سے بڑھ کر
کہا گر ہو یہ بھی بند اس پر — کہا اس پہ بجلی کا گرنا ہے بہتر (۳۸)

حالی زمانے کی کروٹ کو بدلتے ہوئے بغور دیکھ رہے ہیں کہ زمین داری اور آباء و اجداد کی مال و دولت پر تکبر کرنا، فضول اور بے کار تصور کرتے ہیں۔ جدید چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لئے محنت و مشقت کو نصب العین گردانتے ہیں اور معاشی ترقی کے لئے نئی راہیں تلاش کرنے پر زور دیتے ہیں۔

مشقت کو محنت کو جو عار سمجھے — ہنر اور پیشے کو جو خوار سمجھیں
تجارت کو کھیتی کو دشوار سمجھیں — فرنگی کے پیشے کو مردار سمجھیں
تن آسانیاں چاہیں اور آبرو بھی — وہ قوم آج ڈوبے گی گر کل نہ ڈوبی (۳۹)

حالی نئے پیشے اختیار کرنے پر اس لئے زور دیتے ہیں کہ اول انسانی عقل و شعور میں ترقی ہوتی ہے دوم اخلاق و شائستگی کا دامن وسیع ہوتا ہے۔ اس ضمن میں کہتے ہیں:

> ''تجارت اور ترقی ہمیشہ ہر جگہ لازم و ملزوم رہی ہے۔ انسان کے اندرونی قویٰ کی ترقی علم و فنون کی ترقی جنرل انفارمیشن کی ترقی، اخلاق و ضوابط و قوانین کی ترقی، آزادی کی ترقی غرض کہ ہر طرح کی ترقی ہی ترقی اس سے پیدا ہوتی ہے۔'' (۴۰)

حالی ان نامساعد حالات اور مایوسی کے دور میں مسلمانون کو اہلِ یورپ کی تقلید اور ترقی کے لئے جدید علوم کی طرف رغبت دلاتے ہیں تو لوگ حالی کو انگریزوں کا ایجنٹ قرار دیتے ہیں حالانکہ حقیقتاً مسلمان جن خصائل و عادات سے مالا مال تھے وہ مفقود ہو گئے جبکہ مغرب ان اوصاف سے متصف ہو کر ہمیں منہ چڑا رہے ہیں اس طرح:

عمل جن کا ہے اس کلام متیں پر — وہ سر سبز ہیں آج روئے زمیں پر
تفوق ہے ان کو کہیں و مہیں پر — مدار آدمیت کا ہے اب انہی پر
شریعت کے جو ہم نے پیماں توڑے — وہ لے جا کے سب اہل مغرب نے جوڑے (۴۱)

اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے جو اپنے پیروکاروں کو ہر شعبہ حیات میں زندگی گزارنے کا سلیقہ اور تہذیب و تمدن سے آگاہ کرتا ہے۔ دامن اسلام سے وابستہ افراد کی ذمہ داری ہے کہ وہ دنیا میں باہم محبت و الفت اور اتحاد و اتفاق سے رہیں۔ بمصداق ان المومنون اخوۃ (بے شک مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں)۔ مسلمان جب تک اس آیت کی عملی تصویر رہے تو دنیا میں بہترین امت کہلائے اور جب اس خوبی سے متصادم ہوئے تو دنیا میں ذلیل و خوار ہوئے اس طرح کہ:

ہمارا یہ حق تھا کہ سب یار ہوتے — مصیبت میں یاروں کے غم خوار ہوتے
سب ایک ان کے باہم مددگار ہوتے — عزیزوں کے غم میں دل انگار ہوتے
جب الفت میں یوں ہوتے ثابت قدم — ہم تو کہہ سکتے اپنے کو خیر الامم ہم (۴۲)

خیرالامم ہونے کے ناطے مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ مذہب اسلام کی ترویج و اشاعت کی کوشش کریں اور دنیا کے سامنے مذہبِ اسلام کی صحیح تصویر پیش کریں تا کہ اسلام کی شان و شوکت دنیا کے سامنے اصل صورت میں ظاہر ہو۔ لہٰذا ہماری ذمہ داری ہے کہ:

''ہم کو دین کی شان و شوکت قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ صرف خالص اسلام کی حمایت کریں اور اس کو حشو و زوائد سے پاک کر کے تمام عالم کو دکھا دیں کہ صرف اسلام ہی دنیا میں ایسا دین ہے وانسان کی خوشی اور آزادی کو ترقی دینے والا ہے''۔ (۴۳)

حالی مسلمانوں میں کسی درجے میں بھی تعصب کو مضر سمجھتے تھے اور باہمی اتحاد و اتفاق پر زور دیتے تھے کیونکہ تعصب کی آگ گھن کی طرح قوموں کو کھا جاتی ہے۔ حالات کا تقاضہ ہے کہ مسلمان باہم شیر و شکر سے رہیں اسی میں ان کی نجات و بھلائی مضمر ہے:

نہ سنی میں اور جعفری میں ہو الفت   نہ نعمانی و شافعی میں ہو ملت
وہابی سے صوفی کی کم نہ ہو نہ نفرت   مقلد کرے نا مقلد پر لعنت
رہے اہل قبلہ میں جنگ ایسی باہم   کہ دینِ خدا پر ہنسے سارا عالم (۴۴)

حالی کے نزدیک مسلمان جب دین سے وابستہ رہے یعنی قرآن و سنت کو تھامے رکھا اس وقت تک دنیا پر حکومت کرتے رہے اور جب قرآن و سنت کو چھوڑا تو خدا نے بھی انہیں دنیا کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔

پہ گدلا ہوا جب کہ چشمہ صفا کا   گیا پھوٹ سر رشتہ دینِ ہدیٰ کا
رہا سر پہ باقی نہ سایہ ہما کا   تو پورا ہوا عہد جو تھا خدا کا
کہ ہم نے بگاڑا نہیں کوئی اب تک   وہ بگڑا نہیں آپ دنیا میں جب تک (۴۵)

حالی قوم میں موجود برائیوں اور خامیوں سے بخوبی آگاہ ہیں۔ اس پر فتن اور پر آشوب دور میں حالی مسلمانوں کے شاندار ماضی کو یاد کر کے کئی خوبیاں جتلاتے ہیں اور مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے جگا کر ماضی کی یاد تازہ کرنے کے بجائے مستقبل کی عمارت کھڑی کرنا چاہتے ہیں:

غرض فن ہیں جو مایہ دین و دولت   طبعی الٰہی ریاضی و حکمت
طب اور کیمیاء ہندسہ اور ہیئت   سیاست تجارت عمارت فلاحت
لگاؤ گے کھوج ان کا جا کر جہاں تم   نشاں ان کے قدموں کے پاؤں گے واں تم (۴۶)

حالی اصلاح معاشرت کے لئے تعلیم کو اہم اور بنیادی جز قرار دیتے ہیں خصوصاً عورتوں کی تعلیم پر بہت زور دیتے ہیں۔ کیونکہ طرزِ معاشرت کی اصلاح اور معاشرے میں رائج فرسودہ رسموں رواج کو عورت بمقابلہ مرد زیادہ ترویج دیتی ہے۔ اس ضمن میں حالی کہتے ہیں:

''پس تاوقتیکہ عورتوں میں زمانہ حال کی تعلیم رواج نہ پائے اور ہمارے واعظین زبانی مجلسوں میں قرآن و حدیث کی روح سے بیہودہ، فضول رسموں کی برائیاں ان کے ذہن نشین نہ کریں، بہت ہی کم امید ہے کہ ہماری طرز معاشرت میں کوئی معتدبہ اصلاح ہو سکے''(۴۷)

الغرض حالی نے قوم کی بیداری اور ترقی میں کسی بھی طرح کم ہمتی اور کم حوصلگی کا مظاہرہ نہ کیا۔ انہوں نے قوم کی اصلاح و ترقی کا نہ صرف بیڑہ اٹھایا بلکہ قوم کو خوابِ غفلت سے جگا کر ترقی کی طرف مائل کیا اور ایسی انقلابی روح پھونکی کہ ان کا نام ہمیشہ قوم کے محسنوں میں شمار کیا جائے گا اور بقول اقبال

آں لالہ صحرا کہ خزاں دید و بیفسرد   سید دگر اور انمی از اشک سحر داد
حالی ز نواہائے جگر سوزینا سود   نالالہ شبنم زدہ راداغ جگر داد(۴۸)

یہاں تک ہم نے حالی کے ان کارناموں کا ذکر کیا ہے جن کے باعث سوئی ہوئی قوم خوابِ غفلت سے بیدار ہوئی۔ اب ہم حالی بحیثیت سوانح نگار اور عملی نقاد کے اختصاراً جائزہ لیتے ہیں تا کہ حالی کی فی الجملہ خدمات کو قلم بند کر سکیں۔

حالی بحیثیت سوانح نگار، عملی نقاد اور قومی شاعر کے طور پر قوم میں جانے جاتے ہیں۔ سوانح نگاری میں حیاتِ سعدی، حیاتِ جاوید اور یادگارِ غالب ایک بیش بہا خزانہ ہے۔ اگرچہ سوانح نگاری دقیق اور تحقیق طلب معاملہ ہے مگر مولانا حالی نے اس شعبے میں بھی اپنی صلاحیتوں کا نا صرف لوہا منوایا بلکہ تحقیق اور صداقت کا پورا پورا حق ادا کیا۔ اس ضمن میں ہم بحوالہ اسماعیل پانی پتی، سید عبداللہ کا بیان تحریر کرتے ہیں:

''یہاں اتنے عظیم الشان کام کی مشکلات سے عہدہ برا ہونے کی عزت صرف حالی کے حصے میں آئی یہی وجہ ہے کہ ہم اردو میں فن سوانح نگاری کی امامت کا مستحق بھی انہی کو سمجھتے ہیں''۔ (۴۹)

سوانح نگاری نہ صرف بزرگوں کے کارنامے اجاگر کرتی ہے بلکہ قوم کی بیداری میں بھی اہم کردار ادا کرتی ہے خصوصاً جن حالات میں ہندوستانی معاشرہ دوچار تھا ان حالات میں سوانح نگاری کے ذریعے پستی سے عروج کی طرف خروج کرنے اور اپنی کھوئی ہوئی عزت و غیرت کو دوبارہ حاصل کرنے کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ اس ضمن میں حالی کہتے ہیں:

''بیوگریفی ان بزرگوں کی ایک لازوال یادگار ہے جنہوں نے اپنی نمایاں کوششوں سے دنیا میں کمالات اور نیکیاں پھیلائیں اور جو انسان کی آئندہ نسلوں کے لئے اپنی مساعی جمیلہ کے عمدہ کارنامے چھوڑ گئے ہیں خصوصاً جو قوم میں علمی ترقیات کے بعد پستی

اور تنزلی کے درجے کو پہنچ جاتی ہیں ان کے لئے بیوگریفی ایک تازیانہ ہے جو ان کو خوابِ غفلت سے بیدار کرتا ہے"۔(۵۰)

حالی نے عملی نقاد کی حیثیت سے بھی راست گوئی اور اصلاح کا پہلو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ تنقید کا انداز خوبصورت پیرائے میں ادا کرتے ہیں تا کہ مصنف کے محاسن سامنے آجائیں اور خامیوں کی بھی نشاندہی ہو جائے۔ آپ مصنف کی حوصلہ افزائی اور مدح سرائی میں غلو سے کام نہیں لیتے بلکہ حقیقت کے دامن کو تھامے رکھتے ہیں۔ گلستاں اور بوستاں میں سعدی کی ظرافت کے بیان میں کہتے ہیں:

"جو ظرافت اس نے گلستاں اور بوستاں میں برتی ہے وہ اکثر نہایت سنجیدہ اور معقول ہے البتہ کہیں کہیں اس کے قلم سے ایسے الفاظ بھی ٹپک پڑے ہیں جو قانونِ شرم وحیاء سے کسی قدر متجاوز ہیں"(۵۱)

کلیاتِ دلمیر پر تبصرہ کرتے ہوئے انتہائی خوبصورتی سے شاعر اور اس کی شاعری نیز معاشرے کی سنجیدگی اور ذوق کا بیان ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"افسوس ہے کہ اس دیوان میں جتنے اصناف کا کلام ہے ان سب کا نمونہ ہم نہیں دکھا سکتے کیونکہ بہت سے اشعار فحش کی حد تک پہنچ گئے ہیں لیکن جہاں تک خیال کیا جاتا ہے اس میں زیادہ تر ہمارے سوسائٹی کا قصور ہے جس کو خوش کرنے اور جس سے داد لینے کے لئے شاعر کو اس کے سوا کچھ چارہ نہ تھا کہ کہیں کہیں تہذیب کی حد سے متجاوز ہو کر سامعین کے دل کو لبھائے جائیں۔ یہی وہ مجبوری ہے جس نے ہماری شاعری کو گندا اور ناپاک کر دیا ہے لیکن اگر اس دیوان میں سے غیر مہذب اشعار نکال دیئے جائیں تو بھی ایک معتدبہ مجموعہ مہذب اور شائستہ کلام باقی رہتا ہے"۔(۵۲)

حالی کی شخصیت اور کارنامے ہمارے ادب اور اصلاح معاشرہ کے لئے بے مثال نمونہ ہیں۔ جب تک قوم میں حالی جیسے لوگ موجود ہونگے وہ قوم کبھی پستی اور پسماندگی میں نہیں رہے گی اور جب تہذیبوں کا ٹکراؤ ہو رہا ہوگا تو حالی زندہ وجاویداں ہو جائیں گے۔

کریم الدین پانی پتی:

آپ پانی پت کے رہنے والے انیسویں صدی عیسوی کے مشہور و معروف اہلِ قلم، ادیب، مصنف، مؤرخ، سوانح نویس اور صحافی تھے۔ ۲۱ جون ۱۸۲۱ء کو پانی پت میں پیدا ہوئے۔(۵۳) ہوش سنبھالا تو ابتدائی کتب پانی پت میں پڑھیں پھر تحصیلِ علم کے لئے دہلی آگئے اور یہاں صرف ونحو، منطق، فلسفہ، طب، فقہ اور حدیث کی تعلیم حاصل کی، انہی ایام میں ذریعہ معاش کے لئے کتابت کرتے تھے۔(۵۴)

جب طامسن صاحب لیفٹیننٹ گورنر بہادر صاحب نے دہلی میں مدرسہ قائم کیا تو تحصیلِ علم کے لئے داخل ہو گئے اس وقت آپ کی عمر اٹھارہ برس تھی۔ یہاں آپ نے علم، منطق، فلسفہ، ہندسہ، حساب، ہیت، پیمائش، مناظرہ، کتب تواریخ اور علم وادب عربی زبان میں اور علمِ فقہ پڑھا۔ بعد ازاں بوتراس صاحب پرنسپل مدرسہ دہلی کالج کے حکم سے قوانین دیوانی، فوجداری اور اصولِ قوانین اور پولیٹیکل اکنامی یعنی سیاستِ مدنی اور علمِ ریاضی اور انگریزی تعلیم حاصل کی۔(۵۵)

آپ تحصیلِ علم سے فراغت کے بعد رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوئے اور مستقلاً دہلی میں سکونت پذیر ہوئے۔ دہلی میں ایک مطبع خانہ قائم کیا تا کہ علم سے بے بہرہ لوگوں کو کم قیمت پر کتابیں فروخت کریں اور وہ کتابیں جو گمنام تھیں انہیں عوام میں متعارف کرائیں۔ مگر چند دوستوں نے فریب کر کے مطبع خانہ ہتھیا لیا۔ آپ ۱۸۷۰ء میں آگرہ کالج سے منسلک ہوئے اور ۱۸۵۷ء کے ہنگامے تک مدرس اول اردو کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد محکمہ تعلم پنجاب میں بحیثیت سررشتہِ دار ملازم ہوئے اور ۱۸۶۱ء یا ۶۲ میں ترقی کرتے ہوئے ڈپٹی انسپکٹر مدارس کے عہدے پر تعینات ہوئے۔ غالباً اسی عہدے سے سبکدوش ہو کر ۱۸۷۹ء میں وفات پائی۔(۵۶)

آپ کے بزرگوار کہاں سے تعلق رکھتے تھے اور کیوں کر پانی پت آ کر وارد ہوئے اور کیا معاش اختیار کیا۔ اس ضمن میں آپ خود فرماتے ہیں:

"میرے جدِ بزرگوار پہلی بھیت کے رہنے والے تھے۔ کئی شہروں کی سیر وسیاحت اختیار کی بالآخر پانی پت میں آکر مقیم ہوئے کیونکہ بادشاہی جاگیر رکھتے تھے اس لئے معیشت سے فارغ البال تھے۔ والد بزرگوار سراج الدین پانی پتی بھی پانی پت میں پیدا ہوئے اور وہیں سکونت اختیار کی۔ نادر شاہ کے حملے کے وقت مال واسباب لوٹ لیا گیا۔ گھریلو ذمہ داری اور معاشی تنگ دستی کے باعث جدِ بزرگوار نے مسجد کی خدمت اختیار کر لی اور جب انگریز سرکار نے جائیدادوں کی واپسی کا بندوبست فرمایا تو جدِ بزرگوار کو بھی بلوایا مگر زہد وتقویٰ کے باعث مسجد نشینی پر تکیہ کیا اور والد بزرگوار کو بھی اسی خدمت پر مامور کر دیا۔ اہلِ پانی پت گزر اوقات کے لئے مدد فرمادیا کرتے تھے۔"(۵۷)

کریم الدین علم سے بے پناہ لگاؤ رکھتے تھے۔ آپ آخر عمر تک تصنیف وتالیف اور علم کی خدمت پر مامور رہے آپ کو شعر وسخن سے کوئی تعلق نہ تھا مگر "طبقات الشعراءِ ہند" اور "گلدستہ نازنیناں" جو کہ اردو

شعراء کے تذکرے ہیں، اردو ادب میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ شعر گوئی سے متعلق اپنی دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''شوق اشعار اردو کہنے کا مجھ کو مطلق نہیں ہے بلکہ شعر کہنا میں برا جانتا ہوں کیونکہ اہلِ علم کا یہ پیشہ نہیں ہے۔ وہ لوگ جو معیشت سے فارغ البال ہیں اپنے دل بہلانے اور حسرت نکالنے کا انہوں نے یہ طریقہ اختیار کرلیا ہے۔'' (۵۸)

علم کا ذوق وشوق جہاں انسان کی جبلت میں پنہاں ہوتا ہے وہاں مخلص اساتذہ اور بہترین ادارے بھی شخصیت نگاری میں اہم کردار ادا کرتے ہیں اگر ہندوستان کی تاریخ کا بغور مطالعہ کریں تو ایسے کئی ادارے نظر آئیں گے جنہوں نے یگانہ روزگار ہستیاں پیدا کیں انہیں میں دہلی کالج بھی شامل ہے جہاں سے کریم الدین پانی پتی جیسی علمی شخصیت جلوہ افروز ہوئی اور علمی حلقوں میں ایسا سکہ بٹھایا جسے لوگ اب تک نہ بھلا پائے۔ اس ضمن میں مولوی عبدالحق کہتے ہیں:

''مولوی کریم الدین دہلی کالج کے طالب علم تھے اور پانی پت کے رہنے والے تھے۔ پھر دہلی ہی میں بس گئے اور ایک مطبع قائم کرلیا۔ ان کی متعدد تالیفات ہیں جن میں سے بعض اب بھی مشہور ہیں۔ بہت جفاکش اور قابل شخص تھے اور مدرسے کی تربیت اور تعلیم نے علمی ذوق اور تالیف کا شوق پیدا کردیا تھا۔'' (۵۹)

آپ کتبِ کثیرہ کے مولف تھے مگر طبقات الشعراء ہند، گلدستہِ ناز نینا اور کریم الغات نے آپ کی شخصیت کو چار چاند لگا دیئے تھے۔ کریم الغات کی شہرت کے باعث اب تک اس کے بیسیوں ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ فرمان فتح پوری نے ''اردو شعراء کے تذکرے اور تذکرہِ نگاری'' کے صفحہ ۳۲۰ پر ڈاکٹر محمود الٰہی کے حوالے سے آپ کی کتابوں کی تعداد ۴۷ اور قاضی عبدالودود کے حوالے سے ۳۵ بتائی ہے۔ جن کتابوں کی فہرست مذکورہ صفحے پر دی ہے وہ درج ذیل ہیں:

تعلیم النساء، گلستانِ ہند، تذکرہِ شعراءِ ہند (طبقاتِ الشعراءِ ہند)، گلدستہِ ناز نینا، عجالتہ العلالہ، رسالہ فرائض، ارض لاحرام، فوائد الادہر، تذکرۃ النساء، ترجمہ ابوالفدا، تاریخ شعرائے عرب، محط الحمی، ترجمہ کتاب ڈاکٹری، کبریائی باللمس، قواعد المبتدی، قشیر ظہوری، کریم الغات، خط تقدیر، قصہ پنجاب سنگھ، سنین اسلام، جامع القواعد فارسی۔

مندرجہ بالا کتابوں کے علاوہ چند اور کتابیں جنہیں نقوش آپ بیتی نمبر، اشاعت جون ۱۹۶۴ء صفحہ ۴۵۵ سے نقل کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں:

تاریخ آگرہ، منتخباتِ اردو (نصاب کلکتہ یونیورسٹی)، تسہیل القواعد، انشاء اردو، پند سود مند،

دیوانِ سعدی مع سوانح عمری، انتخابِ دیوان، حافظ خدا ماصفا، مفتاح الارض، واقعاتِ ہند۔

مذکورہ بالا کتب آپ کے علمی ذوق وشوق کا بے مثل نمونہ ہیں۔ آپ واجبی طور پر علم سے وابستہ نہ رہے بلکہ اپنے قلم سے جو فائدہ عوام کو پہنچا سکتے تھے وہ فائدہ پہنچایا نیز اسی نصب العین کے تحت زندگی کے اوقات صرف کئے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ اپنی کتب کی بدولت علمی حلقے میں زندہ وجاویداں ہیں۔

۱۔ کریم الغات مع اضافہ عظیم الغات (مطبع رزاقی کانپور، ۱۳۴۴ھ) (۶۰)

کریم الغات آپ کی مشہور اور معروف کتاب ہے۔ جسے آپ نے پنجاب کے طلبہ کے لئے تالیف کیا۔ چونکہ پنجاب کے طلبہ کے پاس مروجہ نصاب میں داخل کتب کو سمجھنے کے لئے کوئی لغت نہ تھی لہٰذا اس مشکل اور دقت کے پیشِ نظر ڈائیریکٹر آف پبلک انسٹرکشن مدارس کپتان فولر صاحب نے آپ کو اس مشکل کے حل کے لئے نصاب کا کام سونپا جسے آپ نے محنت وسعی کے بعد بخوبی انجام دیا۔ یہ لغت ۱۸۲۳ء میں تیار ہوئی اور اس کا نام کریم الغات رکھا گیا۔ اس لغت میں آگے چل کر عام طلبہ کی ضروریات کے پیشِ نظر اضافہ کیا گیا تا کہ وہ بھی اس سے استفادہ کرسکیں۔ اس لغت کی تیاری میں قاموس، منتی لارب اور برہان قاطع سے مدد لی گئی ہے۔ طلبہ کی آسانی کے لئے ہر لفظ کے آگے علامات رموز بھی دی گئی ہیں جس سے معلوم ہو کہ کس زبان کا لفظ ہے۔ مثلاً: ع سے عربی، ف سے فارسی، ت سے مراد ترک اور مب سے مراد مغرب ہے۔ نیز مب اس لفظ کو بھی کہتے ہیں جو کسی غیر زبان کا لفظ ہو اور اس میں کچھ تغیر یا تبدیل کر کے مثل عربی کے بنالیں۔

کریم الغات کا آخری ایڈیشن ۱۹۱۳ء میں شائع ہوا تھا۔ یہ لغت دیباچہ سمیت تیس ابواب پر مشتمل ہے۔

۲۔ تذکرہ شعراء ہند (طبقات الشعراء ہند) مطبوعہ العلوم مدرسہ دہلی، ۱۸۴۸ھ/ ۱۲۶۴ء (۶۱)

طبقات الشعراء ہند کا ترجمہ مسٹر ایف فیلن صاحب اور کریم الدین نے گارسندیسی کی تاریخ سے ۱۸۴۸ھ میں کیا اس میں نو سو چونسٹھ اردو گو شعراء کا تذکرہ ہے۔ کریم الدین نے اس کی ترتیب وتدوین میں تذکرہِ حکیم قدرت اللہ خان اور گلشنِ بے خار سے بھی مدد لی ہے تا کہ وہ شعراء جو اول ہندی گزرے ہیں وہ بھی شامل ہو جائیں۔ مصنف نے اولاً طویل دیباچہ تحریر کیا ہے جس میں اردو کی فصاحت و بلاغت اور اہمیت و فضیلت کا ذکر کیا ہے اور اردو میں شعراء کا تذکرہ تالیف کرنے کی وجہ بتلائی ہے۔ یہ تذکرہ قسم اول اور قسم ثانی میں منقسم ہے نیز قسم ثانی چار طبقات پر مشتمل ہے۔ کتاب کی ترتیب حسب ذیل ہے:

قسم اول: متقدمین کا ذکر

قسم ثانی: طبقہِ اول: وہ شعراء جنہوں نے اردو میں شعر کہنے کی بنیاد ڈالی۔

طبقہِ دوم: وہ شعراء جو اردو کے بانی، مصلح اور ادیب ہیں۔

طبقۂ سوم: وہ شعراء جو طبقۂ ثانی کے شاگرد رشید اور اردو کی زینت و زیبائش میں سعی و محنت کی ہے۔

طبقۂ چہارم: یہ ہم عصر شعراء پر مشتمل ہے۔

۳۔ گلدستۂ نازنینا:

گلدستہ نازنینا کو صہبائی کے ''انتخاب دواوین'' کی مدد سے ترتیب دیا گیا ہے۔ اس میں اڑتیس شعراء کا تذکرہ ہے۔ (۶۲)

۴۔ سنین اسلام: (گورنمنٹ سرکار امرتسر ۱۸۷۶ء) (۶۳)

ڈاکٹر جی ڈبلیو شیز صاحب پرنسپل گورنمنٹ کالج لاہور نے بمدد مولوی کریم الدین ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس امرتسر سے ۱۸۷۶ء میں شایع کیا۔ اس کتاب میں اسلام کی تاریخ اور علم کا مختصراً حال اس تشریح کے ساتھ مندرج کیا گیا ہے کہ تاریخ عالم کے سلسلے میں اسلام کی تاریخ اور اس کے علوم و فنون کس درجے پر ہیں۔

۵۔ تاریخ ہندوستان ملقب بواقعات ہند (منشی نول کشور لکھنؤ، ۱۸۷۸ء) (۶۴)

مولوی کریم الدین نے کپتان کپسن صاحب ڈائیریکٹر آف پبلک انسٹرکشن مغربی و مشرقی ممالک کے حکم ارشاد کے مطابق تالیف کی۔ یہ تاریخ عیسوی سن کے مطابق ترتیب دی گئی ہے جو تین حصوں میں منقسم ہے۔ حصہ اول میں قدیم ہندوستان کی تاریخ درج ہے جبکہ حصہ دوم نو ابواب پر مشتمل ہے جس میں ۷۰۵ء سے ۱۸۵۷ء تک مشہور واقعات و حالات مندرج ہیں۔ حصہ سوم دو ابواب پر مشتمل ہے اول میں ۱۶۰۰ء سے ۱۸۴۷ء تک ہندوستان کے مشہور انگریز گورنر جنرلوں کے ماتحت واقعات کو قلم بند کیا گیا ہے۔ اور باب دوم کا آغاز ابتدائی بغاوتِ ہند کے واقعات سے شروع ہو کر ایسٹ انڈیا کمپنی کی معطلی (۱۲ اگست ۱۸۵۸ء) تک واقعات شامل ہیں۔

۶۔ سلم الادب: (مطبع سرکاری لاہور، ۱۸۶۹ء) (۶۵)

مذکورہ کتاب عربی مع اردو ترجمے کے تالیف کی گئی ہے جسے کلکتہ یونیورسٹی نے ۱۸۶۹ء اور ۱۸۷۰ء کے امتحانِ داخلہ کے لئے مقرر فرمایا۔ کتاب میں ۴۵ نصیحت و سبق آموز حکایت مندرج ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف شعراء کے منظوم کلام کو منتخب کر کے نثر کے انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

۷۔ انشائے اردو: (مطبع گورنمنٹ سرکار لاہور، ۱۸۶۳ء) (۶۶)

مولوی کریم الدین نے کپتان فلر صاحب ڈائیریکٹر آف انسٹرکشن مدارس مغربی ممالک کے حکم ارشاد کے مطابق بچوں کو فن خطوط، کاغذات مروجہ معاملہ دنیاوی دفاترِ سرکاری کے سکھانے کے لئے تالیف کی۔ مذکورہ کتاب چار ابواب میں منقسم ہے۔ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

باب اول: فصل اول: اس میں وہ خطوط ہیں جو چھوٹوں کو بزرگوں کی طرف سے لکھے جاتے ہیں۔

فصل دوم: اس میں وہ خطوط ہیں جو چھوٹوں کی طرف سے بزرگوں کو لکھے جاتے ہیں۔

فصل سوم: اس میں درجہ مساوی کے خطوط ہیں۔

باب دوم: یہ باب عرضی لکھنے کے طریقے پر مشتمل ہے۔

باب سوم: اس باب میں چند ضروری کاغذات جو سرکاری دفاتر اور کچہری میں لکھے جاتے ہیں ان کا ذکر ہے۔

باب چہارم: اس باب میں ان کاغذات کا ذکر ہے جو دنیاوی معاملات کے لئے کارآمد ہیں۔

۸۔ انشائے اردو: (مطبع منشی گلاب سنگھ اینڈ سنز پنجاب، ۱۸۹۸ء) (۶۷)

مذکورہ کتاب میں خط، رقعہ، نصیحت آمیز خط، شادی کا دعوت نامہ، سپاسنامہ، نکاح کا دعوت نامہ لکھنے کا طریقہ اور اسلوبِ زبان اختیار کرنے کا طریقہ بتلایا ہے۔ یہ کتاب خطِ شکستہ میں تحریر ہے۔ مذکورہ کتاب افسرانِ فوج اور درجہ اعلیٰ کے امتحان کے واسطے تالیف کی گئی ہے۔

۹۔ مخزن الکرامت: (مطبع رحمان چتر بازار حیدرآباد دکن، ۱۳۲۰ھ) (۶۸)

مذکورہ کتاب فاضل مولف نے حضرت شیخ محمد صاحب قادری الملتانی بیدریؒ اور آپ کے صاحب زادوں کی سوانح عمری پر مشتمل ہے۔ جس میں ان بزرگوں کے قابل دید کرامات، مفید نصائح اور مؤثر ملفوظات شامل ہیں۔ مصنف نے اصل فارسی کتاب ''معدن الجواہر'' سے ترجمہ کر کے نہایت اعلیٰ الفاظ میں بیان کیا ہے۔

۱۰۔ تاریخ ابوفداء: (مطبع افغانی امرتسر، ۱۳۱۹ھ) (۶۹)

مذکورہ کتاب فاضل وقت، عالم روزگار، عادل بادشاہ ابوفداء نے عربی میں ۷۲۵ھ بمطابق ۱۳۲۸ء میں تصنیف کی۔ مولوی کریم الدین نے ۱۲۶۳ھ بمطابق ۱۸۴۷ء میں اردو میں ترجمہ کیا۔ تاریخ ابوفدا تین جلدوں پر مشتمل ہے۔

جلد اول: حضرت آدمؑ سے زمانہ اسلام تک کے حالات کو تاریخ کے لحاظ سے ترتیب دیا گیا ہے۔

جلد دوم: حضرت محمد ﷺ کے زمانے سے ۳۲ھ تک متواتر تاریخ وار حالات مندرج ہیں۔

جلد سوم: ۳۳ھ سے ۴۴۰ھ تک کے سلاطین و مشاہیر کے حالات تاریخ وار درج ہیں۔

وحید الدین سلیم پانی پتی:

پانی پت ایک تاریخی اور ادبی شہر ہے اس کے محلے افغاناں میں مولانا وحید الدین سلیم نے ایک معمولی اور غریب سید گھرانے میں ۱۸۶۷ء میں آنکھ کھولی۔ آپ کے والد سید فرید الدین درگاہ حضرت بوعلی شاہ قلندر (م ۷۲۴ھ) کے ایک سنجیدہ اور مسکین طبیعت مجاور تھے جو اپنی زندگی قناعت کے ساتھ بسر

کرنے کے عادی ہو چکے تھے اور وحید الدین نے بھی اپنی تقریباً تمام زندگی انھی کی طرح عسرت اور تنگ دستی میں گزاری۔ سلیم کی ابتدائی تعلیم کا آغاز ایک استانی مسماۃ شمس النساء کی تحویل میں ہوا جس نے ان کو قرآن شریف حفظ کرایا اور علی نقی حزیں نے فارسی پڑھائی۔ سید غوث علی شاہ (م ۱۲۹۷ھ) جو ایک باکمال فقیر کا درجہ رکھتے تھے اور سید فرید الدین کے پیر و مرشد بھی تھے مولانا سلیم پر حد درجے مہرباں تھے یہ ان ہی کی فیاضی اور توجہ کا نتیجہ تھا کہ مولانا کو مڈل تک تعلیم مل گئی۔ اس زمانے میں مفتوح آپ کا تخلص تھا اور آپ اکثر بچوں کے مشاعرے کیا کرتے تھے جن میں اپنا کلام بڑی دھوم دھام سے پڑھتے اور خوش ہوتے تھے (۷۰)

آپ نے ۱۸۸۲ء میں مڈل کا امتحان اول درجے میں پاس کیا اور چار روپے ماہانہ وظیفہ حاصل کیا پھر عربی کی اعلیٰ تعلیم کے لئے لاہور چلے گئے۔ لاہور میں مولوی فیض الحسن سہارنپوری سے عربی اور مولانا عبداللہ ٹونکی سے حدیث، فقہ، منطق اور فلسفے کی تعلیم حاصل کی۔ منشی فاضل امتحان بھی اعلیٰ نمبروں سے پاس کیا۔ سلیم کی طالب علمی کا زمانہ تنگ دستی اور عسرت میں گزرا لیکن پھر بھی اعلیٰ تعلیم کے خواہش مند تھے۔ قانون پڑھنے کا شوق تنگدستی کے باعث پورا نہ کر سکے اور ذریعہ معاش کے لئے ایجرٹن کالج بہاولپور میں اردو ادب کے معلم مقرر ہو گئے۔ چھ سال تک کالج کو اپنی خدمت سے سرفراز کر کے مدرسہ عالیہ رام پور میں ہیڈ مولوی بن کر چلے گئے۔ یہاں چھ مہینے تک ملازمت کی مگر جلد پانی پت چلے آئے اور فنِ طب سے وابستہ ہو کر مطب کرنے لگے۔ (۷۱)

مولانا حالی بھی سلیم کی عظمت اور قابلیت کے قدردان اور معترف تھے۔ لہٰذا جولائی ۱۸۹۴ء میں اپنے ساتھ علی گڑھ لے گئے اور حالی کی سفارش پر سرسید نے انہیں اپنا لٹریری اسسٹنٹ بنالیا۔ مولانا حالی کی رفاقت اور سرسید احمد خاں کی ادبی سرپرستی سلیم کے ادبی ذوق کی پرورش کا باعث بنی۔ چناں چہ سرسید کی وفات کے بعد ایک رسالہ "معارف" علی گڑھ سے نکالا۔ دسمبر ۱۹۰۱ء میں اس رسالے کو بند کر کے "حالی پریس" کے نام سے ایک مطبع قائم کر کے کتابوں کی تجارت شروع کی۔ ۱۹۰۷ء میں علی گڑھ گزٹ کی ایڈیٹری اور پھر مسلم گزٹ لکھنؤ اور اخبار "زمیندار" کی ادارت کے فرائض بخوبی انجام دیتے رہے۔ انہی دنوں کانپور میں مسجد کے معاملے پر فسادات پھوٹ پڑے۔ آپ نے ایسے جوشیلے مضامین لکھے کہ سب کچھ چھوڑ کر پانی پت آنا پڑا۔ (۷۲)

جب جامعہ عثمانیہ کا قیام عمل میں لایا گیا تو "دارالترجمہ" میں آپ کی خدمات لی گئیں بعد ازاں یونیورسٹی کے باقاعدہ قائم ہونے پر آپ اردو کے مددگار پروفیسر کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ ۲۹ جولائی ۱۹۲۸ء میں سرطان کے مرض میں مبتلا ہو کر دنیا سے رحلت فرما گئے۔ (۷۳)

گو مولانا سلیم انقلابی شاعر، زندہ دل ادیب، ماہر لسانیات، اچھے پروفیسر اور فرض شناس استاد تھے مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک نیک اور اچھے انسان بھی تھے۔ دروغ گوئی اور مصلحت پسندی سے کبھی کام نہ لیتے اور جو صداقت و سچائی پر مبنی ہوتا فوراً کہہ دیتے یہی وجہ ہے کہ آپ کی زندگی میں کئی نشیب و فراز آئے۔ صداقت اور حق گوئی کے بارے میں مولوی عبدالحق کہتے ہیں:

"مولانا بڑے زندہ دل اور ظریف الطبع تھے یہاں تک تو بعض اوقات ظرافت میں حد سے تجاوز کر جاتے مگر سادہ طبیعت کے آدمی تھے۔ مصلحت سلیقے اور صفائی کا داغ ان کے دامن پر نہ تھا جو جی میں آتا کہہ بیٹھے اور جو چاہتے کر گزرتے تھے۔ جہاں کسی نے غلطی کی فوراً ٹوک دیتے تھے کبھی یہ نہ سوچا کہ اس کا محل وقوع بھی ہے یا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ ان کی طبیعت سے واقف نہ تھے ان کی باتوں سے اکثر ناراض ہو جاتے تھے۔" (۷۴)

آپ مولانا حالی سے گہری محبت و عقیدت رکھتے تھے۔ آپ کی زندگی پر حالی کے گہرے اثرات تھے جسے آپ کی شاعری اور نثر میں بخوبی دیکھا جا سکتا ہے۔ اگر یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ آپ حالی کے نظریاتی اسکول کے ایک شاگرد تھے جس نے اس محبت و عقیدت کا تادمِ آخر بھرم رکھا۔ حالی سے محبت و عقیدت کا اندازہ حسب ذیل واقعے سے بخوبی ہوتا ہے:

"ایک مرتبہ باہر سے ایک واعظ آیا اور درگاہ حضرت قلندر صاحب میں وعظ کرتے ہوئے مولانا حالی کی شان میں یہ کہہ دیا کہ حالی نیچری اور بے دین ہیں۔ یہ خبر مولانا سلیم تک پہنچی اگلے روز اس واعظ کا وعظ ہونا تھا مولانا کمر کس کر اور اپنے احباب کا ایک مجمع اپنے ساتھ لے کر جلسے میں پہنچے اور سامعین سے خطاب کر کے فرمایا۔ اے مسلمانو! اس کافر ملحد کا واعظ سننا تمہارے لئے حرام ہے یہ مسلمان نہیں ہے نا کلمہ گو ہے اور نہ کلمہ کے معنی سمجھتا ہے۔ واعظ بھونچکا رہ گیا اور مولانا کے شاگردوں نے اس کا وعظ نہ ہونے دیا۔ سلیم فرمانے لگے کہ میں ابھی ثابت کرتا ہوں کہ یہ مکار خفیہ پولیس کا آدمی ہے مسلمان نہیں ہے۔ چناں چہ اس سے مخاطب ہو کر کہا کہ بتا الٰہ کے کیا معنی ہیں؟ واعظ نے جواب دیا: نہیں ہے خدا، بس پھر کیا تھا مولانا نے کڑک کر کہا حضرات! جو شخص خدا کی ہستی سے بھی منکر ہے وہ مسلمان کیونکر ہو سکتا ہے۔ جلسے میں ہلڑ مچ گیا اور ہر طرف سے لعنت لعنت کی صدا اٹھنے لگی۔" (۷۵)

سلیم کو بچپن ہی سے شعر و سخن کا بے حد شوق تھا آپ نے چودہ سال کی عمر میں پیر و مرشد سید غوث علی

شاہ کی شان میں ایک قصیدہ کہا جو ۱۰۱ اشعار پر مشتمل ہے سید غوث علی شاہ یہ قصیدہ سن کر بہت خوش ہوئے اور اظہارِ خوشی کے طور پر اپنی ایک چادر اور ایک عدد اشرفی انعام کے طور پر عنایت فرمائی۔ اس قصیدے سے آپ کی اطراف و کناف میں بڑی دھوم مچی اور آپ عزت کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے اس قصیدے کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

صبح دم میرہ زرچرخ چوانشاندر چنگ　　خاطر ماشد بلبل برياض فرہنگ
زدہ سرپایہ سر چرغ سمندر خامہ　　کہ بجولاں دہم از زنگ بہ رنگ نیرنگ (۷۶)

سلیم کو بچپن سے شعر وسخن کا بے حد شوق تھا۔ سرسید اور حالی کی محبت نے اس شوق کو جلا بخشنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کا کلام پاکیزہ اخلاق، تصوف، حب وطن، انسانی ہمدردی، قدرت کی رنگینیوں، فطری حسن، بلند خیالی، خودی اور خودداری پر مشتمل ہے۔ گو آپ کو فکرِ شعر میں نام ونمود کی خواہش کبھی نہ تھی لہٰذا زندگی میں کبھی اس طرف توجہ نہ کی۔ آپ کا مجموعہ کلام متفرق انداز میں بکھرا ہوا تھا جسے اسماعیل پانی پتی (م ۱۹۷۲ء) نے اپنی کاوش وجستجو سے اکٹھا کر کے "افکارِ سلیم" کے نام سے مرتب کر کے ۱۹۳۸ء میں حالی اکیڈمی پانی پت سے شائع کیا۔ افکارِ سلیم کے مطالعے سے آپ کے انقلابی اور جدید نظریات کی عکاسی ہوتی ہے جس میں قوم کو ناامیدی اور مایوسی کے بجائے عملی جدوجہد کی طرف راغب کیا ہے نیز فرسودہ اور قدیم خیالات کے بجائے جدید نظریات سے آگاہ کیا ہے۔ جیسے: نظم "مولود بہاریہ" میں فطری اور قدرتی رنگینیوں کو خوبصورت اور دیدہ زیبی سے آراستہ کیا ہے۔ چوں کہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش موسم بہار میں ہوئی تھی لہٰذا موسم بہار سے تعلق رکھنے والے تمام پھولوں، پودوں اور اشیاء کو جس خوبصورتی سے اشعار کی صورت میں ڈھالا گیا ہے ملاحظہ فرمائیں:

گیندہ ہوا ہے زرد روتکتا ہے ہردم چاسو کیان کیا ہے جستجو کس جلوے کی ہے آرزو
ہے مثل سنبل موبمو آشفتہ دل آشفتہ خو آتا نہیں لب پہ کبھورا ازنہاں کا کچھ سخن
ہے موتیا گوہر فشاں اور گیتلکی ہے تر زباں سنبل ہے زلف مہوشان گیندا ہے روئے عاشقاں
نرگس ہے چشم دلستاں رنبق کھلا ہے خستہ جاں شبوئے زیب گلستان لالہ ہے شمع انجمن (۷۷)

آپ ہندوستان کے حالات سے بخوبی واقف تھے۔ قوم میں پھیلی ہوئی مایوسی اور پژمردگی کسی طرح بھی لائق تحسین نہ تھی اگر اس طرح ناامیدی اور مایوسی کے بادل چھائے رہے تو قوم ہر شعبہ زندگی میں پس ماندگی کا شکار ہو کر ذلیل وخوار ہو جائے گی۔ یہ وہ زمانہ ہے جب سرسید (م ۱۸۹۸ء) مسلمانوں کو جدید تعلیم کی طرف رغبت دلا رہے ہیں اور حالی سوئی ہوئی قوم میں بیداری کی روح پھونک رہے ہیں۔ سلیم بھی اپنے پیشواؤں کے ہمقدم دعوت عمل دیتے ہوئے کہتے ہیں:

مسلمانوں اگر ملت کے ہو تم جانثاروں میں　　تو پسپا کس لئے ہو زندگی کے کارزاروں میں
تمہارے دل میں بھر دی ہے خدا نے روشنی ایسی　　کہ چرچا اس کا رہتا ہے شب وروز ان ستاروں میں
رگوں میں ہے تمہاری دوڑتا جو خون غیرت کا　　یہ سرعت اور یہ بے تابی دیکھی نہیں شراروں میں
دکھاؤ معرکے میں زندگی کے دوڑ دھوپ ایسی　　کہ ہو ممتاز و نام آور جہاں شہ سواروں میں (۷۸)

آپ نوجوانوں میں بلند ہمتی اور عالی حوصلگی پیدا کرنا چاہتے تھے کہ ہندوستان کا نوجوان خصوصاً مسلمان نوجوان خواب کے اندھیرے سے جاگے اور روشنی کی چمک میں قدم آگے بڑھائے۔ غیروں کی صنعت اور کاریگری پر حیران ہونے کے بجائے ہمت وحوصلہ کر کے آگے بڑھے اور ایسے جوہر دکھائے کہ جمود کا رشتہ ٹوٹ کر حرکت وعمل میں بدل جائے۔

کب تک اغیار کی صنعت پر رہو گے حیراں　　اپنی ہمت کا مرقع کوئی دنیا کو دکھاؤ
نقش غیروں کے جو دل پہ ہیں مٹا دو ان کو　　محفل گردش ایام میں رنگ جماؤ اپنا (۷۹)

آپ محنت کی عظمت اور اس کے ثمرات سے بخوبی واقف تھے۔ آپ نے گردش ایام میں محنت کی بدولت اپنا سکہ جمایا لہٰذا دوسروں کو بھی محنت کی تلقین کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ محنت ہی خواری کو راحت اور اندھیری کو روشنی میں بدلتی ہے اور اگر دنیا میں چاہتے ہو راحت وسکوں تو محنت کا دامن تھام لو۔

مزدور کو یہ ایک مصرنے دی صدا　　محنت کے سنگریزوں میں زر دیکھتا ہوں میں
یہ خاک مفلسی میں جو ذرے چمکتے ہیں　　پوشیدہ ان میں شمس وقمر دیکھتا ہوں
محنت بدلنے والی ہے راحت سے بے گماں　　خون جگر بزر یک دگر دیکھتا ہوں میں (۸۰)

سلیم بلند پایہ ادیب ہونے کے ساتھ اعلیٰ درجے کے اخبار نویس بھی تھے۔ رسالہ معارف، مسلم گزٹ اور علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ آپ کے علمی وادبی کاوشوں کا سرمایہ ہے جنہیں آپ کے قلم کی سادگی وروانی، فصاحت اور پرجوش انداز نے زندہ وجاویداں کر دیا۔ ان ادبی شہ پاروں میں آپ نے ضرورت حاضر کے مسائل پر قلم اٹھا کر لوگوں کی نہ صرف اصلاح فرمائی بلکہ ان میں علمی ذوق وشوق بھی پیدا کیا۔ ہم یہاں رسالہ معارف اور علی گڑھ گزٹ سے چند اقتباس پیش کرتے ہیں جنہیں اسماعیل پانی پتی نے مضامین سلیم کے نام سے تین جلدوں میں مرتب کر کے پیش کیا ہے۔

سچی شاعری کی خصوصیات اور عوام الناس پر اس کے اثرات کا اظہار رسالہ معارف جولائی ۱۸۹۸ء کی اشاعت میں اس طرح فرماتے ہیں:

"اعلیٰ درجے کے شاعر جو اخلاق کو نظم کے دلفریب سانچے میں ڈھالتے ہیں وہ پیغمبری کا ایک فرض ادا کرتے ہیں اور دنیا کے لٹریچر کو اپنی نصیحتوں اور ہدایتوں سے مالا مال

کرتے ہیں اور سوسائٹی کو حسن معاشرت کی تعلیم دیتے ہیں۔ وہ زندگی میں بھی فائدہ رسانی کرتے ہیں اور مرنے کے بعد بھی ان کا فیض جاری رہتا ہے۔ ان کا نام ابدالآباد تک زندہ ہے اور ان کا کام ہمیشہ قابل تحسین وآفرین ہے‘‘۔(۸۱)

زندہ قوم کی علامات کا ذکر کرتے ہوئے زندگی کے ہر شعبہ حیات میں اصلاح احوال اور ترقی کے لئے رفاہی ادارے اور فلاحی مراکز قائم کرنے پر زور دیتے ہیں نیز زندہ قوموں کی علامات یہ ہیں کہ وہ ہر شعبہ حیات میں قدم رکھ کر آگے بڑھتی ہیں۔ آپ مسلمانوں اور ہندوؤں کا ہر شعبہ حیات میں تقابلی جائزہ لے کر مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں:

’’اے اسلام کے فرزندوں! اپنی گزشتہ تاریخ کو پھر یاد کرو اور صرف ان لیڈروں کے علم کے نیچے کھڑے ہو جو خلوص اور دلیری کے ساتھ تمہاری خدمت کریں اور ان میں ریاکاری اور نفاق کی بو نہ پائی جائے نیز اس اعلیٰ منتہائے خیال کو پیش نظر رکھو کہ تمہیں ایک زندہ قوم بن کر اپنی مستقل ہستی کا ثبوت دینا ہے۔ یہی وہ خیال ہے جو تمہارے دل میں نئی نئی امنگیں پیدا کرے گا اور جس سے ترقی کے ہر شعبے میں تم ایک ساتھ حرکت کرتے نظر آؤ گے‘‘(۸۲)

(مسلم گزٹ یکم ۱۹۱۲ء)

مسلم گزٹ ۱۱ مارچ ۱۹۱۲ء کی اشاعت میں ’’اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے‘‘ کے نام سے مضمون شایع کیا جس میں ایک فقیر کی صدا کا ذکر ہے جو وضع وقطع کے لحاظ سے فقیر کے بجائے فرشتہ غیب معلوم ہوتا تھا۔ اس کی صدا سے مسلمانوں میں جنبش پیدا ہوتی ہے اور آگے بڑھنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ فقیر یکا یک غائب ہو گیا مگر اس کی صدا مسلمانوں کو بیداری کا ایک پیغام دے گئی۔ صدائے فقیر ہر مسلمان نوجواں سے توقع کر رہی ہے کہ:

’’ہر نوجواں کو اس قربانی کے لئے تیار رہنا چاہیے جو مذہب اسلام اس سے طلب کرتا ہے اور وہ قربانی یہ ہے کہ قوم کے فائدے کے لئے اپنے ذاتی فائدوں کو قربان کر ڈالنا چاہیے۔ آنے والی مسلمان نسلیں موجودہ نوجوانوں کو پکار رہی ہیں کہ اگر تم کمر باندھو اور نڈر ہو کر قوم کی خدمت کرو تو ہم پردۂ عدم سے نکل کر تمہاری بنیادوں کو اور اونچا کریں گے ورنہ اسلام کی گمنامی اور پستی کا الزام تمہاری گردنوں پر ہوگا۔ تم میں سے ہر نوجواں اس پرجوش صدا کو گوش ہوش سے سنے اور ہمیشہ اپنے دل پر نقش کر لے کہ اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے‘‘۔(۸۳)

مصر کے اخبار المؤید میں چھپے مضمون ’’کیا کم سونا اچھی عادت ہے‘‘ کا سلیم نے اردو ترجمہ کیا اور علی گڈھ انسٹیٹیوٹ میں اسے شائع کیا۔ اس مضمون میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ قدرت کے نظامِ کائنات میں دخل اندازی ہلاکت و بربادی کا پیش خیمہ اور برکت سے محروم ہونا ہے۔ کم سونا بیماری اور سستی کی علامت ہے اس ضمن میں کہتے ہیں:

’’جس طرح کوئی انسان اپنے روپے کو پھینکتا اور فضول خرچی سے اڑاتا ہے پھر افلاس کی پستی اور محتاجی کے غار میں جا گرتا ہے اسی طرح کوئی نوجوان جاگنے کے وقت کو لمبا کرتا ہے اور سونے کے وقت کو کوتاہ کرتا ہے تو وہ بھی کمزوری اور نشیب میں دھکیل دیا جاتا ہے‘‘۔(۸۴)

حرکت میں برکت ہے اس مقولے کے بموجب جو قوم دوڑ دھوپ، محنت اور جفاکشی کی عادی ہوتی ہے وہی دنیا میں ترقی کرتی ہے۔ جسمانی تندرستی اور توانائی کا دارومدار جسمانی ریاضت پر ہے۔ معارف یکم ستمبر ۱۸۹۹ء کی اشاعت ’’ریاضت جسمانی اور اسلام‘‘ کے عنوان سے ایک مضمون شایع کیا جس میں ریاضت جسمانی کی اہمیت اور اس کے مرتب کردہ اثرات پر خوبصورتی اور شگفتہ روئی سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ آنحضرت ﷺ کی ہر سنت ریاضتِ جسمانی پر دلالت کرتی ہے۔ اس ضمن میں کہتے ہیں:

’’نماز ایک قسم کی ریاضت ہے جس سے بدن کی صحت قائم رہتی ہے، اخلاط اور فضلے تحلیل ہوتے ہیں۔ یہ اس فائدے کے علاوہ ہے جس سے ہماری مراد ایمان کی حفظِ صحت اور آخرت کی سعادت ہے۔ رات کو عبادت کے لئے کھڑا ہونا بھی منجملہ اسباب حفظانِ صحت کے لئے اہم ہے اس سے روح اور دل کو نشاط ہوتا ہے اور تمام جسمانی کلفتیں دور ہوتی ہیں۔ چناں چہ حدیث میں اس امر کی طرف صاف صاف اشارہ پایا جاتا ہے۔ روزے میں بھی حفظ صحت بدن اور نفس کی مقصود ہے جس کا کوئی صحیح الفطرت شخص انکار نہیں کرسکتا۔ حج کے لئے سفر کرنا بھی حفظانِ صحت کا باعث ہے۔ گھوڑ دوڑ، تیر اندازی، خانگی ضرورتوں کے لئے چلنا پھرنا، دوستوں اور عزیزوں کے پاس جانا اور ان کے حقوق ادا کرنا، بیماروں کی عیادت کرنا، جنازے کے ساتھ قبر تک جانا، جمعہ اور جماعت کے لئے متعین اوقات میں مسجد جانا، نماز کے لئے وضو کرنا او رغسل کرنا یہ سب حرکتیں ریاضت میں داخل ہیں‘‘۔(۸۵)

سلیم نے ۱۹۰۱ء میں حالی پریس کے نام سے ایک مطبع قائم کیا تو مطمع نظر مسلمانوں کی اصلاح معاشرت اور حسن اخلاق و پاکیزہ تمدن کا فروغ تھا۔ چونکہ یہی خوبیاں مسلمانوں کی ناموری اور شہرت کا

باعث بنی تھیں اوراسی ضمن میں دوسری قوموں سے سبقت لے گئے تھے۔اس ادارے نے حقوق اسلام اورسماع مزامیر کے نام سے دواردوترجمے شایع کئے نیز تیسرا ترجمہ کتاب روح اسلام کوجدید ترتیب وتہذیب کے ساتھ اسلامی معاشرت کے نام سے شایع کیا۔اس کتاب کا اس اصل موضوع چونکہ اصلاح اخلاق ومعاشرت تھا لہٰذا اسی نام کومناسب سمجھا گیا۔اس کتاب میں سلیم نے حدیث کی مشہور کتاب ''کنز العمال'' سے اصلاح اخلاق ومعاشرت کے متعلق احادیث منتخب کرکے یکجا کردی ہیں اوران کا صرف اردوترجمہ شایع کیا نیز ہرحدیث کا حوالہ اس کے آخر میں اس طرح دیا کہ عربی متن سے واقفیت گزار بھی استفادہ کرلیں۔اس کتاب کے شایع کرنے کا مطمع نظر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ہم کوامید ہے کہ مسلمان ان مقدس آیتوں اورنصیحتوں پرعمل کریں گے اوراپنے اخلاق اورمعاشرت کو پاکیزہ بناکر اپنی کھوئی ہوئی تہذیب اورشائستگی کوازسرنو حاصل کریں گے''(۸۶)

سلیم ایک جدید شاعراور اعلیٰ پایہ کے نثرنگار کے علاوہ ایک بہترین استاد بھی تھے۔عثمانیہ یونیورسٹی میں اردو کے معلم کی حیثیت سے آپ کی خدمات قابل تعریف ہیں۔آپ نے طلبہ میں علمی ذوق اورترقی کا جذبہ پیدا کیا۔چونکہ یونیورسٹی کا ذریعہ تعلیم اردو تھا اورآپ اردو کی خوبیوں اوروضع قطع سے بخوبی آگاہ تھے لہٰذا اس اضافی خوبی نے آپ کے جوہر چمکانے میں اہم کردارادا کیا۔اس ضمن میں مولوی عبدالحق کہتے ہیں:

''اس میں شک نہیں کہ جامعہ عثمانیہ کومولانا سے بہتر پروفیسر نہیں مل سکتا تھا۔شاید قدرت کو یہ منظور تھا کہ جس یونیورسٹی کا ذریعہ تعلیم اردو ہے وہاں اردو کا پروفیسر بھی ایسا ہی ہونا چاہیے جواس کی شان اورضرورت کے مناسب ہو۔انہوں نے اس یونیورسٹی کے طلبہ میں علمی اورادبی ذوق پیدا کیا وہ انہی کا کام تھا اوریہ بہت بڑا احسان ہے''۔(۸۷)

آپ اردو زبان کا دائرہ وسیع کرنے اوراس کی ترویج واشاعت پرزوردیتے تھے چونکہ اردو ہی ایک ایسی زبان تھی جو ہندوستانیوں میں جذبہ حب وطن پیدا کرنے اورتعصب کوختم کرنے میں مددگارومعاون ہوسکتی تھی۔آپ نے عثمانیہ یونیورسٹی میں ملازمت کے دوران معرکتہ الآرا کتاب تصنیف فرمائی جس میں اردو کی قدرتی ساخت اوراس میں الفاظ سازی کے طریقوں کومفصل طریقے سے سمجھایا گیا ہے۔''وضع اصطلاحات'' نامی اس کتاب نے اصطلاحوں کووضع کرنے کی مشکل حل کرنے میں اہم کردارادا کیا۔(۸۸)

محمد اسماعیل پانی پتی:

محمد اسماعیل پانی پتی دلی کے نواحی گاؤں پالی میں ۱۴اپریل ۱۸۹۳ء میں پیدا ہوئے۔دہلی میں تعلیم پائی بالآخر ۱۹۰۸ء میں پانی پت منتقل ہو گئے۔(۸۹) آپ کولکھنے پڑھنے کا شوق بچپن سے تھا۔آپ نے ملازمت کا آغاز حالی مسلم ہائی اسکول پانی پت میں اورینٹل ٹیچر کی حیثیت سے کیا۔اس کے کچھ عرصے بعد وکٹوریہ میموریل لائبریری پانی پت میں لائبریرین کے فرائض پندرہ سال تک انجام دیتے رہے۔(۹۰)

آپ نے اپنا ذاتی کتب خانہ ۱۹۱۸ء میں قائم کیا جواورینٹل پبلک لائبریری کے نام سے معروف ہے۔آپ نے ۱۹۲۴ء میں ''جہاں نما'' کے نام سے پانی پت سے ماہانہ پرچہ جاری کیا جس کا نام بعد میں مولوی وحیدالدین سلیم (م ۱۹۲۸ء) کے مشورے سے ''کائنات'' کردیا۔بعدازاں حالی مسلم ہائی اسکول پانی پت کی طرف سے ایک ادبی ماہنامہ ''مشعل'' کے نام سے جاری کیا۔آپ کی ادارت میں ۱۹۳۲ء میں جھنگ سے پہلا ہفتہ وار اخبار ''عروج'' جاری ہوا جواصلاحِ دیہات کا سرکاری اخبار تھا۔۱۹۳۵ء میں مولانا حالی کی صدسالہ پیدائش پرایک عظیم الشان جشن نواب بھوپال کی صدارت میں پانی پت میں منعقد ہوا اس ادبی جشن کی تفصیل ''حیاتِ نو'' خاص شمارہ میں شایع کی۔یہ سہ ماہی رسالہ بدرالاسلام فضلی اورآپ کے تعاون سے شایع ہوتا تھا۔اس کے بعد ایک ہفتہ واراخبار ''پیغامِ حیات'' پانی پت سے جاری کیا اورجب کرنال ''صبح ستارہ'' کے ایڈیٹر بن کرگئے تو ''حیات نو'' کو بند کرنا پڑا۔(۹۱)

تقسیم ملک کے بعد تباہ حال ۸ستمبر ۱۹۴۷ء کو لاہور پہنچے۔(۹۲) یہاں اپنے محبوب مشغلے تصنیف وتالیف سے وابستہ ہوگئے بالآخر ۱۲اکتوبر ۱۹۷۲ء بمطابق ۳رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ کواس دارفانی سے کوچ کیا۔(۹۳)

اسماعیل پانی پتی کولکھنے پڑھنے کا بے حد شوق تھا جسے بچپن سے لے کر زندگی کے آخری ایام تک پورا کرتے رہے۔آپ نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اسی کام کے لئے وقف کیا ہوا تھا۔آپ کے علمی ذوق اورجستجو کے بارے میں بدرالاسلام فضلی کہتے ہیں:

''شیخ صاحب کی شخصیت کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ اس میں تنوع اوررنگارنگی نہیں ہے۔ان کونہ انواع واقسام کے لذیذ کھانوں کا اورنہ بہت عمدہ قسم کے لباس سے شغف ہے اورنہ کھیل تماشوں،میلوں اوردوسری تفریحات کی طرف میلان۔انہوں نے غالباً عمربھر سینما نہ دیکھا اورکسی قسم کا کھیل بھی نہیں کھیلا۔عملی سیاست سے بھی وہ ہمیشہ علیحدہ رہے۔ان سب چیزوں کوچھوڑ کر ان کو ایک اورصرف ایک شوق

ہے وہ ہے کتاب، مطالعہ، عملی تحقیق اور تصنیف و تالیف۔'' (۹۴)

آپ نے علمی ذوق اور جستجو کی بدولت پانی پت میں کتب خانے کی بنیاد رکھی تا کہ لوگ علم کی پیاس بجھائیں۔ آپ کی علم پروری اور محبت نے اس کتب خانے کی زینت میں روز افزوں اضافہ کیا اور نادر و نایاب کتب اس کتب خانے کی زینت بنیں جس سے مستفید ہونے کے لئے لوگ دور دور سے تشریف لاتے تھے۔ اس ضمن میں بدرالاسلام فضلی کہتے ہیں:

''شیخ صاحب نے ہمیشہ اپنی آمدنی کا بیشتر حصہ کتابیں خریدنے پر صرف کیا اور ہمیشہ اچھی کتاب کی تلاش میں رہتے تھے۔ اس طرح انہوں نے وسیع کتب خانہ جمع کر لیا تھا جو بیش بہا قلمی نسخوں اور نایاب مطبوعہ کتابوں پر مشتمل تھا۔ جس خوش اسلوبی سے شیخ صاحب اس کو استعمال کرنے دیتے بہت کم لوگ ذاتی کتب خانوں سے ایسا استفادہ کر سکتے ہیں۔ اکثر شائقین علم اس کتب خانے کو دیکھنے کے لئے دور دور سے آتے تھے۔ یہ کتب خانہ شیخ صاحب کا عزیز ترین اور نہایت قیمتی سرمایہ تھا افسوس ہے کہ یہ ۱۹۴۷ء کے انقلاب کی نذر ہو گیا۔'' (۹۵)

شیخ صاحب کو حالی کی ذات سے گہری عقیدت و محبت تھی۔ حالی کے غیر مطبوعہ مقالات اور مضامین کو نہایت تحقیق کے بعد شایع کیا۔ حالی کی شخصیت اور کارناموں پر تحقیقی کاوش اور محنت جو شیخ صاحب سے صادر ہوئی ہے وہ کسی اور کے حصے میں نہیں آئی۔ اسی عقیدت و محبت کا اظہار مولانا حالی کے فرزند خواجہ سجاد حسین کی زبانی سنتے ہیں کہ جب آپ شیخ صاحب کے ہمراہ ۱۹۳۰ء میں حالی مسلم ہائی اسکول کی امداد کے لئے حیدر آباد دکن تشریف لے گئے تو مہاراجہ کشن پرشاد سے شیخ صاحب کا تعارف ان الفاظ میں کرایا:

''یہ والد محترم (مولانا حالی) کے حالات اور تصنیفات کے متعلق سب سے زیادہ جاننے والا شخص ہے۔'' (۹۶)

شیخ صاحب تقریباً ۱۵ برس کی عمر سے ملک کے جرائد و اخبارات میں مضمون نگاری کا سلسلہ شروع کیا جو آخر عمر تک جاری رہا آپ کی تصنیف کردہ اور مرتب کردہ کتابوں میں سے بعض کے نام حسب ذیل ہیں۔ (۹۷)

۱۔ جواہرات حالی ۲۔ مکاتیب حالی ۳۔ افکار سلیم ۴۔ مضامین سلیم
۵۔ مکتوبات سرسید ۶۔ سرسید کا سفرنامہ لندن ۷۔ مقالات سرسید (۱۶ حصے) ۸۔ ترجمہ سیرت ابن ہشام
۹۔ تاریخ اشاعت اسلام ۱۰۔ لوریاں اور پہیلیاں ۱۱۔ ایمان کی باتیں ۱۲۔ مشاہیر پانی پت
۱۳۔ مولانا حالی کی مفصل ۱۴۔ ترجمہ طبقات ابن سعد ۱۵۔ ترجمہ کتاب الاصنام ۱۶۔ تاریخ اسلام
سوانح عمری
۱۷۔ تاریخ تمدن اسلام ۱۸۔ تاریخ مشاہیر اسلام ۱۹۔ جغرافیہ تاریخ اسلام ۲۰۔ سرسید کا سفرنامہ پنجاب
۲۱۔ کلیات نثر حالی ۲۲۔ کلیات نظم حالی

۲۳۔ تصویر کے تین رخ (مطبع ۱۱۶ اکتوبر ۱۹۳۷ء) (۹۸)

یہ مختصر سا کتابچہ تین اقتباس پر مشتمل ہے جسے مصنف نے ''حریت اسلام''، ''ماثر الاکرام'' جلد دوم اور لاہور شہر کے سینٹ انتھنی ہائی اسکول کے ایک سچے واقع سے اخذ کیا ہے۔ اس کتابچہ میں دور حاضر کے طلبہ کے لئے اور خصوصاً مسلمان طلبہ کے لئے نصیحت اور وصیت درج ہے کہ وہ اساتذہ کی عزت و احترام کو ہر حال میں ملحوظ خاطر رکھیں۔ ماضی میں جن طلبہ نے اپنے اساتذہ کے ساتھ بہتر سلوک کیا چہ جائیکہ ان طلبہ کا تعلق شاہی محلات سے ہوتا، اس تعلق کے باعث ناموری و عزت ان طلبہ کا مقدر بنی اور وہ وقت کے امام بنے۔ لہٰذا دور حاضر کے طلبہ بھی اساتذہ کی تحقیر و توہین کے بجائے عزت و احترام کو اپنے اوپر لازم کر لیں۔

۲۴۔ ہمارا آقا (نقوش پریس لاہور، ۱۹۶۳ء) (۹۹)

ہمارا آقا دو حصوں پر مشتمل ہے جو کہ آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ پر افسانے کے انداز میں لکھی گئی ہے۔ کتاب سلیس اور عام فہم اسلوب میں لکھی گئی ہے۔ مصنف نے جدا جدا عنوانات دے کر واقعات کو اس طرح قلمبند کیا ہے:

یتیم کی دائی:

''غریب حلیمہ بچہ نہ ملنے پر غمگین تھی مگر قسمت سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی اور فرشتے آسمان سے جھانک کر کہہ رہے تھے کہ حلیمہ تجھے بچہ نہیں بلکہ بنی نوع انسان کا سردار اور تعلیم روحانیت کا تاجدار ملنے والا ہے ذرا صبر تو کر۔'' (۱۰۰)

تاریخ اشاعت اسلام (غلام علی اینڈ سنز لاہور، ۱۹۶۲ء) (۱۰۱)

تاریخ اشاعت اسلام زمانہ نبوی، دور صحابہ اور عہد سلاطین میں اشاعت اسلام کی مفصل اور مستند تاریخ ہے۔ نیز ایشیاء، افریقہ، یورپ اور امریکہ میں اسلام کی تبلیغی کوششوں پر مفصل انداز میں بحث کی گئی ہے۔ کتاب میں اشاعت اسلام کے وہ مختلف طریقے درج کئے ہیں جو عہد نبوی سے درجہ بدرجہ مبلغین اسلام نے مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں میں استعمال کئے ہیں۔ کتاب دو جلدوں میں ایک مبسوط مقدمے کے ساتھ ۵۸۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ جلد اول دو باب میں منقسم ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

باب اول سولہ (۱۶) فصل پر مشتمل ہے اور ہر فصل کو عنوانات میں منقسم کر کے اس کے متعلق تفصیل سے بحث کی گئی ہے تا کہ تبلیغ و اشاعت کا ہر پہلو تشنہ نہ رہے۔ اسی طرح باب دوم اٹھارہ (۱۸) فصل

پر مشتمل ہے اور آخر میں ایک ضمیمہ اشاعت اسلام اور مسئلہ جہاد کے نام سے شامل کیا گیا ہے جس میں ذیلی عنوانات باندھ کر موضوع کے اعتبار سے سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ جیسے: جہاد کی اقسام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ہر نیک کام جہاد ہے:

''ہر نیک کام اور ہر دینی فرض کی ادائیگی میں اپنی جان، اپنا مال اور اپنی دماغی اور جسمانی قوت کو صرف کرنے کا نام ہی اسلام میں جہاد ہے'' (۱۰۲)

جلد دوم پندرہ ابواب پر مشتمل ہے۔ یہ ابواب مختلف عہد وزمانے میں اشاعت اسلام جیسے: خلفائے راشدین، بنوامیہ، بنوعباس، سلجوقیوں کا قبول اسلام، صلیبی لڑائیوں میں اشاعت اسلام، تا تاری فتنہ اور تبلیغ اسلام، ترکوں میں اشاعت اسلام، وسط ایشیاء کے ملکوں میں اسلام کی تبلیغ، یورپ میں اسلام کی تبلیغ، چین میں اسلام کی تبلیغ، انڈونیشیاء میں اسلام کی تبلیغ، امریکہ میں اسلام کی تبلیغ واشاعت، ہندوستان میں تبلیغ واشاعت۔ فاضل مئولف نے ہر باب کو ذیلی عنوانات میں منقسم کر کے اشاعت اسلام اور مسلم مبلغین کی اشاعت اسلام میں سعی وکوشش کے بارے میں بحث کی ہے۔ جیسے انڈونیشیاء میں اشاعت اسلام کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''انڈونیشیاء میں اشاعت اسلام کا کام اگرچہ مبلغین، معلمین، واعظین، فقہاء، علماء اور حاجیوں نے بھی بہت کیا مگر یہ بات بلاخوف وتردید کہی جاسکتی ہے کہ دعوت اسلام کے مقدس کام میں اس قدر حیرت انگیز کامیابی بیشتر مسلمان تاجروں اور سوداگروں کی محنت وکوشش اور خلوص کے باعث ہوئی۔ ان لوگوں نے ان جزائر کی زبان سیکھ کر اور یہاں کے باشندوں کی معاشرت اختیار کر کے ان کے دلوں کو تسخیر کیا اور ان میں دین اسلام کو اس طرح بتدریج پھیلایا کہ یہاں کی جن عورتوں سے نکاح کیا یا جو لوگ تجارت میں ان کے شریک یا نوکر ہوئے سب سے پہلے ان کو مسلمان کیا اور بجائے اس کے کہ غرور اور فخر ظاہر کر کے ملک کے لوگوں پر اپنی برتری ظاہر کرتے وہ ان لوگوں میں بالکل مل جل گئے اور بڑی نرمی اور محبت سے ان کو تبلیغ کرتے رہے۔'' (۱۰۳)

حوالہ جات

۱۔ ''روز روشن'' محمد مظفر حسین صبا، مطبع شاہجہانی بھوپال، اشاعت ۱۲۹۷ھ، ص: ۶۲۸

۲۔ جھنجانہ یا جھنجنہ میرٹھ کے قریب ایک پرانی بستی ہے۔ عہد ماضی میں ایک مردم خیز قصبہ تھا اور بعض مشاہیر وہاں پیدا ہوئے۔ (دیکھو پنجاب میں اردو از محمود شیرانی، ص: ۱۸۹)

۳۔ ''تذکرہ شعرائے اردو'' میر حسن، انجمن ترقی اردو دہلی، ۱۹۴۵ء، ص: ۴

۴۔ ''یادگار شعراء اردو'' اشپرنگ، مترجم: طفیل احمد، ہندوستان اکیڈمی الہ آباد، ۱۹۴۳ء ص: ۲۸

۵۔ ''پنجاب میں اردو'' محمود شیرانی، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۱۹۸۸ء، ص: ۱۹۰

۶۔ ''تذکرہ ریاض الشعراء'' علی قلی خاں، بحوالہ پنجاب میں اردو، مولف: محمود شیرانی، ص: ۱۹۱/۱۹۲

۷۔ ''پنجاب میں اردو'' محمود شیرانی، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۱۹۸۸ء، ص: ۱۹۲

۸۔ ایضاً، ص: ۱۹۳

۹۔ ایضاً، ص: ۱۹۴

۱۰۔ ایضاً، ص: ۱۹۵

۱۱۔ ایضاً، ص: ۱۹۶

۱۲۔ ایضاً، ص: ۱۹۶

۱۳۔ ایضاً، ص: ۱۹۶

۱۴۔ ایضاً، ص: ۱۹۷

۱۵۔ ''مقالاتِ حالی'' الطاف حسین حالی، ج: اوّل، انجمن ترقی اردو پاکستان، بار چہارم ۱۹۵۷ء، ص: ۲۶۱ تا ۲۶۳

۱۶۔ ایضاً، ص: ۲۶۵/۲۶۴

۱۷۔ ایضاً، ص: ۲۶۶

۱۸۔ ''مطالعہ حالی'' عبارت بریلوی، ڈاکٹر، ادارہ فروغ اردو ۱۹۵۶ء، ص: ۱۲/۱۳

۱۹۔ ''حیات سعدی'' مرتبہ: محمد اسماعیل پانی پتی، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۶۱ء، ص: ۲

۲۰۔ ''داستان تاریخ اردو'' حامد حسن قادری، اردو اکیڈمی سندھ، پہلا ایڈیشن ۱۹۴۱ء۔ تیسرا ایڈیشن ۱۹۶۶ء،

ص:۶۳۲ تا ۶۳۵

۲۱۔ اس کتاب کا اصل نام طبقات الارض ہے اور یہ جیولوجی علم پر مشتمل ہے جس کا ترجمہ اردو میں کیا گیا نیز سال طباعت بھی ۱۸۷۲ء ہے۔ملاحظہ فرمائیں (''حالی کا ذہنی ارتقاء'' ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں، ص:۲۹)

۲۲۔ اس کتاب کا سال طباعت ۱۸۷۲ء ہے ملاحظہ فرمائیں (''حالی کا ذہنی ارتقاء'' ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں، ص:۳۰)

۲۳۔ کال نمبر ۵ / ۱۱الف ۵۰، انجمن ترقی اردو گلشن اقبال کراچی

۲۴۔ کال نمبر ۱۸/۷الف ۶۸، انجمن ترقی اردو گلشن اقبال کراچی

۲۵۔ ''تاریخ ادب اردو'' رام بابو سکسینہ، مترجم: مرزا محمد عسکری، گلوب پبلشرز لاہور، ص:۳۸۱

۲۶۔ ''مطالعہ حالی'' عبادت بریلوی، ڈاکٹر، ادارہ فروغ اردو، ۱۹۵۶ء، ص:۱۰

۲۷۔ ''حالی کا ذہنی ارتقاء'' غلام مصطفیٰ خاں، ڈاکٹر، اعلیٰ کتب خانہ کراچی، ۱۹۵۹ء، ص:۲۰

۲۸۔ ''خطبات عبدالحق'' مرتبہ: عبادت بریلوی، ڈاکٹر، انجمن ترقی اردو کراچی، اشاعت ثانی ۱۹۶۴ء، ص:۵۶۰

۲۹۔ محولہ بالا، ص:۲۵/۲۴

۳۰۔ ''مقالات حالی'' الطاف حسین حالی، ج: اوّل، انجمن ترقی اردو پاکستان، ص:۹

۳۱۔ ''موج کوثر'' شیخ اکرام، فیروز سنز لاہور، طباعت ہشتم ۱۹۶۸ء، ص:۱۲۶

۳۲۔ ''کلیات نظم حالی'' افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر، مجلس ترقی ادب لاہور، ص:۴۰۱

۳۳۔ ''مقالات حالی'' الطاف حسین حالی، ج: اوّل، انجمن ترقی اردو پاکستان، بار چہارم ۱۹۵۷ء، ص:۲۴ / ۲۳

۳۴۔ ''مسدس حالی'' الطاف حسین حالی، تاج کمپنی لمیٹڈ، ص:۴۴

۳۵۔ ''کلیات نثر حالی'' مرتبہ: محمد اسماعیل پانی پتی، حصہ دوم، مجلس ترقی ادب لاہور، ص:۱۴۱

۳۶۔ مقالات حالی، جلد اوّل، ص:۱۷۳

۳۷۔ ایضاً، ص:۱۴۳

۳۸۔ ''مسدس حالی'' الطاف حسین حالی، ص:۶۲

۳۹۔ ایضاً، ص:۴۷

۴۰۔ مقالات حالی، جلد اول، ص:۲۰۴

۴۱۔ مسدس حالی، ص:۴۶

۴۲۔ ایضاً، ص:۶۲

۴۳۔ مقالات حالی، جلد اول، ص:۷۹

۴۴۔ محولہ بالا، ص:۶۲

۴۵۔ ایضاً، ص:۳۶

۴۶۔ ایضاً، ص:۳۵

۴۷۔ مقالات حالی، جلد اول، ص:۲۷۵

۴۸۔ ''داستان تاریخ اردو'' حامد حسن قادری، اردو اکیڈمی سندھ، پہلا ایڈیشن ۱۹۴۱ء، تیسرا ایڈیشن ۱۹۶۶ء ص:۶۳۶

۴۹۔ ''حیات سعدی'' مرتبہ: محمد اسماعیل پانی پتی، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۶۱ء، ص:۵

۵۰۔ ایضاً، ص:۴

۵۱۔ ایضاً، ص:۱۴۴

۵۲۔ ''کلیات نثر حالی'' مرتبہ: محمد اسماعیل پانی پتی، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۶۱ء ص:۲۵۴

۵۳۔ ''نقوش'' مدیر: محمد طفیل، اشاعت فروری ۱۹۶۲ء ص:۹۴۰ پر آپ کی پیدائش ۱۸۳ء لکھی ہے جبکہ فرمان فتح پوری ''اردو شعراء کے تذکرے اور تذکرہ نگاری'' کے ص:۳۱۸ پر ۱۸۲۱ء تحریر کرتے ہیں۔ راقم کے نزدیک فرمان فتح پوری کا بیان درست ہے چونکہ دہلی کالج میں داخلے کے وقت آپ کی عمر تقریباً ۱۸ برس تھی اس لحاظ سے داخلے کا سال ۱۸۳۹ء بنتا ہے۔ اگر ۱۸۳۷ء کی پیدائش صحیح مانیں تو کالج میں داخلے کے وقت تقریباً ۵۶ برس عمر بنتی ہے۔ غالباً کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔

۵۴۔ ''نقوش'' مدیر: محمد طفیل، ادارہ فروغ اردو لاہور، اشاعت جولائی ۱۹۶۴ء، ص:۴۵۲

۵۵۔ ایضاً، ص:۴۵۲

۵۶۔ ''اردو شعراء کے تذکرے اور تذکرہ نگاری'' فرمان فتح پوری، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۷۲ء، ص:۳۱۹

۵۷۔ ''نقوش آپ بیتی نمبر'' مدیر: محمد طفیل، ادارہ فروغ اردو لاہور، اشاعت جون ۱۹۶۴ء، ص:۴۵۲

۵۸۔ ایضاً، ص:۴۵۳

۵۹۔ ''مرحوم دہلی کالج'' مولوی عبدالحق، ڈاکٹر، انجمن ترقی اردو پاکستان، اشاعت ۱۹۶۴ء، ص:۶۵

۶۰۔ کال نمبر ۶۹۱ء ۵۵، دارالعلوم کورنگی کراچی

۶۱۔ کال نمبر ۷ / ۱۹الف ۶۴، انجمن ترقی اردو گلشن اقبال کراچی

۶۲۔ ''نگار پاکستان'' فرمان فتح پوری، انٹرنیشنل پریس کراچی، اشاعت مئی و جون، ۱۹۶۴ء ص:۱۷۵

۶۳۔ کال نمبر ۱۵/۱۹الف ۹۸، انجمن ترقی اردو گلشن اقبال کراچی

۶۴۔ کال نمبر ۹ / ۱۴الف ۱۵۷، انجمن ترقی اردو گلشن اقبال کراچی

۶۵۔ کال نمبر ۳ / ۱ع ۱۲۳، انجمن ترقی اردو گلشن اقبال کراچی

۶۶۔ کال نمبر ۷ / ۱۱۶الف ۳، انجمن ترقی اردو گلشن اقبال کراچی

۶۷۔ کال نمبر ۲/ ۱۱۰الف ۳۲، انجمن ترقی اردو گلشن اقبال کراچی

۶۸۔ کال نمبر ۶ / ۱۳الف ۵۲، انجمن ترقی اردو گلشن اقبال کراچی

۶۹۔ کال نمبر ۶ / ۱۱۵الف ۱۶۳، انجمن ترقی اردو گلشن اقبال کراچی

۷۰۔ ''نقوش'' شخصیات نمبر، مدیر: محمد طفیل، ادارہ فروغ اردو لاہور، اشاعت ۱۹۵۶ء، ص: ۶۳

۷۱۔ ''افکارِ سلیم'' مرتبہ: محمد اسماعیل پانی پتی، حالی اکیڈمی پانی پت، ۱۹۳۸ء ص: ۱۵

۷۲۔ ایضاً، ص: ۱۵

۷۳۔ ایضاً، ص: ۱۶

۷۴۔ ''چند ہم عصر'' مولوی عبدالحق، اردو اکیڈمی سندھ کراچی، ۱۹۶۶ء، ص: ۲۴۲

۷۵۔ ''نقوش شخصیات نمبر ۲'' مدیر: محمد طفیل، اشاعت ۱۹۵۶ء، ص: ۶۶

۷۶۔ ''تذکرہ غوثیہ'' مرتبہ: مولانا گل حسن، دارالاشاعت کراچی، اشاعت اول ۱۸۸۴ء اشاعت ہفتم ۱۹۵۵ء، ص: ۴۳۴ تا ۴۳۹

۷۷۔ ''افکارِ سلیم'' مرتبہ: محمد اسماعیل پانی پتی، حالی اکیڈمی پانی پت، ۱۹۳۸ء، ص: ۳۵

۷۸۔ ایضاً، ص: ۱۳۸

۷۹۔ ایضاً، ص: ۱۸۷

۸۰۔ ایضاً، ص: ۸۰

۸۱۔ ''مضامین سلیم'' مرتبہ: محمد اسماعیل پانی پتی، ج اول، انجمن ترقی اردو کراچی ۱۹۶۱ء، ص: ۵۸

۸۲۔ ایضاً، ص: ۱۵۵/ ۱۵۴

۸۳۔ ''مضامین سلیم'' مرتبہ: محمد اسماعیل پانی پتی، ج سوم، انجمن ترقی اردو کراچی ۱۹۶۱ء، ص: ۱۴/ ۱۳

۸۴۔ ایضاً، ص: ۱۱۲

۸۵۔ ''مضامین سلیم'' مرتبہ: محمد اسماعیل پانی پتی، جلد دوم، انجمن ترقی اردو کراچی، ۱۹۶۱ء، ص: ۱۸۵/ ۱۸۴

۸۶۔ ''اسلامی معاشرت'' مترجم: وحیدالدین سلیم، مکتبہ معاویہ کراچی، طبع اول ۱۹۷۰ء، ص: ۱۸

۸۷۔ ''چند ہم عصر'' مولوی عبدالحق، ص: ۲۴۳

۸۸۔ ''سیر المصنفین'' محمد یحییٰ تنہا، ج: دوئم ۱۹۱۴ء، ص: ۳۶۲

۸۹۔ ''ماخذات احوال وشعراء'' سرفراز علی رضوی، ج دوم، انجمن ترقی اردو، اشاعت اول ۱۹۸۰ء ص: ۳۱۷

۹۰۔ ''نقوش آپ بیتی نمبر'' مدیر: محمد طفیل، ادارہ فروغ اردو لاہور، جون ۱۹۶۴ء، ص: ۱۷۸۴

۹۱۔ ایضاً، ص: ۱۷۸۵/ ۱۷۸۴

۹۲۔ ایضاً، ص: ۱۷۸۴

۹۳۔ ''ماخذات احوال وشعراء'' سرفراز علی رضوی، ص: ۳۱۷

۹۴۔ ''نقوش شخصیات نمبر ۲'' مدیر: محمد طفیل، اکتوبر ۱۹۵۶ء، ص: ۵۹

۹۵۔ ایضاً، ص: ۶۰

۹۶۔ ''نقوش آپ بیتی نمبر'' مدیر: محمد طفیل، جون ۱۹۶۴ ص: ۱۷۸۸

۹۷۔ ایضاً، ص: ۱۷۸۸/ ۱۷۸۷

۹۸۔ کال نمبر ۷ / ۱۲الف ۲۶۳، انجمن ترقی اردو گلشن اقبال کراچی

۹۹۔ کال نمبر ۱۶۲۴، انجمن ترقی اردو گلشن اقبال کراچی

۱۰۰۔ ''ہمارا آقا'' محمد اسماعیل پانی پتی، ج اول، نقوش پریس لاہور، ۱۹۶۳ء ص: ۲۰

۱۰۱۔ کال نمبر ۲۹۷ء۹، علامہ داؤد پوتہ لائبریری حیدرآباد

۱۰۲۔ ''تاریخ اشاعت اسلام'' محمد اسماعیل پانی پتی، جلد اول، غلام علی اینڈ سنز لاہور اشاعت اول ۱۹۶۲ء ص: ۳۶۰

۱۰۳۔ ایضاً، ص: ۲۷۰

◆□◆◆◆□◆

باب ___ چہارم

پانی پت کے قراء وحفاظ

اللہ تعالیٰ نے امت محمدی کو دو معجزے عطا کیئے ہیں جو تا قیامت مسلمانوں کی رہبری ورہنمائی کا ذریعہ ہیں ایک قرآن اور دوسرا صاحب، قرآن پاک کتاب کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے جس پر عمل پیرا ہو کر ہم دنیا وآخرت میں سرخرو ہو سکتے ہیں۔ قرآن ایک مکمل ضابط حیات ہے جس کی عملی تصویر آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ قرآن پاک بتدریج آپ ﷺ پر ۲۳ تیئس سال میں نازل ہوا۔ جن احکامات کی مسلمانوں کو ضرورت پیش آتی گئی اللہ تعالیٰ اپنی حکمت ومنشاء سے وہ قرآنی احکامات اتارتا گیا یہاں تک کہ اس کی دعوت کو لے کر مسلمان دنیا کے قریہ قریہ میں پھیل گئے اور اس سے مردہ دلوں کو توانا کر دیا، جہل کو روشنی کا راستہ بتلا دیا اور بھٹکے ہوئے مسافروں کو منزل کا پتا بتا دیا۔ قرآن پاک اتنی عظیم الشان کتاب ہے کہ اس میں کسی قسم کی شک کی گنجائش نہیں۔ یہ انسانوں کے لئے ہدایت اور شفاء کا ذریعہ ہے اور اپنے ماننے والوں سے اس بات کا تقاضا کرتی ہی کہ اس کو مضبوطی سے تھام رکھو۔ واعتصمو بحبل اللہ جمیعا ولاتفرقوا (اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور تفرقے میں نہ پڑو)۔ (۱) جس نے اس کی تعلیمات کو اپنی زندگی میں ڈھال لیا اس کے روز وشب میں انقلاب بپا ہو گیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ عرب کے صحراو ریگزاروں میں جب قرآن کی تعلیمات کی صدائیں بلند ہوئیں تو عرب کے بدو جو باہم عناد ودشمنی میں برسوں سے برسر پیکار تھے اور جہل رسومات کے دلدادہ تھے، مختلف بتوں کی پرستش کرتے تھے وہ ایک خدا کی عبادت کرنے لگے اور اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر تمام دنیا کے امام بن گئے۔

قرآن پاک کی عظمت اور اس کے کلام کی قوت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ قرآن خود اپنے مخالفین کو چیلنج دے رہا ہے کہ وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتو بسورۃ من مثلہ (اور اگر تمھیں کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے اپنے ان خاص بندے پر اتارا تو اس جیسی ایک سورت تو لے آؤ)۔ (۲) مگر مخالفین باوجود کہ تمام کوشش اس کے آگے عاجز ہیں اور لوگوں کو اس کے سننے سے روکتے اور صاحب قرآن کو ساحر اور دیوانہ گرادنتے۔ ان ھذا الاسحر یوثر (یہ تو وہی جادو ہے اگلوں سے سیکھا)، (۳) اس کلام میں اتنی چاشنی اور مٹھا

س ہے کہ جو ایک مرتبہ اس کو سن لیتا وہ یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ کسی عظیم قوت کا کلام ہے۔ ان ھذ الاقول البشر (یہ نہیں مگر آدمی کا کلام)۔(۴) اس کی قوت وطاقت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ اگر پہاڑوں پر نازل ہوتا تو ریزہ ریزہ ہو جاتا لوانزلنا ھذا القران علی جبل لرایتہٗ خاشعا متصد عا من خشیۃ اللہ ط (اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارتے تو ضرور تو اسے دیکھتا جھکا ہوا پاش پاش ہوتا اللہ کے خوف سے)(۵) لیکن اللہ نے اس کو انسانی قلوب پر نازل کیا تا کہ ظاہر و باطن اس کے رنگ میں رنگ کر اللہ کے رنگ میں ڈھل جائے کیونکہ اللہ کا رنگ سب رنگوں سے بہتر ہے۔

انسانی فلاح وترقی کا راز اس کی تعلیمات میں پنہاں ہے چونکہ اب تا قیامت کوئی نئی شریعت نہیں آئے گی لہٰذا امت محمدیہ کی ذمہ داری ہے کہ اس پر غور وفکر کرے اور اس کی تعلیمات کو عام کرنے کوشش کرے۔ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتومنون باللہ (تم بہترین امت ہو سارے انسانوں کے لئے وجود میں لائی گئی ہے، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر کامل یقین رکھتے ہو)۔(۶) بہترین امت کا تقاضا ہے کہ قرآن کی تعلیم کو عام کریں۔ قرآن خوانی اور قرآنی تفسیر کو عام کرنے کئے ضروری ہے کہ خود بھی عمل کریں اور دوسروں کو بھی عمل کی دعوت دیں۔ ہماری اولین ذمے داری ہے کہ قرآن پڑھنے کا جیسا حق ہے وہ حق ادا کریں یعنی قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر مخارج کی صحیح ادائیگی کے ساتھ اس کی تلاوت کریں۔ ورتل القرآن ترتیلا (اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں)۔(۷) مخارج کی صحیح ادائیگی کے ساتھ اس کی تلاوت کے لئے کسی صحیح قاری کی شاگردی اختیار کریں۔ اس ضمن میں قاری عبدالرحمن محدث پانی پتی فرماتے ہیں:

''طالب کو واجب ہے کہ تجوید کے باب میں بہت ہی غور و تامل کرنے اور فکر صائب سے کام لے اور استاد صادق سے اسباب موافق سیکھے ورنہ قرآن پڑھنے میں غلطی ہوگی اور غلطی سے بچنا اور قرآن مجید کو تجوید وترتیل کے ساتھ پڑھنا واجب ہے اور تجوید کا چھوڑ دینے والا گنہ گار ہے۔ اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام پاک تجوید وترتیل کے ساتھ نازل فرمایا ہے اور وہی تجوید ثقہ استادوں کے وسیلے سے ہم کو پہنچی ہے۔ پس ہم پر تجوید واجب ہوئی اور اس کا ترک کر دینا حرام ہے۔''(۸)

مذکورہ بالا بیان کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ امت محمدیہ کو جہاں آیت قرآن پر غور وفکر کر کے اس کے احکامات کو بجالانے کی تاکید کی گئی ہے تو اس کے ساتھ قرآن کے الفاظ کو صحیح طرح پڑھنے اور اس کی درست ادائیگی پر بھی بے حد زور دیا گیا ہے اور جو طریقہ آپ ﷺ سے سینہ بہ سینہ چلا آ رہا ہے اس کے موافق قرآن کی تلاوت جائز ہے اور اس سے مخالف ناجائز ہے۔ لہٰذا ثقہ قراء سے تجوید کو سیکھنا لازمی امر ہے۔ علامہ حضر (م ۲۰۵ھ) اپنی مشہور تصنیف نشر میں اس ضمن میں فرماتے ہیں:

''اس میں کچھ شک نہیں کہ حضرت محمد ﷺ کی امت کو جس طرح حکم ہے کہ قرآن کے معنی سمجھ کر اور اس میں غور کر کے عبادت کریں اور قرآن کے حکموں کو بجالائیں اور اس کی حدوں کو قائم کریں ایسا ہی ان کو یہ بھی حکم ہے کہ اپنی عبادتوں میں قرآن کے لفظوں کو صحیح کر کے پڑھیں اور اس کے حرفوں کو نہایت درستی کے ساتھ اس طور سے پڑھیں کہ سیکھا اور حاصل کیا ہے، اس کو علم قرأت کے اماموں سے اس سند کے ساتھ کہ پہنچی ہے نبی ﷺ تک اور آپ ﷺ سے متعلق ہوگئی اور مل گئی ہے کہ آپ تمام ملک کے رہنے والوں سے زیادہ فصیح تھے اور قرآن مجید پڑھنے کا جو نبی ﷺ سے پہنچا ہے ایسا ہی کہ اس کی مخالفت ہرگز جائز نہیں ہے اور طریقے کو چھوڑ کر سوائے اس کے کسی اور طریقے کی طرف عدول کرنا اور ٹھہرنا درست نہیں ہے اور آدمی اس صفت اور طریقہ قرأت میں کئی طرح کے ہیں ایک تو اچھی طرح جاننے والے اور اچھی اور صحیح طور سے پڑھنے والے ہیں یہ ثواب پانے والے ہیں، دوسرے بری طرح سے پڑھنے والے ہیں یہ گناہ گار ہیں، تیسرے معذور ہیں پس جو شخص قرآن کے صحیح پڑھنے پر قادر ہے کہ عربی فصیح کو صحیح لفظوں کے ساتھ پڑھ سکتا ہے پھر وہ جان بوجھ کر عجم کے فاسد وتباہ لفظوں یا زبان کی زبوں اور برے لفظوں کی طرف مائل ہو اور تجاوز کرے اور اپنے تئیں تجوید کے سیکھنے سے غنی و بے پرواہ جانے اور اپنی دانائی واستنباط پر اصرار کرے اور اپنی یاد پر اور جس طرح پڑھنے کی اس کو عادت ہوگئی ہے اس پر اعتماد اور بھروسہ کرے اور تکبر کے سبب سے کسی علم قرأت کے عالم کی طرف رجوع نہ کرے اور اس سے نہ سیکھے کہ وہ عالم اس منکر کو صحیح لفظ قرآن کے سکھا دے پس ایسا آدمی بے شک قصوروار اور گنہگار ہے۔''(۹)

مذکورہ بالا اقتباس سے تجوید کی اہمیت وفضیلت پر روشنی پڑتی ہے۔ نیز جو شخص بلا تجوید قرآن پاک پڑھتا ہے علم قرأت کے علماء سے قرآن پاک کی درستگی کرنا واجب ہے۔ ذیل میں علامہ جزری (م ۸۳۳ھ) کے چند اشعار تجوید کی اہمیت کے بارے میں پیش کیئے جاتے ہیں۔ جس میں علامہ نے تجوید کی اہمیت کو انتہائی خوبصورت پیرائے میں بیان کیا ہے اور اس علم وفن کے حصول وعدم حصول کو مشق وتکرار پر مسخر کیا ہے:

والاخذ بالتجوید حتم لازم   من لم یجود القران أثم

تجوید کا اختیار کرنا واجب ولازم ہے   جو قرآن مجید کو تجوید سے نہ پڑھے گناہ گار ہے

لانہٗ بہ الالٰہ انزلہ   وھکذا الینا وصلہ

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو تجوید کے ساتھ اتارا ہے۔   اور ہم تک اسی طرح پہنچا ہے

وھو ایضاً حلیتہ التلاوہ   وزینتہ الاداء والقراۃ

تجوید تلاوت کا زیور بھی ہے — اور قرأت اور ادا کی زینت بھی ہے

وهو اعطاء الحروف حقها — من صفته لها و مستحقها

تجوید یہ ہے کہ حرفوں کا حق ادا کیا جائے — اور جس حرف کے جو صفات میں ان کے ساتھ ادا کیا جائے

ورد کل واحد لاصله — واللفظ فی نظیره کمله

اور ہر حرف کو اس کے اصل مخرج سے ادا کیا جائے — اور جس طرح ایک دفعہ ادا کیا جائے اس طرح دوبارہ ادا کیا جائے۔

مکملا من غیر ما تکلف — باللطف من التطق بلا تعسف

ادائی کمال کے ساتھ ہو کہ تکلف نہ معلوم ہو — تلفظ میں لطافت ہو سختی اور گرانی نہ ہو

ولیس بینه و بین تو که — الا ریاضته امری بفکه

تجوید کا حصول وعدم حصول — مشق رہن پر منحصر ہے۔(۱۰)

علامہ جزریؒ کے اشعار اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی تلاوت تجوید کے ساتھ پڑھنا اور حرفوں کو ان کی صفات کے ساتھ ادا کرنا واجب ہے۔ آواز میں لطافت اور چاشنی وتکرار کو ترجیح دیں۔ تجوید کی اہمیت کے پیش نظر چند احادیث پیش نظر میں جس سے اس علم کی اہمیت وفضلیت پر روشنی پڑتی ہے۔

بخاریؒ نے حضرت عثمان غنیؓ سے حدیث نقل کی ہے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔

خیر کم من تعلم القرآن و علمه

تم میں بہترین لوگ وہ میں جو قرآن مجید سیکھتے اور سکھاتے ہیں۔(۱۱)

طبرانی نے عبداللہ ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ

خیر کم من قرئ القران و قرئه

تم میں سے بہترین اشخاص وہ ہیں جو قرآن پڑھتے اور پڑھاتے رہتے ہیں۔(۱۲)

زید بن ثابت سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔

ان اللہ یحب ان یصری القران کما انزل

اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ قرآن مجید اس طرح پڑھا جائے جیسا اتارا گیا ہے۔(۱۳)

پس قرآن مجید کو صحت کے ساتھ تلاوت کرنا یعنی اس طرح پڑھنا جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے پڑھا اور جس طرح اس صحت کو ملحوظ رکھا کہ صحابہ کرامؓ نے حضور اکرم ﷺ سے حاصل کیا۔ اسی طرح پڑھنے کا نام تجوید ہے۔ تجوید کے لغوی معنی ہیں بنانا سنوارنا خوبصورت بنانا اور اصطلاحی الفاظ میں تجوید کی تعریف یہ ہوئی کہ قرآن مجید کے حروف وکلمات کو صحیح مخارج سے برعایت صفات لازمہ مقومہ، محسنہ بلاتکلف وتصنیف کے لطاف وخوبی کے ساتھ ادا کرنا جس میں افراط وتفریط نہ ہو بلکہ اعتدال ہو۔(۱۴)

قرآن دنیا کی واحد کتاب ہے جو اب تک محفوظ ہے اور کسی بھی قسم کا تغیر وتبدل واقع نہیں ہوا ہے اور نہ ہوگا اور یہ قرآن کا اعجاز اور معجزہ ہے کہ ہر دور میں اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگ پیدا کیئے ہیں جنہوں نے قرآن کی خدمت کو سعادت سمجھا اور ایسے ایسے کارہائے نمایاں انجام دیئے جو نا قابل یقین ہیں۔ قرآن پاک کی حقانیت اور سچائی ہر دور میں واضح ہے اس کی تعلیمات تا قیامت رہیں گی کوئی اس میں تحریف وتبدیلی نہیں کرسکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا خود اپنے ذمہ لیا ہے۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحفظون۔ (یعنی بے شک ہم نے ایسے نازل اور ہم ہی اس کی حفاظت کے ذمے دار ہیں)(۱۵) چودہ سو ۱۴۰۰ سال گزرنے کے باوجود قرآن پاک کی تدوین واشاعت میں صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کی کوششیں قابل تحسین ہیں جنہوں نے انتہائی ضبط اور صحت مند نقل کے ساتھ اس کی تدوین کی ذمہ داری کے فرائض انجام دیئے۔

گو کہ آپ ﷺ کے زمانے میں قرآن پاک ایک جگہ جمع نہ تھا، مگر صحابہ کرامؓ کے سینوں میں محفوظ تھا۔ عہد ابو بکرؓ (م ۱۳ھ) میں یمامہ کی لڑائی ۱۱ھ میں واقع ہوئی جس میں پانچ سو قراء شہید ہو گئے۔ اس سے حضرت عمرؓ (م ۲۳ھ) کو اندیشہ ہوا کہ کہیں صحابہ کرامؓ کی وفات سے قرآن معدوم نہ ہو جائے۔ انہوں نے حضرت ابو بکرؓ سے درخواست کی کہ قرآن کو ایک جگہ جمع کرائیں، حضرت ابو بکرؓ نے پہلے انکار کیا اور کہا کہ جو کام حضور اکرم ﷺ نے نہیں کیا میں اس کو کیسے کروں مگر پے در پے توجہ دلانے پر آمادہ ہو گئے اور حضرت زید بن ثابت انصاریؓ (م ۴۵ھ) کو اس خدمت پر مامور کیا۔ حضرت زید کہتے ہیں اگر مجھے پہاڑ اٹھانے کا حکم دیا جاتا تو اس سے آسان ہوتا۔ آپؓ کے باوجود حافظ ہونے کہ ایک ایک آیت صحابہ کرام کی گواہی سے لکھی اور تمام قرآن کو جمع کر دیا مگر وہ متفرق صحیفے تھے جو تاحیات ابو بکر صدیقؓ اور پھر حضرت عمرؓ کے پاس رہے اور ان کی شہادت کے بعد ام المومنین حضرت حفصہؓ کے قبضے میں آئے۔(۱۶)

۳۰ھ میں حضرت حذیفہؓ آرمینیا اور آذر بائیجان کی لڑائیوں میں شریک ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ مسلمان قرآن کی ترتیب وغیرہ کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں اور ہر شخص اپنے قرآن کو صحیح اور دوسروں کو غلط کہتا ہے۔ آپؓ کو اس واقعے سے بے حد رنج ہوا اور آپ نے مدینہ میں حاضر ہو کر حضرت عثمان غنیؓ (م ۳۵ھ) سے عرض کیا کہ اے امیر المومنین قرآن کے متعلق امت محمدی کا تفرقہ مٹایئے اور اس سے قبل کہ ان میں یہود ونصاریٰ کے مانند اختلاف ہو ان کی دست گیری کیجئے۔ حضرت عثمانؓ نے وہ صحیفے حضرت حفصہؓ سے منگا کر حضرت زید بن ثابت انصاریؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبدالرحمنؓ بن الحارث بن ہشام اور حضرت سعید بن العاص (بعض روایات سعید کے بدلے حضرت عبداللہ بن عمرو بن

العاص اور حضرت عبداللہ بن عباس کے نام ہیں) ان کی نقلیں تیار کرنے پر مقرر کیا اور حکم دیا کہ اگر کسی بات میں حضرت زیدؓ اور باقی حضرات کے درمیان اختلاف ہو تو اس کو لغت قریش میں لکھیں کیونکہ قرآن اساس قریش پر نازل ہوا ہے۔(۱۷)

جب باجماع صحابہ کرام آٹھ نقلیں (بعض نے ۴ نسخے بتائے ہیں اور بعض نے ۷ نسخے بتائے ہیں اور علامہ دانی (م ۴۴۴ھ) نے پہلی سی کی تائید کی) تو حضرت عثمان غنیؓ نے ایک ایک نسخہ مکہ معظمہ، بصرہ، دمشق، کوفہ، یمن اور بحرین میں بھیج دیا اور ایک مدینہ منورہ میں اور ایک خاص اپنے لئے رکھا۔ انہی قرآنوں کو مصاحف قرآن کہتے ہیں..... حضرات صحابہ کرامؓ نے ان قرآنوں کو نقاط واعراب سے خالی رکھا تھا تا کہ جملہ قرأت کے حامل ہوسکیں نیز زیادت ونقصان کو ان وجوہ صحیحہ کی بعض مصاحف میں رعایت رکھی گئی تھی جو عرضہ اخیرہ تک منسوخ نہیں ہوئی تھیں اور اصل اعتماد اب بھی ضبط وحفظ پر تھا، ہر شہر میں صحیح تلفظ سکھانے والے صحابہ کرام اور تابعین موجود تھے۔ جملہ صحابہ کرامؓ قاری (آج کل قاری اسے کہتے ہیں جو سبعہ یا عشرہ قرأت جانتا ہو اور حافظ سے اس کا مرتبہ ارفع واعلیٰ تصور ہوتا ہے۔ صدر اول میں ہر قرآن پڑھنے والے کو قاری کہتے تھے اور حافظ کا درجہ اس سے بہت بلند تھا) بعض حافظ اور بعض خصوصیت کے ساتھ معلم قرأت تھے۔ صحابہ کرامؓ کے بعد قرآن پڑھانے والے تابعی عظام ہیں جو اسلامی دنیا کے ہر گوشے میں موجود تھے۔ انہیں تابعین اور تبع تابعین میں سے وہ حضرات ہیں جنہوں نے تمام چیزوں سے اعراض کر کے اپنے آپ کو خدمت قرآن کیلئے وقف کر دیا۔ حصول قرأت اور حفظ وضبط میں اتنی جدوجہد کی کہ جس سے زیادہ ممکن نہیں حتیٰ کے مقتدائے روزگار ائمہ بن گئے ان میں سے بعض نے کئی کئی صحابہ کرامؓ سے اور بعض نے صحابہ کرام اور تابعین سے بعض نے صرف تابعین اور تبع تابعینؒ سے قرآن پڑھا۔ اور ہر شخص نے ان کی تعلیم کردہ وجوہ قرأت میں سے احاد اور غیر مشہور اور شاذ (۱۸) کو چھوڑ کر عربیت میں اقوی اور موافق رسم وجوہ سے اپنے لیئے جدا جدا قرأت اختیار کرلیں اور عمر بھر انہیں کو پڑھتے اور پڑھاتے رہے تمام مفسرین ومحدثین اور جملہ فقہا ومجتہدین ان کی اختیار کردہ قراءتوں کو بلا عذر قبول کرتے تھے ان صاحب اختیار حضرات کے مراکز حسب ذیل ہیں۔(۱۹)

۱۔مدینہ منورہ:

امام ابوجعفر یزید بن القعقاع، امام شیبہ بن النصاح قاضی اور ان کے بعد امام نافع بن عبدالرحمن

۲۔مکہ معظمہ:

امام عبداللہ بن کثیر، امام حمید بن قیس الاعرج، امام محمد بن عبدالرحمن ابن محیض سہمی

۳۔کوفہ:

امام یحیٰ بن وثاب اسدی، امام عاصم بن ابی النجود، امام سلیمان بن مہران الاعمش اور ان کے بعد امام حمزہ بن حبیب الزیات پھر امام ابوالحسن علیؒ الکسائی پھر امام خلفؒ بن شہام البنرار

۴۔بصرہ:

امام ابوعبداللہ بن ابی اسحق حضرمی، امام عیسیٰ بن عمرو ہمدانی ضریر، امام ابوعمروؒ ابن العلاؒ اور ان کے بعد امام عاصمؒ بن حجاج حجدری پھر امام یعقوب بن اسحاق حضرمی

۵۔دمشق:

امام ابوعبداللہ بن عامر، امام عطیہؒ بن قیس کلابی، امام اسمٰعیل بن عبداللہ بن مہاجر ان کے بعد امام یحیٰ بن حارث زماری پھر امام شریح بن راید حضرمی مشہور صاحب اختیار ائمہ تھے۔

اختیارات کا سلسلہ بے حد وسیع تھا جو صدیوں سے جاری رہا اور خدا جانے کتنے صاحب اختیار ائمہ پیدا ہوئے امام ابومحمد مکی کہتے ہیں کتابوں میں ان ۷۰ ستر صاحب اختیار ائمہ کی قرأت مذکورہ ہیں جو قراء سبعہ سے مقدم تھے اس سے قیاس کریں کہ ان کے ہم مرتبہ اور ان کم اور کم تر کتنے ائمہ ہونگے۔

باب دوم کے حاشیہ وحوالہ جات میں ہم بیان کرآئے ہیں کہ کلمات قرآن کی دو قسمیں ہیں متفق علیہ جن کو تمام صحابہ کرام نے ایک طرح پڑھا ہے ان میں کوئی اختلاف نہیں ہوسکتا۔ مختلف ۲ فیہ جن کو صحابہ کرامؓ نے لغوی اختلاف یا نحوی وجوہ کی بنا پر مختلف پڑھا ہے۔ دونوں اقسام الفاظ من اللہ اور حضور اکرم ﷺ کے تعلیم کردہ میں مثلاً ایک صحابی نے صلہ، اظہار، تسہیل اور فتح سیکھا، دوسرے نے بغیر صلہ، اظہار، تسہیل اور فتح سیکھا، تیسرے نے صلہ بغیر صلہ، ادغام، تسہیل اور امالا اسی طرح اور بہت سی شکلیں ہوسکتی ہیں اور چونکہ ان اختلافات کی کوئی ترتیب بعینہ واجب نہ تھی لہٰذا تابعین اور تبع تابعین نے اپنے اساتذہ کی قرأت سے بپابندی شرائط نئی ترتیب سے قرأت اختیار کرلیں اسی وجہ سے صدر اول کی قرأت کا کوئی شمار نہیں بتا سکتا۔ ائمہ کے تلامذہ اور رواۃ ان گنت تھے اور پھر ان میں سے ہر ایک کے جانشین ایک قوم بنی جنکی تعداد خدا تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اب امت کے پاس دس قراءتیں متواترہ باقی ہیں ان میں سے سات بہت زیادہ بہت مشہور ہیں اور علامہ دانی وغیرہ علمائے قرأت نے ائمہ کے رواۃ میں سے دو دو راویوں کی روایات بیان کی ہے اور اس وقت سے یہی رواج ہے کہ ہر امام سے دو دو روائتیں پڑھی اور پڑھائی جاتی ہیں۔

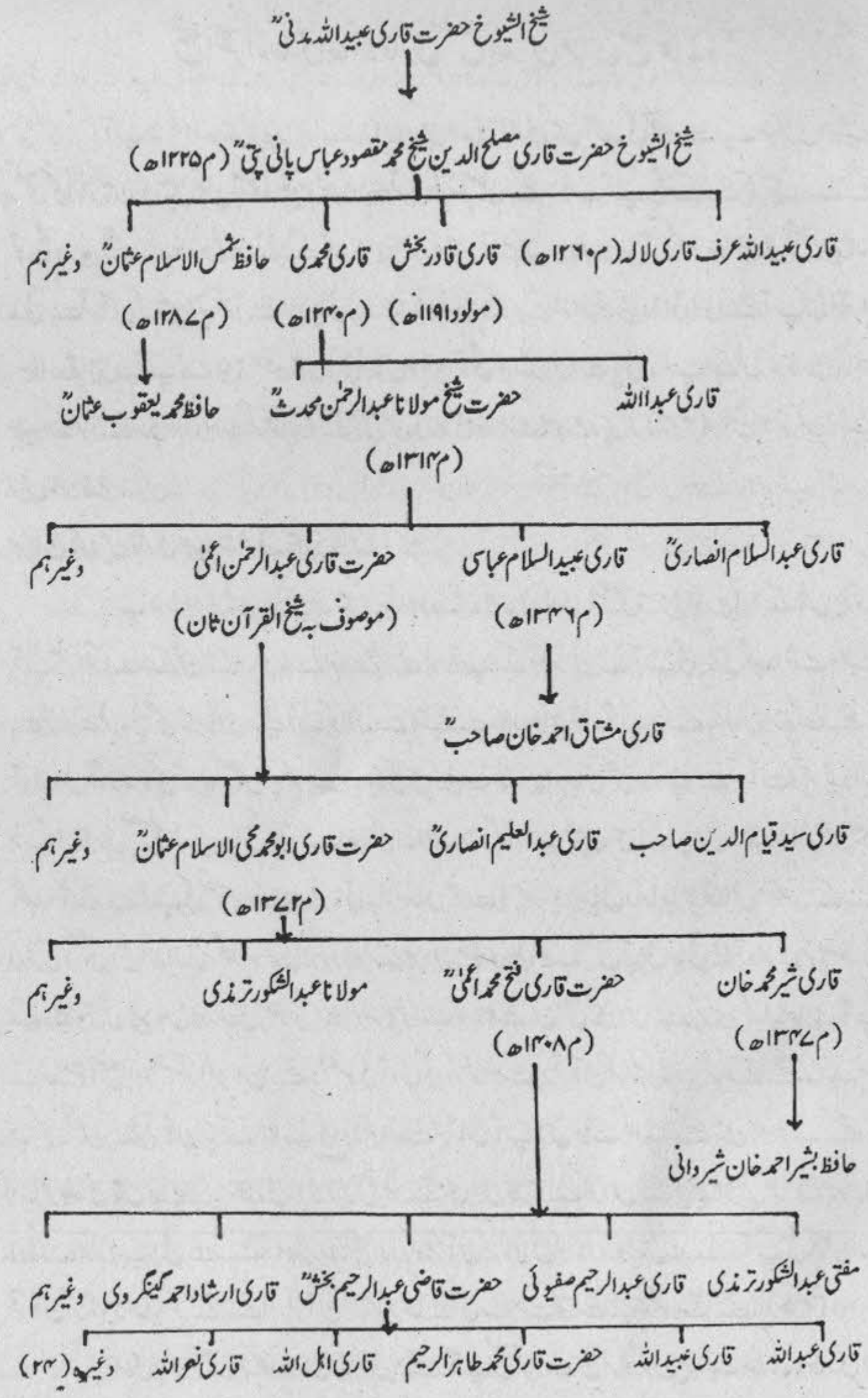
جیسا کہ باب اول میں تذکرہ کرآئے ہیں کہ علوم وفنون کے فروغ واشاعت میں پانی پت کے جملہ مدارس اور قرأت حضرات نے انتہائی کوشش ومحنت سے کام لیا ہے اسی لئے تجوید وقرأت کو بہت عروج حاصل ہوا یہاں کا بچہ بچہ حفظ وضبط اور تجوید وقرأت کو حاصل کرنے کا متمنی اور حریص تھا، اسی ذوق وشوق کی بناء پر معروف قاری وحافظ پیدا ہوئے جنہوں نے تجوید وقرأت کے شعبے میں نمایاں کارنامے انجام

دیئے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب عذر ۱۸۵۷ھ نے دہلی کو اجاڑ دیا تو پانی پت علوم دین خصوصاً علم قرأت وتجوید کا مرکز بن گیا، بارہویں صدر ہجری میں حضرت قاری مصلح الدین بن شیخ محمد مقصود عباسی پانی پتی نے مدینہ طیبہ میں شیخ القراء قاری عبیداللہ مدنیؒ سے تجوید قرأت کی تکمیل فرما کر اپنے وطن پانی پت میں مدنی قرأت کی بنیاد از سر نو رکھی۔ آپ سے فیوض و برکات سمیٹنے والوں میں صاحبزادہ قاری عبیداللہ عرف قاری لالہ، قاری قادر بخش انصاری، قاری محمد فیض انصاری قاری احمد انصاری، حافظ شمش الاسلام عثمان و دیگر متعدد حفاظ و قراء نے کسب فرمایا۔ (۲۰)

چونکہ تجوید و قرأت علم بھی ہے اور فن بھی لہٰذا کسی فن کو جاننے اور اس میں مہارت پیدا کرنے کے لئے مشق اور تکرار لازمی ہے اور جب تک محنت شاقہ کے ذریعے مشق اور تکرار نہیں ہوگی تو متعلقہ فن میں مہارت حاصل ہونا محال ہے چونکہ اس فن میں عملی مہارت پیدا کرنے کے لئے زبان و دہن سے محنت و مشق بہت ضروری ہے جس کے بغیر عملی میدان میں نمایاں خدمات انجام نہیں دی جا سکتی، پانی پتی قراء نے اس علم کو نہ صرف حاصل کیا بلکہ اس میں مہارت پیدا کرنے کے لئے اپنی زندگی کا ایک حصہ اس پر صرف بھی کیا جس کی بدولت آج بر صغیر پاک و ہند میں یہ حضرات قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وان لیس لانسان الا ما سعی (انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے)۔ (۲۱)

دنیا میں جو بھی عزت اور وقار مسلمانوں کو ملا وہ اس کتاب کی بدولت ملا ہے کیونکہ یہ اپنے پیرکاروں کو زندگی گزارنے کا ایک مکمل ضابطہ عطا کرتی ہے اور جب مسلمانوں نے اس کتاب کو پس پشت ڈالا تو دنیا میں ذلیل و خوار ہوئے۔ عمر بن خطابؓ حضور اکرم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ان اللہ یر فع لھذا الکتاب اقواماً و یضع بہ آخرین (بیشک اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے افراد کو بلند اور پست کرتا ہے) (۲۲) الغرض جو لوگ خدمت قرآن میں مشغول ہو گئے اور اپنا تن من اس کے فروغ و اشاعت میں صرف کر دیا تو اللہ نے بھی انہیں بلند کیا اور ان کی محبت و عقیدت کو لوگوں کے دلوں میں اس طرح پیوست کر دیا جس طرح بچہ اپنی ماں سے محبت کرتا ہے اور یہی قرآن کا اعجاز ہے۔

اس باب میں معروف قراء کے علاوہ غیر معروف قراء کے تعارف اور کارناموں کا احاطہ کرنے کی سعی کی جائے گی تاکہ پانی پتی قراء کی جملہ مساعی سے واقفیت حاصل کر سکیں۔ اگلے صفحے پر مذکورہ شجرہ سے واضح طور پر علماء کرام کی خدمات سامنے آتی ہیں کہ اس علم و فن کی بنیاد کب اور کس نے رکھی اور ہندوستان و پاکستان میں یہ فیض کس کے ذریعے سے جاری رساری ہوا۔ ہنوز اس علم و فن کے فروغ و اشاعت میں پانی پتی قراء ہمہ تن پاکستان میں مصروف عمل ہیں جس کا احاطہ اگلے باب میں کیا جائے گا۔



شیخ القراء حاجی حافظ قاری مصلح الدین عباسی مع تلامذہ

آپ ۱۱۴۵ھ میں پیدا ہوئے۔ بارہویں صدی ہجری میں آپ کی شخصیت ایک مرکزی حیثیت رکھتی تھی، لڑکپن ہی میں تقریباً جملہ علوم نیز تجوید وقرأت حاصل کئے۔ جب آپ حج کے لئے تشریف لے گئے توحج وزیارت سے فارغ ہونے کے بعد مدینہ منورہ میں قیام کیا۔ وہاں اساتذہ خصوصاً قاری شیخ عبیداللہ مدنی سے قرآن کریم پڑھ کر آئے اور پانی پت میں قرأت وتجوید کی ازسرِ نو بنیاد ڈالی اسی لئے آپ شیخ القراء کہلاتے ہیں۔ آپ نے ۱۲۲۵ھ میں اسی سال (۸۰) کی عمر میں وفات پائی۔ آپ کے فرزند قاری حافظ عبیداللہ عرف قاری لالہ اور دیگر تلامذہ نے اس فن کی بڑی خدمت انجام دیں۔ (۲۴) جن کا تذکرہ حسب ذیل ملاحظہ فرمائیں۔

سرتاج مجودین قاری عبیداللہ عرف قاری لالہ:

آپ ۱۱۷۵ھ میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ لالہ (ہندی) بمعنی معزز اور پیارا کے ہیں چونکہ آپ علم وقرات کے فن کے امام مانے جاتے تھے اور آپ کے والدین نے آپ کی بڑی نگہداشت ومحبت سے تربیت فرمائی تھی غالباً اسی لیے آپ کو لالہ کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ آپ بڑے باکمال بزرگ تھے۔ آواز اس قدر عمدہ تھی کہ سامعین پر محویت ووجد کی سی کیفیت طاری ہوجاتی تھی۔ آپ نے قرأت وتجوید والد بزرگوار قاری مصلح الدین پانی پتی سے اخذ کی۔ والد بزرگوار نے بچپن ہی سے پوری احتیاط اور خصوصی نگہداشت سے آپ کی تعلیم وتربیت فرمائی۔ جسمانی صحت کا بھرپور خیال رکھا جاتا تھا اس مقصد کے لئے ورزش، کشتی، تیراندازی، گھڑسواری اور دوسرے مردانہ کھیلوں کی خوب مشق کرائی جاتی نیز آواز کی خوبصورتی کے لیئے ترش چیزوں اور ایسی مضر غذا جو آواز کو خراب کا باعث بن سکتی تھی اس سے پرہیز کرایا جاتا۔ آپ بے حد متواضع اور منسکر المزاج تھے۔ معمولی آدمی کی درخواست پر قرآن کریم سنادیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے قرآن پاک سنانے کی درخواست فرمائی آپ اس وقت گھوڑا کسنے میں مصروف تھے۔ مسافر جلدی میں تھا چلا گیا، قاری لالہ فارغ ہوتے ہی اس کا پتا لے کر اس کے پیچھے تلاش کرتے ہوئے دوڑے اور جب اس سے ملے تو معذرت کی اور کچھ قرآن کریم اس کو سنا کر واپس ہوئے۔ آپ فی سبیل اللہ قرآن کریم پڑھایا کرتے تھے اور قرآن کریم پڑھانے کی ملازمت کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ (۲۵)

قاری لالہ قرآن وتجوید میں ید طولیٰ تھے۔ آپ کی قرأت سن کر لوگوں پر ایک سناٹا سا طاری ہوجاتا تھا۔ آپ کی خوش الحانی کیلئے دو واقعات ہیں جنہیں پڑھ کر رشک آتا ہے کہ ہندوستان میں ایسے جواہر

پارے بھی گزرے ہیں جنہوں نے قرآن کی خدمت ایک منفرد انداز میں انجام دی۔ ذیل میں ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے اس سے قاری لالہ کی اس علم وفن میں مہارت پر روشنی پڑتی ہے۔

عذر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریزوں نے پانی پت کی معافی ضبط کرلی تو قاری لالہ صاحب قسطنطنیہ چلے گئے۔ ماہ شعبان کا اخیر تھا، سلطان عبدالمجید خانؒ نے شیخ الاسلام سے فرمایا کہ جامع مسجد تک جانے کی میری ہمت نہیں (شاید بڑھاپے کی وجہ سے ضعف زیادہ ہوگیا تھا) کسی قاری کو تجویز کرو جو شاہی محل میں ہم کو تراویح میں قرآن سنائے جو قاری حافظ اس کے لیئے آمادہ ہوا اپنا نام پیش کرے۔ کسی حافظ کی ہمت نہ ہوئی تو قاری لالہ صاحب نے شیخ الاسلام سے کہا میں سلطان کو قرآن سناؤں گا، آپ میرا نام بھیج دیں شیخ الاسلام نے کہا سلطان خود بھی حافظ ہیں ان کے آگے وہی قرآن پڑھ سکتا ہے جو پکا حافظ ہو کہا آپ میرا نام بھیج دیں میں اس کے لئے تیار ہوں چنانچہ نام بھیج دیا گیا اور سلطان کا حکم صادر ہوا کہ ان قاری صاحب کو ہمارے پس بھیج دو پہلے ہم ان کا امتحان لیں گے ان کو پیش کردیا گیا۔ اور سلطان نے کسی خاص مقام سے (جو حافظ کے یہاں دشوار ہے) قرآن پڑھنے کی فرمائش کی۔ قاری لالہ صاحب نے پڑھنا شروع کیا۔ جب کئی رکوع پڑھے گئے تو سلطان پر بڑا اثر ہوا اور فرمایا بس ہم آپ کا قرآن ضرور سنیں گے۔

جب تراویح میں قرآن ختم ہوگیا تو سلطان نے شیخ الاسلام سے فرمایا قاری صاحب کو اتنی اشرفیاں اور خلعت فاخرہ دے دیا جائے قاری صاحب نے کہا حضور میں اس کے واسطے ہندوستان سے نہیں آیا اور قرآن سنا کر روپیہ لینا مجھے گوارا بھی نہیں میں تو دوسرے کام سے آیا ہوں فرمایا وہ کیا؟ کہا انگریزوں نے میری بستی کے مسلمانوں کی معافی ضبط کرلی ہے کیونکہ وہ بھی عذر میں شریک تھے۔ آپ بادشاہ ہیں آپ سفارش کردیں کہ پانی پت کے مسلمانوں کی معافی بحال کی جائے۔ سلطان نے کہا کہ میں یہ بھی کردوں گا آپ میرا ہدیہ قبول فرمائیں یہ قرآن کا معاوضہ نہیں ہے۔ سلطان نے ملکہ وکٹوریہ کو خط لکھ دیا اور اس کی نقل قاری لالہ صاحب کو دیدی تاکہ وائسرائے ہند کو دکھلا دیں اس طرح پانی پت کے مسلمانوں کی معافی ضبط ہونے کے بعد بحال ہوئی۔ (۲۸)

قاری لالہ اپنے زمانے کے بہترین قاری تھے جن کی مثال سارے ہندوستان میں ملنا محال ہے۔ آپ کا قیام پانی پت، دہلی اور بھوپال میں بھی رہا جبکہ دکن بھی سفر کرتے ہوئے پہنچے تھے۔ آخری زمانہ بھوپال میں گزرا آپ کے شاگردوں میں غوث علی شاہ پانی پتی بھی تھے۔ آپ کا انتقال تقریباً ۱۲۸۲ھ میں ہوا۔ قبر بھوپال میں قلندر شاہ کے تکیہ میں ہے۔ (۲۹)

مذکورہ بالا بیان کے برعکس کہ قاری لالہ کا مزار بھوپال میں ہے قاری محمد علی عثمانی پانی پتی موصوفؒ کا مزار پانی پت عیدگاہ کے احاطے میں بتاتے ہیں۔ محمد علی عثمانی کا یہ بیان بسم اللہ بیگ کے مقابلے میں قوی اور ٹھوس

شہادت پر مبنی ہے جس سے راقم بھی متفق ہے۔ آپ اس مزار کی وضاحت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''حضرت قاری لالہ کا مزار عیدگاہ کے احاطے میں تھا ابا جان عیدین کی نمازوں کے بعد ضرور وہاں جا کر فاتحہ پڑھا کرتے تھے اور میں چونکہ انگلی پکڑے ساتھ ہوتا تھا لہٰذا مجھے بھی حضرت کے بارے میں بتایا کرتے تھے۔ شروع شروع میں تو میں سمجھتا تھا کہ قبر پر لالہ کے پھول اگتے ہوں گے اور جب کوئی پھول نہ دیکھتا تو حیران ہوتا تھا۔'' (۳۰)

قاری قادر بخش انصاری پانی پتی:

آپ ۱۱۹۱ھ میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ قاری مصلح الدین سے قرآن مجید پڑھا اور علم تجوید و قرأت حاصل کیا۔ دہلی میں قلعہ معلّٰی میں شاہی خاندان کے بچوں اور شہزادوں کو مدت تک پڑھاتے رہے۔ آپ نے تجوید و قرأت کی ذوق شوق اور محنت و لگن سے خدمت کر کے پانی پت کو فخر ہند بنا دیا۔ تیرہوی صدی میں آپ ہی مرجع خلائق تھے۔ آپ کی اولاد میں صرف ایک صاحبزادی حافظ قاریہ رحیم النساء تھیں جو کلام اللہ کی حافظ تھیں انہوں نے بھی تمام عمر قرآن پاک کی بے لوث خدمت میں گزاری۔ آپ نے علم تجوید میں ایک رسالہ ''مختصر التجوید'' تالیف فرمایا جو اب نایاب ہے۔ (۳۱)

مولانا قاری شاہ محمدی پانی پتیؒ:

آپ قاری خدا بخش کے چھوٹے بھائی اور قاری محدث عبدالرحمن پانی پتی کے والد بزرگوار ہیں۔ قاری مصلح الدین سے قرآن کریم اور علم تجوید حاصل کیا۔ پھر ابتدائی علوم اپنے خاندان کے بزرگوں سے حاصل کر کے بعد از بلوغ دہلی جا کر علمائے وقت شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالعزیزؒ سے زانوئے تلمذ ہوئے اور علوم نقلیہ وعقلیہ کی تکمیل کی اور بیشتر عمر دہلی ہی میں گزاردی۔ تکمیل علوم کے بعد قاری حاجی شاہ عبدالمجید المعروف بہ صوبہ ہند سے قرأت سبعہ اور کتب فن پڑھیں پھر قاری مجیب اللہ سے بھی فن سیکھا۔ ظاہری علوم وفنون کی تکمیل کے بعد باطنی علوم کی طرف متوجہ ہوئے اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے بیعت وارادت اختیار کی، ریاضت ومجاہدہ اور شیخ کی خصوصی توجہ کے باعث سوز وگداز کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ شیخ سے بے حد محبت وعقیدت رکھتے تھے۔ اس محبت وعقیدت کا غلبہ تھا کہ تمام عمر دہلی میں گزاردی اور کبھی کبھی پانی پت عزیز واقارب اور بال وبچوں کو دیکھنے آجاتے تھے۔ آپ نے اردو میں مسائل اور عقائد پر ایک رسالہ ''اتالیق الصبیان'' تالیف فرمایا تھا۔ جس کی تصدیق کرتے ہوئے مولانا عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

''مولوی محمد نے فقہ کی کتابوں سے مسائل کا ترجمہ کیا اور اس کا نام اتالیق الصبیان رکھا

ہے میں نے اس کو اول سے آخر تک سنا اور سب مسائل کو معمول بہا اور موافق پایا اللہ تعالیٰ ان کو دارین میں جگہ دے۔''

آپ نے سن کہولت میں اپنے شیخ عبدالعزیز محدث دہلوی (م ۱۲۳۹ھ) کی رحلت کے ایک سال بعد ۴۳ سال کی عمر میں انتقال فرمایا اور باغ شیر افگن خان دہلی میں آسودہ خاک ہیں۔ (۳۲)

آپ کے ہونہار شاگردوں کی فہرست میں بے شمار شاگرد ہیں جن میں قاری عبداللہ اور عبدالرحمن محدث پانی پتی معروف اور قابل ذکر ہیں۔

حافظ شمس السلام بن شیخ فخر الدین غلام مجدد عثمان:

آپ ۱۲۰۳ھ میں پیدا ہوئے آپ نے قرآن کریم مختلف اساتذہ سے پڑھا۔ علم تجوید قاری مصلح الدین عباسی اور ان کے فرزند قاری لالہ سے اخذ کیا۔ تمام عمر قرآن کریم کی خدمت میں گزاردی۔ آپ ملنسار بے حد تواضع اور صاحب کشف وکرامت بزرگ تھے۔ آپ نے ۱۲۸۷ھ میں انتقال فرمایا۔ (۳۳)

حافظ بدر الاسلام عثمان بن شیخ فخر الدین غلام مجدد عثمان:

آپ ۱۲۱۵ھ میں پیدا ہوئے مختلف اساتذہ کرام سے قرآن کریم حفظ کیا قاری مصلح الدین، قاری لالہ اور قاری قادر بخش سے تجوید اخذ کی۔ ابتدائی درسیات حاصل کرنے کے بعد دہلی جا کر مولانا مملوک علی اور شاہ محمد اسحٰق سے علوم کی تکمیل کی اور مولانا کرم اللہ سے سبعہ قرأت سماعاً اخذ کیں۔ وطن واپس آکر انگریز سرکار کی ملازمت اختیار کر لی۔ ابتداً نائب تحصیل دار مقرر ہوئے مگر صلاحیت لیاقت اور محنت کے باعث جلد ترقی کر کے تحصیل دار اور اسسٹنٹ کلکٹر اور نائب مہتمم بن گئے۔ ۱۸۵۷ھ کے واقعہ غدر کے وقت انبالہ میں ملازمت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ اس وقت بعض علماء کے وارنٹ گرفتاری جاری ہوئے جس میں مولانا امداد اللہ مہاجر مکی اور مولانا رحمت اللہ کیرانوی شامل تھے انہیں اول دریائے ستلج کے ذریعے کراچی پہنچایا اور پھر وہاں سے مکہ معظمہ پہنچا دیا۔ چند بدخواہوں نے اس عمل کی شکایت انگریز سرکار کو کر دی اور آپ سے جواب طلب کیا گیا۔ آپ نے اپنے اس عمل کا دفاع کرتے ہوئے فرمایا کہ میں مذہب گورنمنٹ اور ملک کی خیر خواہی کا متمنی تھا اس لئے ایسا کیا کیونکہ ان علماء کا عوام میں بے پناہ اثر رسوخ تھا اور اگر حکومت انہیں گرفتار کرتی تو فسادات پھوٹ پڑتے جس سے حکومت اور ملک دونوں مشکلات میں پھنس جاتے۔ آپ کا یہ جواب بڑی اہمیت سے دیکھا گیا اور صاحب کمشنر کی سفارش کی بناء پر حکام نے اس کا بھی شکریہ ادا کیا اور آپ کی نیت اور فعل کو مستحسن قرار دیا۔

آپ نے تمام عمر لوگوں کی خدمت میں گزاری۔ ۱۲۷۶ھ مین فریضۂ حج ادا کر کے مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور وہیں امداد اللہ مہاجر مکی کی محبت میں رہنے لگے مگر گھر والوں کی منت سماجت کے باعث پانی

پت تشریف لائے اور انبالہ میں دوبارہ چارج لے کر کام شروع کر دیا۔ آپ نے ۱۲۷۸ھ میں بمقام انبالہ شہر انتقال فرمایا اور وہیں شاہ عبدالرسول کی مسجد میں دفن ہوئے۔ (۳۴)

قاری حافظ ممتاز علی بن قاضی غلام محی الدین: (۱۲۲۰ھ تا ۱۲۷۸ھ)

فن تجوید میں قاری قادر بخش اور قاری لالہ کے شاگرد تھے۔ شہنشاہ بابر کے زمانے سے خطابت عیدالفطر آپ کے خاندان میں چلی آتی تھی جس کے مختلف سلاطین کے متعدد فرامین آپ کے یہاں موجود تھے۔ قاری صاحب ممدوح سے مولوی حافظ سلامت اللہ قاری حافظ محمد حسن (صاحبزادہ حضرت مولانا محدث پانی پتیؒ) مولوی انوار الاسلام اور مولوی خواجہ الطاف حسین حالی نے قرآن پاک پڑھا ہے۔ (۳۵)

قاری حافظ نجم الاسلام عثمانی بن شیخ غلام مجدد: (۱۲۱۲ھ تا ۱۲۷۴ھ)

آپ نے مختلف اساتذہ کرام سے قرآن کریم حفظ کرنے کے بعد قاری لالہ اور قاری خدا بخش سے تجوید اخذ کی۔ فارسی اور ابتدائی درسی کتب پانی پت میں پڑھنے کے بعد دہلی تشریف لے گئے اور شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدین اور مولانا مملوک علی سے درسیات کی تکمیل کی۔ شاہ اسحٰق سے حدیث پڑھی۔ تمام عمر قرآن و تجوید کا فیض پہنچاتے رہے آپ تواضع اور انکساری کا نمونہ تھے۔ (۳۶)

قاری عبداللہ بن قاری محمدی انصاری: (۱۲۲۳ھ تا ۱۲۹۸ھ)

آپ قاری عبدالرحمن محدث پانی پتی کے بڑے بھائی میں جو تجوید میں استاد مانے جاتے تھے۔ پانی پت میں شبینوں کا رواج آپ ہی نے دیا۔ آپ نے مولانا قاری شاہ محمدی انصاری سے قرآن پڑھا اور ابتدائی کتب کی تکمیل کی۔ آپ کی یادداشت قابل تحسین تھی۔ آپ شہر میں استاذ الکل مانے جاتے تھے۔ (۳۷)

قاری عبدالرحیم بن قاری محمدی انصاریؒ: (۱۲۳۲ھ تا ۱۳۰۳ھ)

آپ قاری عبدالرحمن محدث پانی پتی کے چھوٹے بھائی تھے۔ آپ نے قرآن پاک چچا بزرگوار قاری قادر بخش سے پڑھا اور تمام عمر قرآن پاک کی خدمت میں گزار دی۔ اعظم گڑھ میں مستقل سکونت اختیار فرمائی اور وہیں قرآن کی خدمت انجام دیتے رہے۔ (۳۸)

قاری حافظ مرید حسین بن حافظ مان عثمان: (۱۲۳۵ھ تا ۱۳۰۰ھ)

آپ نے والد بزرگوار حافظ امان عرف حافظ مان سے قرآن پڑھا اور تجوید اخذ کی نیز قاری لالہ سے اکتساب فیض کیا۔ رمضان المبارک میں رات کے دو ۲ بجے تراویح سے فارغ ہوتے تھے۔ ایک خاص خادم دین محمد کے سوا اور کوئی شخص آپ کا قرآن سننے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔ (۳۹)

قاری نجیب اللہ: (م ۱۳۱۰ھ)

آپ شیخ القراء قاری خدا بخش انصاری کے نواسے تھے۔ آپ نے نانا بزرگوار سے تعلیم و تربیت

پائی اور پانی پت میں فن تجوید و قرأت کی مدتوں اشاعت کرتے رہے۔ آپ کی والدہ حافظ رحیم النساء بھی فن تجوید و قرأت میں فاضلہ عصر ہیں۔ نانا کی وفات کے بعد قلعہ معلّٰی میں ان کے جانشین بنے۔ (۴۰)

قاری حافظ محمد علی انصاری: (۱۲۱۰ تا ۱۲۸۰ھ)

آپ نے اپنی والدہ بی بی فضل النساء بنت قاری مصلح اور اپنے نانا قاری مصلح الدین سے قرآن کریم پڑھا اور اپنے ماموں قاری لالہ کو سنا کر ان سے مشق کرتے رہے۔ (۴۱)

مولانا حافظ اکرام اللہ بن خواجہ شکر اللہ: (۱۲۱۱ھ تا ۱۲۸۴ھ)

آپ حضرت قاری محی الاسلام کے نانا بزرگوار ہیں۔ آپ نے اپنے دادا مولوی برکت اللہ جو فاضل وقت اور یگانہ روزگار تھے ان سے تعلیم و تربیت پائی۔ قرآن حفظ کرنے کے بعد قاری مصلح الدین اور قاری لالہ سے تجوید اخذ کی اور اس میں فضلیت کے درجے تک پہنچے۔ (۴۲)

دوسرا دور

قاری عبدالرحمن محدث پانی پتی مع تلامذہ (۱۲۲۷ھ تا ۱۳۱۴ھ)

دوسرا دور قاری عبدالرحمن محدث پانی پتی اور ان کے تلامذہ پر مشتمل ہے۔ باب دوم میں قاری صاحب کی سوانح اور ان کے کارناموں پر مفصلاً روشنی ڈال چکے ہیں جہاں سے بہتر طور پر استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ بہر حال قاری ممدوح فاضل اجل اور یگانہ روزگار ہستی تھیں۔ آپ علوم نقول اور معقول میں دسترس رکھتے تھے۔ علم کے حصول میں محنت اور انہماک کی بدولت فاضل روزگار اور یگانہ شخصیت کے طور پر نمودار ہوئے۔ فقہ، حدیث اور تجوید و قرأت میں آپ کی خدمات قابل تحسین ہیں۔ تجوید و قرأت کی اشاعت اور فروغ میں آپ نے بے حد سعی و کوشش کی یہی وجہ ہے کہ پانی پت، ٹونک، باندا اور گجرات میں آپ کا فیض پہنچا اور سینکڑوں لوگ آپ کے فیض سے مستفید ہوئے۔ (۴۳) قرآن کریم پڑھنے پڑھانے اور سیکھنے سکھانے پر بہت زور دیتے تھے اور خوشی محسوس کرتے تھے۔ قرآن کریم ترتیل و تجوید کے ساتھ پڑھتے تھے اور جب قرآن کریم سناتے تھے تو عوام پر سناٹا اور بے خودی چھا جاتی تھی۔ آپ کے تلامذہ کی تعداد سینکڑوں میں ہے مگر چند کے نام اور کارنامے حسب ذیل ہیں:

مولانا حافظ خواجہ الطاف حسین حالی:

مولانا حافظ خواجہ الطاف حسین حالی ۱۲۴۷ھ میں پیدا ہوئے۔ قاری ممتاز علی سے قرآن پڑھا اور مولانا محدث سے تجوید اخذ کی۔ جعفر علی سے فارسی مولانا خواجہ ابراہیم حسینی اور مولانا محدث سے عربی اور مولانا عبدالغنی دہلوی مہاجر مدنی سے حدیث کی تحصیل کی۔ نیز قاری مولانا ممدوح سے ابتدائی حصہ سبعہ

قرأت کا حاصل کیا۔ مرزا غالب سے شعر کی تحصیل کی قومی شاعر اور مصلح ہونے کے لحاظ سے ہندوستان کے ہر گوشہ میں آپ کا نام مشہور تھا لیکن بہت کم آدمی آپ کے قرآنی کمالات سے باخبر ہیں۔ طریقہ ادا اور لہجہ خاص طور سے ممتاز تھا۔ (۴۴)

حافظ و قاری نور الہدیٰ بن حافظ مرید حسین عثمانی: (۱۲۴۵ تا ۱۳۰۵ھ)

آپ نے قرآن کریم قاری عبداللہ سے پڑھا۔ قاری نجیب اللہ اور اپنے والد ماجد سے تجوید حاصل کی۔ مولوی محب اللہ وغیرہ بزرگوں سے ابتدائی درسیات حاصل کیں اور خوشخطی سیکھی۔ ۱۲۹۵ھ میں مولانا ممدوح سے سبعہ قرأت پڑھیں۔ آپ بہت خوش الحان تھے سننے والوں پر محویت طاری ہو جاتی تھی۔ رمضان المبارک کی تراویح میں آپ کے پیچھے ۵۰۰ نمازی ہوتے تھے۔ (۴۵)

مولانا قاری فتح محمد بن صالح محمد بن محمد قاسم صدیقی: (۱۲۵۶ تا ۱۲۹۵ھ)

آپ کے دادا ریاست ٹونک میں رسالدار تھے۔ آپ قاری شیخ احسان اللہ کے پھوپی زاد بھائی ہیں۔ مولانا سید غوث علی شاہ سے بیعت تھے۔ آپ نے قاری صاحبؒ سے سبعہ قرأت پڑھیں اسی دوران اچانک ہیضہ سے انتقال فرمایا۔ (۴۶)

مولانا حافظ محمد سلامت اللہ بن مولوی حافظ اکرام اللہ: (م ۱۳۱۹ھ)

آپ نے قاری ممتاز علی سے قرآن پڑھا، قاری لالہ اور مولانا محدث سے تجوید اخذ کی۔ درسیات کی کتب اپنے والد اور مولانا محدث سے تحصیل کی، قرآن پڑھنے کا طریقہ ادا اور لہجہ ممتاز اور معاصرین میں مشہور تھا۔ رمضان المبارک کا زیادہ تر وقت قرآنی خدمت میں صرف کرتے تھے۔ (۴۷)

مولانا قاری سید گل حسن: (۱۲۶۰ھ تا ۱۳۳۸ھ)

آپ ڈیرہ اسماعیل خان کے رہنے والے سید النسب بزرگ تھے۔ سیر و سیاحت کرتے ہوئے پانی پت پہنچے تو بھوتوں والی مسجد میں قیام کیا اور غوث علی شاہ کے ہاتھ پر بیعت فرمائی۔ سیر و سیاحت کا شوق کئی جگہ لیئے پھرا۔ آپ نے دو حج عمرہ ادا فرمائے۔ ۱۲۹۵ھ میں مولانا قاری محدث سے سبعہ قرأت پڑھیں۔ خلق خدا نے آپ سے روحانی و باطنی اکتساب فرمایا، اپنے پیر و مرشد سید غوث علی شاہ کے مزار سے متصل بیرون احاطہ بجانب جنوب مدفون ہوئے۔ (۴۸)

(۶) مولانا قاری عبدالسلام بن مولانا قاری عبدالرحمن محدث: (۱۲۷۹ تا ۱۳۳۶ھ)

آپ مولانا ممدوح کے منجھلے صاحبزادے (جو زوجہ ثانیہ نجیب النساء سے پیدا ہوئے اپنے چچا عبدالرحیم انصاری (برادر خورد حضرت محدثؒ) سے قرآن کریم پڑھا۔ فارسی عربی حدیث اور سبعہ قرأت وغیرہ تمام علوم اپنے والد گرامی حضرت قاری صاحبؒ سے حاصل کیئے۔ ۱۲۱۸ء میں اپنے والد محترم کی یاد ہیں انہیں

کے نام پر "مدرسہ رحمانیہ" جامع مسجد پانی پت میں جاری فرمایا۔ آپ سے فن تجوید میں لوگوں نے استفادہ فرمایا۔ آپ تمام عمر قرآن مجید کی تعلیم دیتے رہے۔ آپ کے انتقال پرملال پر پانی پت میں رنج و غم کا سماں تھا۔ (۴۹)

قاری عبدالسلام انصاری کے شاگردوں میں (۱) قاری حفیظ الدین احمد مدرس حفظ القرآن پانی پت (۲) قاری مولوی عبدالمجید (۳) قاری عبدالقیوم ابن عبدالسلام عباسی (۴) قاری شیر محمد خان (۵) قاری شیخ محمد اسمٰعیل ہیں جنہوں نے عذار القرآن کے نام سے تجوید کا ایک رسالہ ۱۳۵۶ھ میں شایع کیا تھا۔ (۶) قاری مشتاق احمد خان قاری سبعہ شاگرد عبدالسلام عباسی (۷) قاری حافظ حکیم اللہ مدرس مدرسہ تعلیم القرآن (۸) قاری عبدالرحیم صدر المدرسین مدرسہ عربیہ گنبداں (م ۱۳۶۵ھ)۔ (۵۰)

(۳) قاری محمد حسن بن قاری عبدالرحمن انصاری محدث پانی پتی: (۱۲۶۴ تا ۱۳۳۲ھ)

آپ قاری صاحب ممدوح کے بڑے صاحبزادے تھے۔ آپ بمقام باندہ اس الحبیب نامی حرم سے پیدا ہوئے۔ قاری ممتاز علی سے سبقاً سبقاً قرآن کریم پڑھا۔ پھر اپنے والد بزرگوار سے مشق کی اور پے در پے سنایا اور سبعہ قرأت پڑھیں۔ تجوید میں فضیلت اور قرأت میں بصیرت تامہ رکھتے تھے۔ قرآن پڑھنے کا لہجہ اور طریقہ ادا قاری صاحب جیسا تھا۔ جب پڑھ رہے ہوتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ قاری صاحب ممدوح پڑھ رہے ہیں۔ قرآن پاک کی ترویج و تعلیم کے لئے والد صاحب کی زندگی ہی میں صوبہ بہار میں سکونت اختیار کر لی تھی اور وہاں کثیر خلق نے آپ سے قرآن و تجوید کا استفادہ کیا۔ آپ نے تمام عمر قرأت کی خدمت میں گزار دی بہار میں آسودہ خاک ہیں۔ (۵۱)

(۴) قاری سید فخر الدین بن سید محمد سعید الدین علوی: (۱۲۶۵ تا ۱۳۱۳ھ)

آپ کا نسب اڑتیس واسطوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہ کے ساتھ ملتا ہے آپ کے اجداد میں سے مخدوم سید لطیف الحق مدنی دہلوی حجاز سے دہلی آئے جو اپنے وقت کے زبردست عالم اور فقیہ تھے۔ آپ ۱۲۶۵ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ۸ سال کے تھے کہ دہلی پر غدر کی مصیبت پڑی۔ آپ کے والد ماجد مع اپنے اہل و عیال کے دہلی کی سکونت ترک کر کے پانی پت آنے پر مجبور ہو گئے اور اس قصبہ کو اپنا وطن بنالیا اور اہل قصبہ سے ایسا میل جول اور ربط و ضبط پیدا کیا کہ یہیں کہ باشندے بن گئے۔ آپ نے پانی پت میں ہوش سنبھالا اور قرآن شریف ناظرہ پڑھنے کے بعد درسیات فارسی اور ابتدائی عربی کی تعلیم پائی اور خوشخطی سیکھی۔ قاری عبدالرحمن اعمٰی اور دیگر تلامذہ کے ساتھ عبدالرحمن محدث پانی پتی سے سبعہ قرأت پڑھیں اور تجوید اخذ کی آپ نے علم و فن سے لوگوں کو مستفید کیا اور پانی پت میں آسودہ خاک ہیں۔ (۵۲)

مولانا قاری عبدالسلام بن حافظ عبدالرزاق عباسی: (۱۲۸۳ تا ۱۳۴۶ھ) (۵۳)

آپ قاری صاحب ممدوح کے قریبی رشتے دار تھے۔ حدیث و قرأت سبعہ و تجوید کے فنون

حضرت محدثؒ سے اخذ کیئے۔ قاری صاحب آپ کو اولاد کی طرح سمجھتے تھے، آپ نے حضرت کے آخری ایام میں تجوید و قرأت کا درس دینا شروع کر دیا تھا اور عبدالحلیم نے ان ہی سے سبعہ قرأت بطریق جمع الجمع سیکھی نیز قرأت کی درسی کتب تیسیر اور شاطبیہ کی تعلیم پائی۔ (۵۴)

مولانا عبدالحلیم انصاری: (۱۲۸۴ تا ۱۳۳۸ھ) (۵۵)

آپ قاری صاحب ممدوحؒ کے چھوٹے صاحبزادے ہیں اور عبدالحلیم کے والد بزرگوار ہیں۔ قرآن پاک تجوید کے ساتھ حفظ کیا۔ ۱۳۰۹ھ میں حضرت سے کتب فن کے ساتھ تجوید و قرأت سبعہ کی تکمیل کی پھر عبدالرحمن ضریر (حضرت کے شاگرد خاص) سے تکمیل کی۔ آپ باکمال ذہین تھے، پاکیزہ لب ولہجہ و طرزِ ادا کے مالک تھے۔ ۳۵ سال کی عمر میں ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے۔ ۱۳۳۷ھ میں جب شریف حسین نے ترکوں سے بغاوت کی تو آپ پہاڑوں اور جنگلوں میں چلے گئے۔ رابغ کے قریب یکایک انتقال ہو گیا، فن قرأت سبعہ و تجوید کے بڑے محقق اور زبردست فاضل تھے۔

آپ نے علوم قرأت اور تجوید پر ایک محقق رسالہ بزبان فارسی ۳۳ صفحات پر مشتمل ''مقدمہ علم قرأت سبعہ'' جاری کیا۔ بڑی تقطیع کے دو سیپارے الٓمٓ و سیقول بھی سبعہ کے طریق جمع الجمع و اختلاف قرأت (۵۶) کے مکمل تشریح کے ساتھ فارسی زبان میں شایع کیئے۔ (۵۷)

تیسرا دور

قاری عبدالرحمن ضریر مع تلامذہ

یہ دور قاری عبدالرحمن ضریر کھوکھرائی اور آپ کے تلامذہ پر مشتمل ہے۔ گو کہ قاری محدث عبدالرحمن کے بہت نامور اور ہونہار شاگرد گزرے ہیں مگر قاری صاحب ممدوحؒ کا فیض آپ سے بے حد جاری ہوا۔ آپ بہت ذہین، فہیم اور قوی الحافظ تھے۔ استاد کا بڑا ادب کرتے تھے حد درجہ منکسر المزاج اور خوش خلق تھے۔ پہلے قاری کبیر الدین سے تجوید و قرأت سیکھی بعد از قاری محدثؒ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے اور جتنا سبق سنتے اسے فوراً یاد کر لیتے تھے۔ (۵۸) آپ کے حسن خلق اور ذہانت کے پیش نظر بہت سے طلباء جو قاری ممدوحؒ سے استفادہ کرنے خدمت میں حاضر ہوتے تھے وہ بعد ازاں سبق جو مشکلات اور دقیق نکات سمجھ سے بالاتر ہوتے تھے وہ عبدالرحمن امّی سے سمجھتے تھے اسی لیے ان کے پاس دوران پڑھائی دوسرے ہم سبق استفادہ کرتے تھے۔ چند لوگوں کو یہ اختیار ناگوار گزرا اور انہوں نے قاری صاحب ممدوحؒ کے کان بھرنا شروع کر دیئے۔ یہاں تک کہ آپ کو بدعتی کی چھاپ لگوا کر سبق سے خارج کرا دیا۔ آپ چونکہ نہایت مئودب اور منکسر المزاج تھے اس لیے اپنی وکالت میں صفائی پیش نہ کر سکے اور خاموشی سے قاری

صاحب ممدوحؒ کا حکم بجالائے کہ سبق میں شریک نہ ہوتے۔ چونکہ قاری صاحب ممدوحؒ سے بے حد محبت و عقیدت رکھتے تھے اور آپ کی علمی قابلیت واستعداد سے بخوبی واقف تھے اس لیے آپ کے در کو کسی حالت میں چھوڑنا نہ چاہتے تھے۔ نیز ہم سبق طلباء بھی اس فیصلے سے افسردہ تھے لہذا ایک ایسی تدبیر اختیار کی گئی کہ جس سے قاری صاحبؒ نے آپ کو سبق میں شامل ہونے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ اس تدبیر کے متعلق بسم اللہ بیگ کہتے ہیں:

''قاری صاحبؒ کے آنے سے پہلے جس پلنگ پر وہ بیٹھتے ہیں اس کے نیچے ضریر صاحب کو لٹا دیا جائے اور چادر ایسی ڈالی جائے کہ دونوں طرف زمین سے کنارے لٹکتے رہیں۔ حضرت جب تشریف لائیں گے تو پلنگ پر بیٹھ جائیں گے اور ضریر صاحب درس سن سکیں گے چنانچہ کئی روز تک یہی تدبیر چلتی رہی۔ ایک روز ضریر صاحب نے زور سے سانس لی تو حضرت کو یہ محسوس ہوا کہ پلنگ کے نیچے کوئی چھپا ہوا ہے۔ پوچھا کہ کسی کے سانس لینے کی آواز آ رہی ہے پلنگ کے نیچے کون ہے؟ شاگردوں نے بہت ٹالنا چاہا مگر حضرت نے کہا نہیں ضرور اس کے نیچے کوئی ہے۔ غرض جھانک کر جو دیکھا تو ضریر صاحب دکھائی دیئے ان کو کھینچ کر نکالا گیا پوچھا کہ یہ کیا حرکت تھی سب ہی نے معذرت چاہی غرض اس روز سے درس میں شریک ہونے کی اجازت مل گئی۔ (۵۹)

آپ نے قاری صاحب ممدوحؒ سے سبعہ قرأت کی تکمیل فرمائی اور آپ کے تلامذہ میں بہت معروف ہوئے۔ خلق کثیر نے آپ سے فیض حاصل کیا۔ آپ جس مسجد میں درس دیتے تھے اس کی تیسری منزل پر مع زنانہ رہائش تھی اس کی کھڑکی میں بیٹھ کر طلباء اور فن تجوید و قراءت کے شائقین جو وقت بے وقت آپ سے پوچھنے آتے تھے، انہیں بتا دیا کرتے تھے۔ ایک دن بے خیالی میں اس کھڑکی سے نیچے گر گئے۔ لوگوں نے بے ہوشی کی حالت میں اسپتال پہنچایا۔ جب اس واقع کا علم قاری صاحب ممدوحؒ کو ہوا تو نہایت پریشان ہوئے اور دونوں ہاتھ زانو پر مار کر کہا، ہائے ہائے ایک شاگرد تو بنایا تھا وہ بھی ختم ہو جائے گا۔ (۶۰)

قاری صاحب ممدوحؒ کے مذکورہ بالا اظہار سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے ہونہار اور ذہین شاگرد سے بے حد محبت فرماتے تھے۔ قاری عبدالرحمن ضریر نابینا ہونے کے باوجود اس فن میں خداداد قابلیت رکھتے تھے۔ آپ ایک عرصے تک پانی پت میں درس دینے کے بعد انبالہ چلے گئے۔ وہاں ۱۳۲۴ھ میں وفات پائی۔ (۶۱)

آپ کے تلامذہ کی تعداد ان گنت ہے جن سے آپ کا فیض جاری وساری ہوا۔ چند معروف کا تعارف حسب ذیل ہے۔

قاری سید قیام الدین بن سید محمد سعید الدین پانی پتی:

آپ قاری عبدالرحمن اعمیٰ کے نامور شاگرد ہیں۔ ۱۲۸۰ھ میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ ملانی سعید النساء دختر قاری ممتاز علی سے چند سیپارے پڑھے اور حافظ پیر بخش کے مکتب میں ۷-۱۳۰۸ھ میں قرآن مجید پورا کیا۔ ابتدائی درسیات سے فارغ ہو کر ۱۳۱۰ھ میں شیخ قاری عبدالرحمن اعمیٰ سے سبعہ قرأت مع تجوید حاصل کیں .... تجوید اور قرأت کی واقفیت فاضلانہ تھی، رات دن خدمت قرآن میں لگے رہتے۔ مدرسہ اسلامیہ عربیہ کے حصہ تعلیم القرآن کے صدر تھے جو آپ کے وجود کی بدولت اس وقت پانی پت میں قرآن کی بہترین درسگاہ تھی۔ بکثرت طلباء نے آپ سے پڑھا۔ (۶۲)

قاری محمد یحییٰ عثمان:

آپ حضرت قاری محی الاسلام کے والد گرامی ہیں۔ آپ ۱۲۸۲ھ میں پیدا ہوئے۔ حافظ پیر بخش کے مکتب میں قرآن کریم یاد کیا مگر سبق اپنے والد ماجد سے پڑھا کرتے تھے۔ اور حافظ ہونے کے بعد موصوف کو پے در پے سنایا۔ ۱۳۰۷ھ میں شیخ قاری عبدالرحمن اعمیٰ سے سبعہ قرأت پڑھیں۔ حافظہ غیر معمولی طور پر عمدہ تھا، تمام روایات ضبط تھیں۔ رمضان المبارک میں ایک ایک کر کے سب روایتیں سنائیں۔ سادہ مزاج انسان تھے۔ تمام عمر قرآن شریف کی خدمت میں مصروف رہے بکثرت طلباء نے آپ سے استفادہ کیا۔ (۶۳)

قاری اللہ دیا راجپوت: (۱۲۸۲ھ تا ۱۳۳۳ھ)

آپ نے مختلف مکتب میں قرآن کریم پڑھنے کے بعد حضرت قاری عبدالرحمن اعمیٰ سے دوبارہ قرآن مجید پڑھا اور تجوید حاصل کی اور لکھی، راجپوت برادری سے تعلق تھا۔ زبردست حافظہ کے مالک تھے، یاداشت بڑی زبردست تھی...... تمام عمر خدمت قرآن میں مصروف رہے۔ جامع مسجد کے مدرسے میں آخر تک پڑھاتے رہے سبعہ کا شوق ہوا تو شیخ اعمیٰ ممدوح سے شاطبیہ یاد کی اور پھر بعض روایات سنائیں مگر پوری نہ کر سکے۔ (۶۴)

حافظ قاری محمد ابراہیم بن حافظ محمد یعقوب: (۱۲۹۲ھ تا ۱۳۶۹ھ)

آپ نے قاری سعید الدین کے ساتھ قاری عبدالرحمن اعمیٰ سے سبعہ قرأت پڑھی شروع کی مگر پوری نہ کر سکے۔ قرآن پڑھنے کا لہجہ اور ادا ممتاز تھا اور سنانے کا خاص ملکہ رکھتے تھے۔ عرصہ پچاس ۵۰ سال تک درگاہ حضرت بوعلی شاہ قلندر والی مسجد میں سات ۷ روز میں تراویح میں ایک ختم قرآن سنانے کا معمول رہا۔ (۶۵)

قاریہ اکبری بیگم: (م ۱۳۳۷ھ)

آپ قاری سید قیام الدین کی ہمشیرہ تھیں۔ قاری عبدالرحمن اعمیٰ سے سبعہ قرأت پڑھیں اور پھر

نہایت انہماک کے ساتھ ساری عمر خدمت قرآن میں مصروف رہیں، اکثر طالبات اور بعض بچوں نے آپ سے قرآن پاک پڑھا۔ (۶۶)

چوتھا دور

قاری ابو محی الاسلام مع تلامذہ

یہ دور قاری ابو محی الاسلام عثمان پانی پتیؒ اور آپ کے تلامذہ پر مشتمل ہے۔ قاری محی الاسلام نے تعلیم تجوید قرأت کے فروغ و ترویج میں بے حد محنت و کاوش کی ہے، مخلوق خدا کو اس علم سے بہرہ مند کرنے میں اپنی عمر صرف کر دی۔ آپ قاری عبدالرحمن اعمیٰ کے ہونہار محنتی اور ذہین شاگردوں میں سے ہیں۔ آپ صاحب تصنیف متقی اور زاہد و عابد بزرگ ہیں۔ آپ سلسلہ خلیفہ سوئم حضرت عثمان بن وعفان تک پہنچتا ہے۔ قیام پاکستان سے قبل پانی پت اور بعد ازاں اوکاڑہ (پاکستان) میں خدمت قرآن میں مصروف رہے۔ یہ دور ۱۲۹۴ھ تا ۱۳۷۲ھ پر محیط ہے۔ آپ کے تلامذہ کی تعداد سینکڑوں میں ہے جنہوں نے آپ کے فیض کو جاری و ساری کیا۔ قاری شیر محمد خان اور قاری فتح محمد پانی پتیؒ کا آپ کے ہونہار اور معروف شاگردوں میں شمار ہوتا ہے۔

شیخ القراء قاری ابو محی الاسلام پانی پتیؒ:

قاری محی الاسلام عثمان پانی پتی پانی پت کے معروف اہل علم وفن سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ بے غرض، بے نیاز، متقی اور توکل علی اللہ کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ قرآن سے بے حد شغف رکھتے تھے۔ اور ساری عمر خدمت قرآن میں صرف کی۔ آپ کا سلسلہ نسب جامع القرآن حضرت عثمان غنیؓ تک پہنچا ہے۔ (۶۷) آپ کا سلسلہ نسب اس طرح مذکور ہے:

خواجہ عبدالرحمٰن الکبیر مدنی ثم الفارسی، خواجہ عبدالغریز ثانی، خواجہ ولید، خواجہ خالد، خواجہ عبدالغریز الثالث سرخسی، مولانا خواجہ عبدالرحمن گاذرونی، خواجہ شہاب الدین، خواجہ عبداللہ الثالث، خواجہ عثمان، خواجہ علی، خواجہ ابوبکر، خواجہ محمد، خواجہ اسماعیل، خواجہ عیسیٰ، خواجہ یعقوب، خواجہ محمود، خواجہ محمد الملقب مخدوم شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء چشتی صابریؒ، خواجہ ابراہیم، مولانا خواجہ محفوظ شیخ عرف منا، مولانا شیخ حبیب اللہ، مولانا مفتی عبدالسمیع، شیخ خلیل اللہ، مولوی شیخ عبدالقدوس، شیخ سعید الدین، شیخ جلال الدین، شیخ محمد عظیم، شیخ غلام شمس الدین، شیخ محمد فخر الدین معروف بہ غلام مجدد، مولوی حافظ بدر الاسلام، قاضی محمد مفتاح الاسلام، شیخ القراء امام المجودین مولانا ابو محمد محی الاسلام عثمانی اموی قریشی۔

قاری صاحبؒ کی ولادت باسعادت ۱۹ نومبر ۱۸۷۸ء بمطابق ذیعقد ۱۲۹۵ھ میں ہوئی۔

قاری صاحب کے والد بزرگوار قاضی مفتاح الاسلام درویش صفت بزرگ تھے۔ دنیاوی مال و متاع اور جاہ

وحشمت سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ حج بیت اللہ کی پانچ بار سعادت حاصل کی اور آخری حج کے سوا ہر بار چھ چھ ماہ حرمین شریفین کی مجاوری کرتے اس کے علاوہ بزرگان دین کے مزارات پر حاضری دیتے اور کئی عرصے تک معتکف رہتے۔ اس لئے خانگی زندگی نہ ہونے کے برابر تھی۔ چونکہ ننھیال صاحب حیثیت اور صاحب علوم گھرانہ تھا اور آپ کے نانا مولوی اکرام اللہ عالم فاضل، عابد وزاہد اور متقی بزرگ تھے اکثر اوقات عبادت میں گزارتے تھے، آپ کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادے مولوی سلامت اللہ اپنے والد کے صحیح جانشین ہوئے۔ ان کی پھوپی نیر النساء بیگم نے قاری محی الاسلامؒ کی تعلیم وتربیت میں خصوصی دلچسپی لی۔ (۶۸)

آپ کے دادا مولوی حافظ بدر الاسلام جید حافظ اور مجود تھے انہوں نے شیوخ الشیوخ قاری مصلح الدینؒ، قاری عبیداللہ عرف قاری لالہ اور قاری قادر بخش سے تجوید اخذ کی تھی اور مولانا قاری کرم اللہؒ سے سبعہ قرأت سماعاً اخذ کیں۔ حافظ صاحب نے انگریزی حکومت میں کلکٹر کے عہدے تک ترقی کی اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد جب آپ انبالہ میں متعین تھے۔ آپ نے حضرت شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہؒ، مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ عثمانی اور بعض دیگر سرکردہ علماءِ اسلام کو جن کی گرفتاری کے احکام بغاوت کے جرم میں جاری ہو چکے تھے دریائے ستلج کے راستہ کراچی اور وہاں سے مکہ معظمہ پہنچا دیا اور ان خطرات کی ذرہ برابر پرواہ نہ کی جو اس پر آشوب دور میں آپ کو اور آپ کے خاندان کو انگریزی حکومت کی منتقمانہ کارروائیوں سے پیش آسکتے تھے۔ (۶۹)

پچھلے صفحات میں آپ کے والد بزرگوار کے متعلق بیان کر آئے ہیں کہ آپ کی درویشانہ زندگی کے باعث خانگی زندگی نہ ہونے کے برابر تھی لہٰذا آپ کی پرورش ننھیال میں ہوئی۔ جہاں آپ کی والدہ اکثر قیام فرماتی تھیں۔ آپ کے نانا مولوی حافظ اکرام اللہؒ بڑے عالم اور عابد بزرگ تھے ان کی تعلیم وتربیت ان کے دادا مولانا برکت اللہ نے کی تھی جو بڑے زبردست عالم اور شیخ وقت تھے۔ مولانا اکرام اللہ علم تجوید میں قاری مصلح الدینؒ اور قاری لالہؒ کے، فقہ اور دیگر علوم میں اپنے دادا بزرگوار کے، معقولات میں حضرت مولانا مملوک علی اور حدیث میں حضرت شاہ محمد اسحٰق کے شاگرد تھے۔ مولانا تمام عمر درس وتدریس میں مشغول رہے اور حضرت قاری عبدالرحمن محدث انصاریؒ پانی پتی کے ساتھ پانی پت میں علوم دینیہ کا مرجع ومحور تھے۔ (۷۰)

فاضل گرامی قدر نے ابتدائی تعلیم اس دور کے مروجہ اصول وقواعد کے مطابق قرآن کریم کی تعلیم سے آغاز کیا اور اس علم میں ترقی کرتے کرتے شیوخ قراء کے درجے پر پہنچ گئے۔ اس ضمن میں آپ اس طرح رقمطراز ہیں:

"میں نے تمام قرآن روایت حفص سبقاً سبقاً اور حرفاً حرفاً پہلے اپنے شیخ حافظ قرأت

مجود عصر قاری عبدالرحمن امئی بن عبدالصمد خان حنفی نقشبندی توکل سے پڑھا اور اتنی مرتبہ سنایا کہ جس کا شمار نہیں ہو سکتا اور آخر منزل کی مع مفردات مشق کی۔ اس کے بعد میں نے تمام قرآن بروایت مذکورہ اپنے عم بزرگوار حافظ محمد یعقوب بن حافظ شمس الاسلام عثمان کو پے در پے کئی سال تک سنایا۔ پھر ۱۳۱۱ھ میں تمام قرآن بروایت مذکورہ حضرت شیوخ الشیوخ مولانا قاری عبدالرحمن محدث انصاری قادری کو سنایا اور قاری جناب ممدوح نے اپنی زبان مبارک سے کہلوایا ان حضرات کے علاوہ احقر نے متعدد دیگر حضرات سے اکتساب کیا۔ (۷۱)

فاضل گرامی قدرؒ کا علوم قرآنی سے شغف ومحبت اور ریاضت نے انہیں اس مرتبے پر پہنچا دیا کہ حق سند بن بیٹھے، آپ نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ کتاب اللہ کی بلا معاوضہ اور مخلصانہ خدمت میں گزارا جس کا اندازہ آپ کی کتابوں اور علمی کام پر تبصرے کے دوران واضح طور پر نظر آتا ہے۔ نیز قرآن مجید کی تدریس اور رمضان المبارک کی بارکت محافل تراویح اور شبینوں میں قرآن مجید کو سنانے کا سلسلہ تمام عمر جاری رہا۔ قرآن کی درس وتدریس کے دوران طلباء سے نرمی ومحبت سے پیش آتے تھے اور جو کچھ آپ سے بن پڑتا طلباء کے لئے سعی وکوشش کرتے تھے۔ اس ضمن میں محمد علی عثمانی کہتے ہیں:

"جب پانی پت میں ہوتے تھے تو تدریس صبح فجر کی نماز کے فوراً بعد شروع ہو جاتی تھی، سردی میں چھت پر دھوپ میں نشست ہوتی تھی اور گرمی میں مردانہ میں۔ طلباء دور دور سے آتے تھے مجھے، یاد ہے ایک پٹھان طالب علم علاقہ غیر سے آئے تھے۔ ان کا لب ولہجہ اتنا کرخت اور زبان ایسی سخت ہو چکی تھی کہ قرآن کے حروف اور مخارج کسی طرح ادا نہیں ہوتے تھے۔ ابا جان نے پورا قرآن حرف حرف اور لفظ لفظ خود پڑھایا، جس روز ختم ہوا تو شاہ صاحب بولے "قاری صاحب تم بے ایمان ہے"۔ انہوں نے نرمی سے پوچھا شاہ صاحب کیوں؟ بولے جب سے ہم نے تم سے پڑھنا شروع کیا ہے اتنا طالب علم تم سے قرآن سیکھ کر چلا گیا، لیکن ہم آج بھی دیسا میں جیسا آیا تھا، ہم کو قرآن پڑھنا نہیں آیا۔ ابا جان نے نہایت تحمل سے جواب دیا شاہ صاحب واقعی میرا ہی قصور ہے، ہم ایسا کرتے ہیں کہ کل ہی دوبارہ شروع کر دیتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ انہیں دوبارہ پڑھانا شروع کر دیا۔" (۷۲)

قاری صاحب اپنے شاگردوں سے بہت محبت کرتے تھے اور انہیں بمنزلہ اپنی اولاد کی طرح سمجھتے تھے۔ ان کی حوصلہ افزائی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ رکھتے تھے۔ ان کی تدریس کا بھرپور خیال رکھتے تھے

اور جو کچھ ائمہ فن سے آپ نے سیکھا تھا وہ ہی اپنے شاگردوں میں بھی منتقل کرنے کی سعی کرتے تھے۔ چونکہ قاری صاحبؒ کے ذاتی اوصاف یعنی دلنشیں انداز بیاں اور شیریں آواز سے متصف تھے۔ لہٰذا آپ کے یہاں تین قسم کے طالبین معروف ہوئے۔ اس ضمن میں محمد علی عثمانی کہتے ہیں:

''ان کے شاگردوں میں تین قسم کے طالب علم دیکھے، ایک وہ جنہیں فن ادائیگی بھی حاصل ہو گیا اور اپنے استاد کے انداز اور حسن صوت کی بھی ایک حد تک مشق ہو گئی ان میں قاری شیر محمد صاحبؒ، میرے مرحوم بھائی محمد مدنی وغیرہ شامل تھے، دوسرے وہ جنہوں نے حسن صوت کو نامکمل پا کر صرف حصول فن پر توجہ کی ان میں قاری فتح محمدؒ مشہور ہوئے، تیسرے کچھ ایسے نادان بھی تھے جنہوں نے اصل فن کو نظر انداز کر دیا صرف لب ولہجہ اور آواز کی نقل پر وقت اور محنت صرف کی ان میں ایک بہت مشہور ملا ہوا کرتے تھے جن کا اصل نام مجھے یاد نہیں لیکن عرف عام میں ملا بیگی کہلاتے تھے۔(۷۳)

آپ قرآن کریم سے والہانہ محبت کرتے تھے۔ قرآن جب پڑھا کرتے تھے تو سناٹا اور خاموشی طاری ہو جاتی تھی۔ آپ کا قرآن پڑھنے کا انداز نہایت دلکش اور دلنشین تھا۔ لوگ شبینوں میں قاری صاحب کی قرأت سننے کے لئے خصوصی اہتمام کیا کرتے تھے۔ آپ کی قرأت سے لوگوں کے قلوب گرما جاتے تھے اور سرور کی ٹھنڈک روح کی گہرائیوں میں محسوس ہوتی تھی اس ضمن میں محمد علی عثمان کی کہتے ہیں:

''پانی پت میں رمضان کے آخری عشرہ میں ''شبینوں'' کا رسوم تھا۔ یعنی حفاظ عشاء سے لے کر سحر تک تلاوت کلام پاک، نوافل یا تراویح کی نیت باندھ کر کیا کرتے تھے اور سننے والے حسب ہمت وشوق اقتداء میں نیت باندکر یا صرف بیٹھ کر سنا کرتے تھے.... ابا جان بھی اپنے عقیدت مندوں کے اسرار پر نصف شب کے بعد اپنی تراویح سے فارغ ہو کر کہیں کہیں شریک ہوتے تھے۔ جب ان کے پڑھنے کی باری آتی تھی تو سننے والے صفیں باندھ کر سنتے تھے۔ مقتدیوں کی صفیں بن جاتی تھیں، ان کا معمول تھا کہ ایک سپارہ روایت قالون میں پڑھتے تھے۔ ان کی آواز کی شیرنی روایت قالون کا اپنا حسن، قرأت کے کلمات کی عظمت، آخر شب کا سماں، رمضان کی برکت، بس کیا کیفیت بیان کروں۔ آج بھی کچھ لوگ زندہ ہیں جنہوں نے ان کا پڑھنا سنا تھا کہتے ہیں چالیس سال گزر جانے کے بعد بھی یاد کرتے ہیں تو سرور کی ٹھنڈک روح کی گہرائیوں تک محسوس ہوتی ہے۔''(۷۴)

فن قرأت میں مہارت کے علاوہ آپ دیگر علوم یعنی تفسیر، حدیث اور فقہ میں تجر کا ثبوت تفسیر مظہری پر علمی وتحقیقی حاشیہ ہے۔ یہ علوم آپ نے دارالعلوم دیوبند اور لکھنؤ سے اکتساب کیئے۔(۷۵) آپ ذہین، فطین اور غیر معمولی حافظہ کے مالک تھے۔ ادب سے گہرا لگاؤ تھا چنانچہ عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں کے ادب پر عبور حاصل تھا۔ انگریزی کے تراجم بکثرت پڑھتے تھے، چونکہ بلا کا حافظ تھا لہٰذا اشعار باموقع اور برجستہ پڑھ دیتے تھے۔(۷٦) ان اوصاف سے متصف ہونے کے ساتھ ساتھ پاکیزہ طبیعت اور ہر ایک کے غم غوار تھے، لہٰذا خواص وعوام میں اہم مقام رکھتے تھے اور قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔'' اس ضمن میں محمد علی عثمانی کہتے ہیں:

''ڈپٹی کمشنر اور کمشنر صاحب جب پانی پت آتے تھے تو خاص طور پر پیغام بھیج کر بلواتے اور ملتے تھے اور ان کی رائے کو وقعت دیتے تھے۔ آنریری مجسٹریٹ درجہ دوم کا اعزاز حاصل تھا''۔(۷۷)

قاری صاحبؒ علوم قرآن سے خصوصی شغف رکھتے اور یہ جذبہ ساری عمر موجزن رہا۔ اسی سچے جذبے اور مخلصانہ کوششوں کو پانی پت میں بروئے کار لائے اور پاکستان بننے کے بعد جب اوکاڑہ میں قیام پذیر ہوئے تو یہاں پر بھی گول چوک اوکاڑہ میں یہی جذبہ برقرار رہا اور اس جذبے کے تحت ایک مسجد اور دارلعلوم کی بنیاد رکھی تا کہ خلق خدا اس سے استفادہ کرے اور اپنی دنیا وآخرت سنوارے۔ ابھی مسجد زیر تعمیر تھی کہ آپ نے قضاالٰہی کو لبیک کہا اور ۱۳ اپریل ۱۹۵۳ء (۱۸ رجب ۱۳۷۲ھ) کو مختصر سی علالت کے بعد انتقال کیا۔ ''وان المتقین فی جنتہ وعیون'' سے عمر کی تاریخ اور کل من علیھا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام'' سے شمسی تاریخ نکلتی ہے۔(۷۸)

قاری صاحبؒ درس وتدریس کے شعبے، اور دینی وفلاحی اور رفاحی کاموں کے علاوہ تصنیف و تالیف کے شعبے سے بھی وابستہ تھے خصوصاً فن قرأت وتجوید پر تحقیقی وعلمی کام انجام دیا اور شائقین قرأت کے لئے ایک قابل قدر سرمایہ فراہم کیا ہے جس سے بھرپور علمی استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ اس ضمن میں آپ نے رسالہ شجوہ سبعہ قرأت، اغلاط سے مبرا قرآن پاک، تفسیر مظہری کی تصوید وتصیح، شرح سبعہ قرأت جلد اول و دوئم جیسی علمی وتحقیقی کتب چھوڑی ہیں۔(۷۹)

رسالہ شجرہ سبعہ قرأت، ادارہ اسلامیات لاہور، ۱۳۴۸ھ (۸۰)

قاری صاحبؒ نے رسالہ سند سبعہ قرأت کے نام سے تحریر فرمایا جس میں قرأت کی نہایت مستند اور مختصر تاریخ ہے، فاضل مئولف اس رسالے کو قرآن کریم کی تکمیل پر اپنے شاگردوں کو عنایت فرماتے تھے۔(۸۱) مذکورہ رسالہ کئی رسال کی محنت اور کارش کے بعد تصنیف فرمایا تا کہ طلباء اس فن کے ماہرین

کے نسبی، کنیت، لقب اور خطاب سے بہرہ ور ہو جائیں نیز سند صحیہ مستعلہ سے واقف ہو جائیں۔ مذکورہ رسالہ کی تصنیف کی بابت فرماتے ہیں:

''میں نے اس سند کو کئی سال کی محنت سے مرتب کیا۔ شیوخ کے نام صحیح کرتے ہوئے لقب، خطاب اور نسب کئی پشتوں تک بڑھایا غیر متصل سلسلوں کا نشر وغیرہ معتبر کتابوں سے نقل کیا۔ علامہ ابو محمد شاطبی کا سلسلہ سندوں میں غیر مربوط تھا اس کو مابعد اور ماقبل سے ملایا اور محقق ابوالخیر جزری کی وہ تمام بندیں شامل کر دیں جو تیسر و شاطبیہ سے علاقہ رکھتی تھیں۔'' (۸۲)

مذکورہ رسالہ پانچ حصوں میں منقسم ہے۔ حصہ اول میں سند روایت حفص از عاجز تا قاری عبداللہ مدنی تک درج ہے، حصہ دوم سند سبعہ قرأت از احقر تا محقق ابن جزریؒ تک بیان کی گئی ہے، حصہ سوم سات اسناد اور ضمیہ پر مشتمل ہے جس میں مختلف ائمہ فن کی سند بیان کی گئی ہیں، حصہ چہارم علامہ دانیؒ سے قرأت سبعہ پر مشتمل ہے جس میں اوّل شیوخ قرأت تحریر کیئے ہیں بعد ازاں تبرکاً شیوخ روایت بیان کیے ہیں۔ نیز حصہ پنجم حضرات قراء سبعہؒ سے حضور نبی اکرم ﷺ تک مشتمل ہے۔

چونکہ قرأت کا مدار نقل اور ضبط پر ہے اور صحابہ کرام رضوان اجمعین نے آپ سے جس طرح قرآن سیکھا اور پڑھا ویسا قرن در قرن یہ علم مشتمل ہوتا رہا لہٰذا فی زمانہ ہم تک یہ علم نقل در نقل جیسا پہنچا ہے ویسا ہے، قرآن سیکھتے اور سکھاتے ہیں۔

اغلاط سے مبرا قرآن پاک کی اشاعت:

اس ضمن میں قاری صاحبؒ نے ایسے قرآن پاک کی اشاعت کے لئے کوشش فرمائی جو ''مصحف عثمانی'' سے متصف یا حامل تھا، برس ہا برس سے قرآن پاک کی طباعت میں جو غلطیاں ہو رہی تھیں انہیں اغلاط سے پاک کرنا تھا۔ اس جدو جہد اور محنت میں آپ نے تقریباً ۹ سال صرف کیئے۔ اس کاوش کے دوران حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے مفید مشہورہ اور ناقدانہ رائے بھی لیتے رہے پھر اس نسخے کی اشاعت فرمائی۔ (۸۳)

تفسیر مظہری کی تصوید و تفصیح:

قاری صاحبؒ نے اس ضمن میں تین کام انجام دیئے اول حواشی تحریر کیا جس میں تفسیر مظہری کو قرأت عشرہ میں جامع بنانے کے لئے قرأت عشرہ اور ان کی قرأتوں کے ذکر و بیان کو مکمل کیا ہے۔ دوم حواشی متن کی تصحیات کے متعلق بتایا ہے کہ اصل عبارت کیا تھی اور انہوں نے کیا تبدیلی کی ہے، سوم تفسیر مظہری کی طباعت و اشاعت مین بھی سعی و کوشش ہے۔ (۸۴)

شرح سبعہ قرأت (جلد اول) ادارہ اسلامیات لاہور، ۱۹۹۵ھ:

قرآن دنیا کی واحد کتاب ہے جو سب سے زیادہ پڑھی جاتی ہے اور قرآن کا یہ بھی اعجاز ہے کہ اس مین کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہیں ہے اور یہ ہر غلطی سے پاک ہے اس کی تعلیمات تا قیامت تک لوگوں کے لئے راہ نجات اور فلاح و ترقی کا باعث ہے۔ قرآن کے منکرین کو قرآن کو چیلنج ہے کہ اس کی مثل ایک آیت بھی بنا کر لئے آؤ تمام جدو جہد اور حربوں کے باوجود منکرین اس کے آگے عاجز اور دست و پا ہیں۔ ۱۴۰۰ سال گزرنے کے باوجود ایک حرف میں تغیر و تبدیلی واقع نہیں ہوئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے۔ لہٰذا خدام القرآن نے اس میں پوشیدہ علوم پر نہ صرف مہارت حاصل کی بلکہ آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے ایسی کتابیں تصنیف فرمادیں کہ قرآنی علوم سے بہرہ مند ہو کر اس سے صحیح طور پر استفاہ کر سکیں۔ انہی اصحاب کے حق میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، ''خیرکم من قرا القران واقراہ'' (طبرانی) (۸۵) تم میں سے بہترین شخص وہ ہیں، جو قرآن پڑھتے اور پڑھاتے ہیں ایک اور جگہ ارشاد فرمایا۔ اشرافامتی حملہ القران واصحاب الیل (بیقی) میری امت میں سے شریف لوگ حاملین قرآن اور رات کو عبادت کرنے والے ہیں۔ (۸۶) قرآن کا مدار ہمیشہ سے ضبط و حفظ پر ہے۔ ضبط سے مراد جو قرأت عربیت کے موافق ہو مصاحف عثمانی میں سے کسی ایک کے مطابق ہو، خواہ یہ مطابقت اصتمالاً ہو اور سند صحیہ متعلہ سے ثابت اور ائمہ فن کے یہاں مشہور ہو۔ (یعنی) اس قرأت کو عادل ضابط نبی ﷺ تک اپنے مثل سے روایت کرتے ہوں اور ائمہ ضابطین کے نزدیک مشہور یہیں ہوا۔ (۸۷) صحابہ کرامؓ نے حضور اکرم ﷺ سے قرآن سیکھا، اس جماعت نے آپ سے جو ضبط کیا تھا وہی علم تابعین کو پڑھا دیا، تابعین اور تبع تابعین نے اس علم کے حصول کے لئے اتنی جدو جہد کی وہ ائمہ قرأت بن گئے۔

آپ ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے ''ان ھذا القرآن انزل علی سبعۃ احرف فاقرؤا ما تیسر منہ'' (صحیح بخاری)

''یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے پس ان میں سے جو تمہارے لیے آسان ہو اس طریقہ سے پڑھ لو''۔

علمائے محققین نے اس کی تشریح بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ قرآن کریم کی جو قرأتیں اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہیں ان میں سات نوعیتوں کا نحوی فرق و اختلاف ہے۔ یہ امر ذہن نشین رہے کہ ان قرأتوں کے باہمی فرق سے معنی میں کوئی قابل ذکر فرق نہیں پڑتا۔ مثلاً ایک صحابی نے صلہ اظہار تسہیل اور فتح سیکھا دوسرے نے بغیر صلہ اظہار تسہیل اور فتح تیسرے نے بغیر صلہ ادغام تسہیل اور امالہ۔ اس طرح اور بہت سے شکلیں ہو سکتی ہیں اور چونکہ ان اختلافات کی کوئی ترتیب بعینہ واجب نہ تھی لہٰذا تابعینؒ و تبع تابعینؒ نے

اپنے اساتذہ کی قرأت سے بہ پابندی شرائط نئی ترتیب سے قرأت اختیار کرلیں۔(۸۸) لہٰذا محققین نے اپنی کتب میں (پندرہ) قرأتوں کا ذکر کیا ہے جس سے صحابہ کرامؓ نماز پڑھتے تھے۔اب امت کے پاس دس قرأتیں متواترہ باقی ہیں ان میں سات قراءتیں بہت مشہور ہیں۔جنہیں سبعہ قرأت کی اصطلاح سے جانا جاتا ہے۔

فاضل مئولف نے مذکورہ کتاب ان طلباء کے لئے لکھی ہے جو عربی نہیں جانتے ہیں۔کتاب کی وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے آپ رقمطراز ہیں:

''اردو میں اس وقت تک کوئی کتاب قابل ذکر نہیں لکھی گئی شاید یہی وجہ ہے کہ کچھ عرصہ قبل تک اردو علمی زبان نہ تھی اور قرأت حاصل کرنے والے عموماً اردو سے بے نیاز علماء ہوتے تھے لیکن اب کیا کیا جائے جب کہ علماء الاماشاء اللہ کے سوا اس فن کو خیر باد کہہ دیا اور اس کے سیکھنے والے وہ لوگ رہ گئے جو عربی نہیں جانتے یا ان کو عربی نہیں آتی کہ مسائل فن کی تحقیق کرسکیں۔۔۔۔عرصہ دراز سے ضرورت تھی کہ قرأت پر اردو میں معتبر اور محققانہ حیثیت کی کوئی کتاب موجود ہو مگر کوئی بزرگ ادھر متوجہ نہیں ہوتے تھے اور جب میں نے دیکھا کہ معاصرین اس پر قلم نہیں اٹھاتے تو منجانب اللہ میرے دل میں خیال آیا جس کو میرے شیخ فخر المجودین قاری حافظ عبدالرحمن ضریر کے حکم نے اور قوی کردیا۔''(۸۹)

مذکورہ کتاب میں ایک طویل مقدمہ درج ہے جو ۱۴ فصول میں منقسم ہے جس میں تفصیل کے ساتھ خدام القرآن، قرآن اول کے شیوخ قرأت، ائمہ قرآن، ائمہ سبعہ اور ان کے راوی، شیوخ تیسیر و شاطبیہ، حدیث حرف سبعہ پر تفصیلاً بحث اور صاحب ائمہ قرأت کی تصانیف پر روشنی ڈالی گئی ہے۔مقدمے کے بعد پچیس ابواب مختلف عنوانات سے قلمبند کیئے ہیں جن میں اصول قرأت بیان کیئے گئے ہیں۔فاضل مئولف نے جہاں ضروری سمجھا وہاں حاشیہ کا بھی استعمال کیا ہے نیز حاشیئے میں ضروری اقوال بھی درج کیئے گئے ہیں۔اس کے علاوہ باب کے آخر میں طلباء کے لئے فوائد بھی درج کیئے ہیں۔

مذکورہ کتاب قلمبند کرنے میں فاضل گرامی نے جن کتب سے استفادہ کیا ہے ان میں تیسیر، شاطبیہ، شاطبیہ کی بعض شرحیں، علامہ ابن حجرؒ کی تہذیب، نشر کبیر ملا علیؒ، حافظ ذہبیؒ، ابن خلقانؒ اور طبقات وغیرہ شامل ہیں۔

شرح سبعہ قرأت (جلد دوم)، ادارہ اسلامیات لاہور:

فاضل مئولف نے مذکورہ کتاب میں اصول فرش بیان کئے ہیں۔

آپ کے معروف تلامذہ جن سے آپ کا فیض جاری وساری ہوا وہ حسب ذیل ہیں:

قاری شیر محمد خان:

قاری شیر محمد خان ۱۲۹۵ھ میں ایک معزز افغان گھرانے میں پیدا ہوئے۔پہلے حافظ علی بہادر خان سے قرآن کریم پڑھا پھر حضرت قاری محی الاسلام صاحب عثانیؒ سے تجوید و قرأت اخذ کی۔پوری زندگی تدریس میں گزری، پہلے آپ محصول چنگی پر محرر تھے، اس ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد آپ نے نیم والی مسجد میں مدرسہ قائم کیا پھر ایک سال بعد محلہ افغاناں میں مدرسہ اشرفیہ ۱۳۳۳ھ بمطابق ۱۹۱۴ء میں قائم کیا۔۔۔۔ آپ بیعت وارشاد میں حضرت اقدس حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ سے منسلک تھے اس لئے حضرت تھانوی سے خصوصی تعلق رکھتے تھے چنانچہ آپ نے اپنے مدرسے کا نام بھی حضرت تھانوی قدس سرہٗ کی نسبت سے ''مدرسہ اشرفیہ قرآنیہ'' رکھا تھا۔(۹۰) آپ کی وفات ۱۷ رجب ۱۳۴۷ھ عمر ۸۰ سال میں ہوئی۔(۹۱)

قاری حافظ محمد عمر:

آپ کی ولادت ۱۳۳۳ھ، وطن سیہپور ضلع بجنور میں ہوئی آپ کے والد کا اسم گرامی محمد مظہر اللہ ہے۔پہلے ایک روایت سے تجوید سیکھی پھر قرأت سبعہ کی تکمیل قاری حافظ محی الاسلام پانی پتی سے ایک مدرسہ موسومہ ''تجوید القرآن'' میں کی، جسے مولانا لقاء اللہ عثمانیؒ نے حضرت کبیر الاولیاء کی درگاہ میں قائم کیا، درس و تدریس سے وابستہ اور خدمت قرآن میں مشغول رہے۔آپ کی وفات ۱۴۷۳ھ میں ہوئی۔(۹۲)

قاری حافظ عبداللطیف پانی پتی:

آپ پانی پت میں ۱۳۱۵ھ میں پیدا ہوئے۔قاری ابومحی الاسلام سے ایک روایت اور پھر سبعہ قرأت کی تکمیل کی۔سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت ہوئے۔حفظ و قرأت کی تعلیم سے خصوصی شغف رکھتے تھے۔آپ نے تعلیم قرآن کے لئے گھر ہی میں مدرسہ جاری رکھا۔آپ کا قیام محلہ شیخاں باڑہ ہندو رائے میں ہے۔آپ کی وفات ۱۴۸۵ھ میں ہوئی۔(۹۳)

قاری حافظ محمد سلیمان خان قاری سبعہ:

آپ ۱۳۳۵ھ میں وطن گڑگاؤں (میوات) میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد کا اسم گرامی کالے خان ہے۔تکیہ والی مسجد جو آزاد مارکیٹ میں بنگال پریس کے قریب ہے تجوید قرأت کا درس دیتے ہیں۔آپ نے ۱۴۸۴ھ میں بعمر ۴۲ سال وفات پائی۔(۹۴)

قاری فتح محمد نابینا: (۱۳۲۲ھ تا ۱۴۰۷ھ)

قاری ابومحی الاسلام کا فیض موصوفؒ سے پاکستان اور بیرون پاکستان بہت عام ہوا نیز اشاعت

تجوید وقرأت کے سلسلے میں کئی کتب ورسائل تحریر فرمائے۔آپ کی خدمات کا تعارف اور جائزہ اگلے صفحات میں تفصیلاً مذکور ہے۔

پانچواں دور

قاری فتح محمد مع تلامذہ

قاری فتح محمد پانی پتیؒ اور ان کے تلامذہ پر مشتمل ہے۔قاری صاحب ممدوحؒ نابینا ہونے کے باوجود تعلیم القرآن اور اشاعت قرآن سے خصوصی شغف رکھتے تھے۔آپ نے تمام عمر اس میں صرف کی اور سینکڑوں تلامذہ کو تجوید وقرأت کی تکمیل کرائی، اول ''مدرسہ اشرفیہ'' پانی پت میں تدریسی خدمات انجام دیں بعدازاں قیام پاکستان کے لاہور (اچھرہ)، پنڈ دادخان ضلع جہلم، شکارپور سندھ (مدرسہ فیض القرآن)، نانک واڑہ کراچی اور مدینہ ومکہ معظّمہ میں تعلیم القرآن سے وابستہ رہے۔اور ساتھ ساتھ تجوید قرأت کے سترہ کتب ورسائل تحریر فرمائے جو طلباء اور شائقین تجوید وقراءت کے لئے بے مثل سرمایہ ہے۔اس دور کے سرخیل قاری صاحب ممدوحؒ اور آپ کے تلامذہ کا تعارف اور خدمات کا جائزہ لیا جائے گا۔

شیخ القراء قاری فتح محمد پانی پتی:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بیش بہا نعمتوں سے نوازا ہے جس کا جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے۔وان تعدو نعمتہ اللہ لاتحصوۃ ھا (اس کی نعمتوں کا شکر شمار کریں تو اس کا احاطہ نہیں کر سکتے) شکر ایک ایسا وصف ہے جو انسان کو راضی بہ رضا رہے اور باطنی بیماریوں سے بچائے رکھتا ہے۔انسان کو جو کچھ ملا ہے اس پر شکر ادا کرے کیونکہ ولئن شکرتم لازیدنکم (اگر تم شکر ادا کرو گے تو اور زیادہ دونگا) لہٰذا انسان کو ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرتے رہنا چاہیے اور یہ دنیا جو اللہ تعالیٰ نے حسین اور خوبصورت بنائی ہے اس میں استعداد اور لیاقت کے مطابق بندگان خدا کی خدمت اور اطالت الٰہی میں بسر کرنی چاہیے۔انتہائی خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنہیں اللہ نے بینائی سے نوازا اور وہ لوگ جنہیں اللہ نے بنیائی سے محروم رکھا مگر پھر بھی اپنی قسمت کو ملامت کرنے کے بجائے ہمت اور حوصلگی کے ساتھ دنیا کے چیلنجوں کا مقابلہ کرتے ہوئے ترقی کرتے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ ایک زمانہ ان سے فیض یاب ہوتا ہے، ایسے لوگ قابل تعریف اور مدح سرائی کے لائق ہیں کہ بینائی جیسی نعمت سے محروم ہونے کے باوجود اللہ کا شکر بجالاتے ہیں اور اپنی لیاقت وقابلیت سے آگے بڑھتے ہیں۔

ان ہی افراد کی فہرست میں امام القراء، فائق القران، علوم وعمل کا منبع، شریعت طریقت کا پیکر، استاالاساتذہ، مستجاالدعوات، تقوی اور سادگی کا عملی نمونہ اور صاحب تصنیف شخصیت قاری فتح محمد پانی پتیؒ کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔آپ محمد اسماعیل صاحب کے فرزند میں ۱۱ ذی قعد ۱۳۲۲ھ/۳۱ جنوری ۱۹۰۴ میں

پانی پت کے محلہ راعیاں چوڑا کنواں ''پینچ کی بستی'' میں پیدا ہوئے۔۱۲/۱ سال کے تھے کہ چیچک کی وجہ سے نظر جاتی رہی۔(۹۵) پھر جب چھ سال کے ہوئے تو آپ والد کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گئے۔پھر ۹ برس کے ہوئے تو والدہ ماجدہ بھی داغ مفارقت دی گئیں۔والد ماجد کا ذریعہ معاش کوئی خاص نہ تھا، محنت، مزدوری کر کے گزر بسر ہوتا تھا اور والدہ ماجدہ سوت کات کر گزر بسر کرتی تھیں لہٰذا بچپن انتہائی کسمپرسی میں گزرا ہے۔دونوں بزرگوں کی رحلت کے بعد ظاہری اسباب سے بھی محروم ہو گئے۔اسی اثناء میں آپ کے عزیز حاجی شاہ زین کے والد چوہدری محمد ابراہین کے زیر کفالت رہے۔پھر آپ قاری شیر محمد خان کی دینی تعلیم وتربیت اور سرپرستی میں آ گئے۔جہاں آپ نے فاضل استاد کے زیر سایہ حفظ قرآن کی تکمیل کی بلکہ استادگرامی قدر کے ''مدرسہ اشرفیہ'' میں مدرس ہو گئے۔(۹۶)

آپ کی تعلیم کا آغاز ۱۳۲۶ھ کے اداخر میں ۵ سال کی عمر میں ہوا، پینچ کی مسجد کے میاں مشرف الدین صاحب سے قرآن مجید کا آغاز کیا پھر ایک استانی صاحبہ امتہ اللہ مرحومہ زوجہ محمد ممتاز ولد محمد رمضان محلہ مخدوم زادگان کے یہاں قرآن مجید پڑھنا شروع کیا....استانی موصونہ مرحومہ سے آپ نے ۲۷ پارے حفظ پڑھے، قائدہ بغدادی کے علاوہ ۷ پاروں تک کی ہجے کری۔ستائیس پارے حفظ ہوئے تھے کہ آپ کے ساتھ جو آپ کو سبق یاد کرایا کرتے تھے اس درسگاہ کو چھوڑ کر محلہ افغاناں کے ''مدرسہ اشرفیہ'' میں حضرت قاری شیر محمد خان (م ۱۳۴۷ھ) کی خدمت میں چلے گئے۔اس لیئے مجبوراً آپ بھی قاری شیر محمد صاحب کے پاس داخل ہو گئے۔اولاً آپ نے حضرت قاری صاحب ممدوح سے باقی رہے ہوئے تین پارے پڑھ کر بعمر ۱۱ برس حفظ کی تکمیل کی، ثانیاً تجوید کے ساتھ گروان کی اور تمام قرآن پاک بالتجوید پڑھ کر اور خوب پختہ یاد کر کے تجوید روایت حفص اور دور کی تکمیل کی، پھر اپنے شفیق استاد کے زیر سایہ مدرسہ اشرفیہ پانی پت میں غالباً ۱۲۲۵ھ کو-- ۱۲-۱۳ سال کی عمر میں پڑھانا شروع کر دیا۔(۹۷)

آپ میں محنت اور جانفشانی کا جذبہ بچپن سے موجزن تھا اور یہ ہی جذبہ آخر عمر تک برقرار رہا۔اسی جذبے کی بدولت آپ نے کم عمر میں قرآن کی تعلیم تکمیل کرنے کے بعد مدرس ہو گئے اور انتہائی محنت اور خلوص سے مدرسے میں تعلیمی خدمات انجام دینے لگے۔فاضل استادگرامی آپ پر ویسے ہی مہربانی اور شفقت فرماتے تھے، آپ کی محنت کو دیکھتے ہوتے مزید اعتماد اطمینان ہو گیا اور یوں فرماتے تھے:

''مجھے اپنے کسی عزیز سے یہ امید نہیں کہ میرے بعد مدرسہ کو سنبھال لے اگر امید ہے تو فتح محمد سے ہے کہ اس صدقہ جاریہ کی حفاظت کر سکے۔''(۹۸)

آپ نے قرآن تعلیم پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیئے بھی جدوجہد کرتے رہے۔آپ ''مدرسہ گنبداں'' پانی پت میں فارسی وعربی کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھی جاتے، ابتدائی فارسی و

عربی نیز ہدایہ وتفسیر جلالین آپ نے مولانا مفتی عبدالرحیم سے پڑھی اور درس نظامی کی کتب مولانا احمد اللہ عثانی اور مولانا سعید احمد (اپنے والد صاحب کے شاگرد) بن مولانا فتح محمد تائب لکھنوی سے پڑھیں۔ ۱۳۴۶ھ میں بعمر ۲۴ برس شیخ القراء قاری محی الاسلام صاحبؒ کے ہاں سے سبعہ کی سند اور اجازت حاصل کی اور بعد میں مولانا قاری حفظ الرحمن صدر شعبہ تجوید دارالعلوم دیوبند سے تبرکاً قرأت عشرہ کی اجازت سند بعمر ۳۲ سال حاصل کی۔ باقی علوم کی تکمیل کے لئے دیوبند کا سفر اختیار کیا اور ۱۳۴۷ھ میں بعمر ۲۵ سال مولانا سید حسین الحمد مدنی (م ۱۳۷۷ھ)، (صحیح بخاری و جامع ترمذی) مولانا ابراہیم بلیادیؒ (م ۱۳۶۴ھ)، مولانا محمد رسول خانؒ (م ۱۳۹۱ھ) مشکوۃ شریف، مولانا مفتی م ۱۳۹۶ھ محمد شفیع (مولانا مالک)، مولانا اصغر حسینؒ (م ۱۳۶۴ھ)، (ابوداؤد شریف)، مولانا اعزاز علیؒ شمائل ترمذی میں لکھیں۔ (م ۱۳۷۴ھ) کے مدرسے "مدرسہ اشرفیہ" میں تدریس قرآن مشغول ہو گئے اور تقریباً ۳۰ برس پر تک انتہائی محنت اور لگن سے خدمات انجام دیتے رہے۔ (۹۹)

قاری صاحبؒ قرآن پاک سے خصوصی شغف رکھتے تھے اور اسی عشق و محبت میں اپنی عمر وقف کر رکھی تھی۔ آپ کا اوڑھنا بچھونا قرآن کریم سننا اور سنانا تھا۔ آپ رسول اکرم ﷺ کے اس فرمان پر پورے صادق آتے تھے کہ تم میں سے بہترین وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھلائے۔ خدائے بزرگ و برتر کی اس نعمت پر کبھی فخر اور غرور کا اظہار نہ فرماتے تھے بلکہ اگر کوئی آپ سے قرآن سننے کی خواہش کا اظہار فرماتا تو فوراً اس کی تکمیل فرمادیتے۔ قرآن سے عشق و محبت کی جھلک آپ نے معمولات سے اس طرح آشکار ہوتا ہے:

"حضرت موصوف روزانہ قرآن مجید کی تلاوت فرماتے بلکہ ایک قرآن مجید تہجد میں شروع فرماتے روزانہ کچھ پارے پڑھتے۔ ایک قرآن مجید آپ نمازوں میں روزانہ تھوڑا تھوڑا پڑھتے ایک، دن بھر میں بطور منزل شروع رکھتے تمام دن ویسے بھی قرآن مجید کا مشغلہ رہتا کسی کا سن رہے ہیں اور کسی کا امتحان لے رہے ہیں، اس طرح اپنے سے اصلاح تعلق رکھے والوں کو بھی روازنہ تلاوت قرآن کا حکم فرماتے۔۔۔۔ جس وقت کوئی قرآن مجید سننے کی خواہش کا اظہار کرتا آپ فوراً شروع فرمادیتے۔ اسی طرح اگر کوئی اپنا سنانے کے لئے عرض کرتا تو آپ فوراً سننے کے آمادہ ہوجاتے، غرض یہ کہ آپ کی زندگی کا اہم مشغلہ قرآن مجید کا سننا اور سنانا تھا۔" (۱۰۰)

اکابرین اور بزرگان دین نے ہمیشہ قرآن سے عشق و محبت اولین ترجیح دی ہے اور اسی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا ہے کیونکہ دنیا و آخرت میں فلاح و کامرانی اسی میں پوشیدہ ہے اور ہے اور کامیابی و ترقی کے تمام راز اسی میں مضمر ہیں۔ قاری صاحبؒ علوم کی تکمیل کے بعد قرآنی درس و تدریس سے وابستہ ہو گئے اور اپنی زندگی

کا تمام حصہ اس خدمت میں گزار دیا۔ آپ نے حفظ و تجوید اور قرأت سبعہ و عشرہ سے سینکڑوں لوگوں کو فیض یاب کیا اور ملک و بیرون ملک چراغ آپ نے روشن کیا تھا اس کی کرنیں آب و تاب کے ساتھ منور ہیں۔ آپ کی خدمت کے نمونے درج ذیل ہیں:

"مدرسہ اشرفیہ پانی پت میں ۱۲، ۱۳ سال کی عمر تھی پڑھانا شروع کیا۔ پاکستان بننے تک وہاں اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔ پاکستان وجود میں آنے کے بعد لاہور میں پڑھاتے رہے پھر پنڈ داد خان ضلع جہلم میں ایک سال پھر شکار پور سندھ میں ۱۹۴۸ء تا ۱۹۵۶ء مدرسہ اشرفیہ فیض القرآن میں تدریس کی پھر ۱۹۵۷ء میں دارالعلوم کراچی (نانک واڑہ) میں آ گئے اور ۱۹۷۱ء تک پڑھاتے رہے۔ ۱۹۷۱ء میں مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔" (۱۰۱)

قاری صاحبؒ تلاوت قرآن پاک میں ثانی نہ رکھتے تھے۔ تلاوت کے اصول وضوابط اور آداب کا بے حد خیال رکھتے تھے۔ تلاوت فرماتے وقت لوگوں پر سکنہ طاری اور سرور و کیفیت طاری ہوجاتی تھی۔ الغرض قرآن پاک کی محبت و عقیدت آپ کے رگ و پے میں بسی ہوئی تھی۔ تروایح اور بشینوں میں تلاوت قرآن کے اصول وضوابط اور آداب کا بے حد خیال رکھتے، خود بھی عمل کرتے اور دوسروں بھی عمل کراتے:

"آپ کو قرآن مجید سے بہت عشق تھا پاکستان کے قیام میں بھی جبکہ آپ کی عمر بڑھاپے کی طرف جاری تھی تروایح کے بعد سے لے کر صبح صادق تک 10 پارے پڑھنے کا عموماً آپ کا معمول تھا خوب تجوید تحقیق کے ساتھ تلاوت فرماتے۔۔۔۔ اور بشینون میں آپ کئی چیزوں کی رعایت فرماتے ایک تو یہ کہ تجوید کے ساتھ پڑھا جائے دوسرے سب ادب سے سنیں تیسرے نوافل کی جماعت میں تین سے زیادہ مقتدی نہ ہوں یا پھر بشینہ نماز تراویح میں پڑھا جائے۔" (۱۰۲)

آپ قرأت کے فن سے بخوبی واقف تھے۔ اس فن میں لیاقت و تجر میں ذاتی اوصاف کے ساتھ آپ کے اساتذہ کا بھی بہت عمل دخل ہے۔ اس فن میں آپ یکتائے روزگار تھے، جس کے معترف نہ صرف آپ کے اساتذہ بلکہ علماء و فضلاء بھی ہیں۔ اس ضمن میں چند نمونے حسب ذیل ہیں:

"ایک موقع پر جمعہ کا روز تھا اردو بلی کی جامع مسجد میں ایک بڑا مجمع تھا جس میں آپ بھی تھے اور آپ کے شیخ ممدوح (قاری محی الاسلام) بھی تشریف رکھتے تھے تو حضرت شیخ نے اثنائے گفتگو میں امیر و بانی جماعت تبلیغی حضرت مولانا محمد الیاسؒ سے آپ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ: اس نے (یعنی قاری فتح محمد نے) پورا قرآن اور

پورا فن حرفاً حرفاً مجھ سے پڑھا ہے اور اب یہ مجھ سے علم قرأت و تجوید میں بہت آگے بڑھ گیا ہے۔ اس پر امیر و امام تبلیغ نے فرمایا کہ "نہیں نہیں حضرت استاذ تو استاذ ہی ہوتے ہیں شاگرد کتنا ہی علم میں بڑھ جائے بہر حال استاذ سے کم ہی ہوتا ہے۔" کیونکہ عروج و ترقی بھی اس کی توجہ و دعا و نظر کیمیا کا نتیجہ و فیضان ہوتا ہے۔" (۱۰۳)

نیز حسب ذیل واقع سے بھی آپ کی فن قرأت پر عبور و تجر اور تواضع و انکساری اس طرح جھلکتی ہے۔

ایک بار حضرت مولانا عبدالغفور صاحب مدنیؒ کے یہاں متعدد علماء و قراء کا اجتماع ہوا اور مختلف قراء نے قرآن مجید کی تلاوت کی جبکہ قاری فتح محمدؒ نے سورہ ہود کے شروع سے تلاوت قرآن پاک فرمائی تو شام کے جزیرہ ابن عمر برقعیدی (جس کی نسبت سے محقق ابن الجزری معروف ہیں) اس جزیرہ کے ایک بڑے عالم ملا رمغانی شامی بول اٹھے۔ "یا فتح محمد انت فاتح القراء اور ویوت کل ذی فضل فضلہ ...... کا تلفظ سن کر ملا موصوف نے فرمایا کہ "حرف ضاد کی مستقل بالذات اور سب حرفوں سے نمایاں اور ممتاز اور صحیح تر ادائیگی آج میں آپ ہی کی زبان سے سن رہا ہوں۔ یہ ادائیگی سن کر معلوم ہوتا ہے کہ واقعی حرف ضاد تمام حرفوں سے جداگانہ ایک مستقل الادا حرف ہے ورنہ آج تک میں نے ایسی مستقل ادا حرف (ضاد) کی کسی سے بھی نہیں سنی۔ اس پر قاری صاحبؒ نے ارشاد فرمایا حضرت یہی تو ایک ایسا حرف ہے جو مجھے مکمل طور پر صحیح اور کما حقہ ادا کرنا نہیں آتا۔" (۱۰۴)

مذکورہ بالا اقتباس سے فن قرأت پر عبور و تجر کا واضح طور پر اندازہ ہوتا کہ اساتذہ، علماء اور فضلا بھی آپ کی لیاقت و استعداد کے معترف تھے لیکن باوجود تجر و لیاقت کے ہمیشہ تواضع و انکساری کا نمونہ رہتے اور کبھی بھی غرور و فخر کا اظہار نہیں فرماتے یہی وجہ ہے کہ فن قرأت میں عروج و ترقی کے مرتبے پر فائز تھے۔ فن قرأت کے علاوہ آپ دوسرے علوم تفسیر، حدیث، فقہ، نحو و عربیت و لغت میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ آپ نے جس مہارت و لیاقت کے ساتھ کتاب "فضائل و احکام رمضان" میں رمضان، روزہ، اور اعتکاف کے فضائل و مسائل پر بحث کی اس سے حدیث و فقہ پر آپ کے بلند پایا مقام کا اندازہ ہوتا۔ حسب ذیل واقع سے بھی علم حدیث میں آپ کی قابلیت و مہارت اس طرح جھلکتی ہے:

"ایک موقع پر حضرت والا جامع خیر المدارس ملتان تشریف لے گئے اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب کے مشکواۃ المصابیح کے درس میں تشریف فرما ہوئے ایک طالب علم عبارت حدیث پڑھ رہے تھے قاری صاحب نے ایک لفظ پر ٹوکا اور فرمایا کہ یہ لفظ تو اس طرح صحیح معلوم ہوتا ہے۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ نے حواشی ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ واقع حاشیہ سے آپ ہی کی بات کی تائید ہو رہی ہے۔" (۱۰۵)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے مثال اور قابل رشک حافظہ سے نوازا تھا۔ جو لفظ ایک بار سن لیتے تھے وہ ذہن میں پیوست ہو جاتا تھا۔ آپ کے قوت حافظہ کو دیکھ کر قرون اولی کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ آپ کو تفسیری مضامین، احادیث اور ہزار ہا عربی فارسی اور اردو اشعار از بر تھے۔ آپ نے اپنی اس خوبی کی بدولت درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا کام بخوبی انجام دیا ہے۔ مولانا طاہر رحیمی آپ کے بے نظیر حافظہ کے متعلق اس طرح رقمطراز ہیں:

"حضرت موصوف نے اپنے بے نظیر حافظہ اور نعمت عطیہ خداوندی سے قراان مجید اور اس کی قرأت سبعہ وعشرہ کی خدمت و اشاعت کا کام خوب ہی خوب لیا ہے۔ چنانچہ حضرت والا نے بچپن ہی میں حفظ قرآن میں ایسا کمال حاصل کر لیا تھا کہ اگر کوئی صاحب سوال کرتے مثلاً پورے قرآن مجید میں کتنے رکوعات ہیں، کل سورتیں کتنی ہیں۔ فلاں حرف قرآن مجید میں کتنی جگہ آیا ہے، فلاں متشابہ کتنی جگہ ہے؟ تو آپ فوراً جواب دیتے جس سے سائل دنگ و حیران رہ جاتا۔ اس طرح اگر کوئی صاحب آپ سے کسی سورت یا رکوع کو اس کے آخری طرف سے سننا چاہتے تو آپ اس طرح سنا دیتے کہ سب سے پہلے رکوع یا سورت کے آخری آیت پڑھتے پھر اس سے اوپر والی، اسی طرح رکوع و سورت کی شروع والی آیت تک پڑھتے اور پڑھنے میں لا والی اور بغیر لا والی تمام آیات کی ترتیب کا پورا پورا لحاظ رکھتے" (۱۰۶)

قاری صاحبؒ نہ صرف قوت حافظہ میں بے نظیر اور بے مثال تھے بلکہ تیزی حس میں بھی جواب نہ رکھتے تھے کوئی شخص ان سے ایک مرتبہ مل لیتا اور پھر دوبارہ کچھ عرصے کے بعد ملاقات کرتا تو قاری صاحبؒ نام سے مخاطب کو شناخت کر لیتے تھے اور اس کے معاملات و مسائل یاد دلاتے تھے۔ اس ضمن میں مفتی تقی عثمانی کہتے ہیں۔

"حضرت قاری صاحب قدس سرہ کے معتقدین، متوسلین، شاگردوں اور نیاز مندوں کی تعداد یقیناً ہزاروں میں ہوگی۔ اور نابینا ہونے کی وجہ سے ان میں سے کسی کو دیکھنا ممکن نہ تھا لیکن آواز ہی سے فوراً مخاطب کو پہچان لیتے تھے بلکہ جو شخص سالہا سال بھی حضرتؒ سے نہ ملا ہو وہ جب مدت دراز کے بعد ملتا تو اس وقت بھی اسے نہ صرف فوراً شناخت فرما لیتے بلکہ اس کے معاملات و مسائل بھی از خود یاد دلا دیتے تھے۔" (۱۰۷)

فاضل گرامیؒ عجز و انکساری کا پیکر تھے۔ فن قرأت میں امام کا درجہ رکھنے کے باوجود صلحاء کی صحبت و تعلق کو اپنے لیے باعث صد و افتخار سمجھتے تھے اور اپنی اصلاح کے لئے بزرگان واکابرین سے بیعت ہمیشہ

قائم رکھا۔ بزرگوں سے محبت وشیفتگی کے باعث مرتے دم تک اصلاحی تعلق قائم رہا۔ اس ضمن میں مفتی تقی عثمانی کہتے ہیں:

''طریقت میں حضرت قاری صاحبؒ حضرت مولانا مفتی حسن قدس سرہ سے بیعت کا تعلق قائم فرمایا تھا۔ آپ کی وفات کے بعد حضرت قاری صاحبؒ کے اپنے بیان کے مطابق حضرت والد صاحب سے اصلاحی تعلق قائم رکھا اور یہ حضرت کے اخلاص وتواضع اور فنائیت کا ثمرہ تھا کہ اتنے عظیم کمالات اور اتنی بڑی روحانی نسبتوں کے بعد بھی اپنے آپ کو اصلاحی تعلق سے مستغنی نہ سمجھا، اور وفات سے کچھ ہی عرصے قبل حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی قدس سرہ سے اصلاحی تعلق قائم فرمایا'' (۱۰۸)

قاری صاحب تقوی وطہارت، عبادت وریاضت کے عملی مجسمہ تھے۔ ذوق عبادت کا یہ حال تھا کہ اکثر وبیشتر روزے رکھتے اور باجماعت نماز ادا کرنے کا اہتمام فرماتے تھے۔ آپ پر یہ آیت پوری پوری صادق آتی ہے۔

واعبد ربک حتی یاتیک الیقین (۱۰۹) اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیے یہاں تک کہ موت آجائے۔ ذوق عبادت کے سلسلے میں مفتی تقی عثمانی کہتے ہیں:

''ذوق عبادت کا یہ عالم تھا کہ اکثر وبیشتر روزے رکھتے تھے، حد یہ ہے کہ ایک مرتبہ شدید گرمی کے موسم میں حج کا زمانہ آیا، عرفات کے میدان میں حضرت قاری صاحب سے ملاقات ہوئی تو وہ اس وقت بھی روزے سے تھے.... نابینا ہونے کے باوجود ہر نماز مسجد میں باجماعت ادا کرنے کا اہتمام اس دور میں ان سے زیادہ کسی میں نہیں دیکھا۔ شاید یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہو کہ سالہا سال سے ان کی کوئی جماعت قضا نہیں ہوئی تھی۔ (۱۱۰)

ازواج واولاد:

قاری صاحب کی تمام زندگی قرآن کریم میں رچی بسی ہوئی تھی۔ قرآن کریم کی بدولت اللہ تعالی نے آپ کو جہاں بہت سے انعامات سے نوازا ہوا تھا وہاں معذور ہونے کے باوجود آپ کے نکاح اول میں صالح ونیک خاتون (طیبہ) جن کا تعلق پٹھانوں سے تھا۔ آپ کی شریک حیات رہی اور ان کے بطن سے ایک فرزند نور محمد ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۵ء میں پیدا ہوا۔ جو ۲ رمضان ۱۳۶۱ھ میں آٹھ سال دو ماہ کی عمر پانے کے بعد انتقال کر گیا۔ بعد ازاں دونوں کے مابین تفریق وطلاق ہوگئی اور آپ کی زوجہ سابقہ طیبہ نے کسی اور سے نکاح کر لیا۔ پھر ۸ شوال ۱۳۷۴ھ کو اپنے مربی وشیخ حضرت مفتی محمد حسن امرتسری کے مشورے سے نکاح

ثانی ایک بیوہ آپا صدیقہ صاحبہ سے فرمایا۔ آپ کی زوجہ ثانی نے اخیر عمر تک آپ کی بے حد خدمت فرمائی۔ حالانکہ فالج کے باعث قوت گویائی نہیں رہی تھی اور طرح طرح کے امراض میں مبتلا ہو گئے تھے۔ حضرت قاری صاحبؒ اپنی زوجہ کو اس خدمت وتیمارداری کے باعث دعائیں دیتے اور ان سے خوب خوش ہوتے۔ (۱۱۱)

قاری صاحبؒ نے زندگی کا اخیر حصہ مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ میں گذارا۔ آپ نے ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ میں مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی اور ۱۴۰۷ھ تک تقریباً ۱۶ سولہ سال سے حرم شریف کے جوار ہی میں قیام پذیر رہے۔ اخیر عمر میں بھی تعلیم قرآن کریم اور اصلاح وتبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا اور آپ کے فیوض وبرکات سے سینکڑوں لوگ مستفیض ہوئے۔ (۱۱۲)

اللہ کے نیک ومخلص بندے اپنی زندگی کو اللہ کے لیے وقف کر دیتے ہیں اور انہیں کسی دم قرار نہیں آتا کہ وہ اپنے معمولات سے ہٹ کر کوئی کام انجام دیں جو خاص کر دنیاوی نام ونمود یا فخر وتکبر کا شاخسانہ قرار پائے بلکہ مستقل مزاجی اور انہماک کے ساتھ اللہ کے بندوں کی خدمت پر مامور رہ کر اپنی زندگی کو امر کر دیتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ بھی اپنے نیک بندوں کو ان کی حیات کے بعد بھی تصنیف وتالیف اور تلامذہ کی شکل میں زندہ وجاویداں رکھتا ہے۔ قرآنی علوم کا یہ روشن ستارہ، عبادت وریاضت کا مجسمہ اور سادگی وتواضع کا پیکر ۱۸ شعبان ۱۴۰۷ھ کو اپنے خالق حقیقی سے جاملا اور جنت البقیع کی مٹی نصیب ہوئی۔ (۱۱۳) آپ نے اپنے پیچھے جہاں ہزاروں تلامذہ چھوڑے ہیں وہاں بیش بہا تصنیفی سرمایہ بھی چھوڑا ہے جو تذکرہ اس باب اور اگلے باب میں مذکور ہے۔ بہرکیف تجوید وقرأت پر متعدد کتب اور رسائل تالیف فرمائے جن کی تعداد سترہ (۱۷) ہے۔ جو مجموعی طور پر تین ہزار تین سو چھتر ۳۳۷۶ صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں (۱۱۴)

حضرت قاری فتح محمدؒ چونکہ آنکھوں سے معذور تھے لہذا ایسی کاوش جس میں لکھنے پڑھنے کا احتمال ہو آپ کی معاونت ومدد کے لئے کچھ ایسے صاحبان ہوتے تھے جو تحقیقی وعلمی مضمون نویسی آپ کی رہنمائی میں ضبط تحریر میں لاتے تھے۔ ان معاونین کا آپ نے خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اور ان کی محنت وکاوش کو نہ صرف سراہا ہے بلکہ ان کے لئے دعائیہ کلمات بھی بیان کئے ہیں۔ جیسے شاطبیہ کی شرح تحریر کرنے میں قاری محمد اسماعیل پانی پتی سابق مدرس دینیات نور محمد ہائی اسکول کی معاونت اور محنت کو ان الفاظ میں فرماتے ہوئے کہتے ہیں:

''چونکہ اردو زبان میں اس کتاب کی کوئی شرح نہ تھی اس لئے اردو دان طبقہ اس کی لذتوں سے محروم تھا۔ الحمد للہ کہ مدتوں کی کوششوں کے بعد اس کی ایک شرح نہایت آسان اردو میں تیار ہوگئی ہے شائقین کے لئے مسرت کا موقع ہے اور

درحقیقت یہ میرے ایک دوست قاری محمد اسمعیل پانی پتی سابق مدرس دینیات نو رحمد ہائی اسکول حیدرآباد، سندھ کی انتھک محنت اور مستعدانہ ہمت کا نتیجہ ہے کیونکہ میں خود بوجہ آنکھوں سے معذور ہونے کچھ بھی نہیں کرسکتا تھا اس لئے ناظرین سے درخواست ہے کہ موصوف اور ان کی اہلیہ کی صحت اور دیگر جملہ مقاصد کے لئے دل سے دعا فرماتے رہیں تاکہ ان کی محنت کی پوری نہیں تو کسی درجہ میں تو قدردانی ہوجائے۔'' (۱۱۵)

تصنیفی خدمات:

(۱) عنایات رحمانی: جلد اول، دوم، سوم (قراءت)، ۱۷۶۲ صفحات (۱۱۶)

یہ قرأت سبعہ کے مشہور عقیدہ شاطبیہ حرز الامانی کی (جس کے کل ۱۱۷۳) اشعار ہیں اور جس میں علامہ شاطبی نے علامہ دانی کی تیسر فی السبعہ کے مضامین کو منظوم کیا ہے۔ یہ بڑے سائز کی تین ضخیم جلدوں میں کل ۱۷۲۶ صفحات پر مشتمل جامع ترین اور مفصل شرح ہے جس میں قرأت کے مضامین نہایت تفصیل سے درج ہیں اور قصیدہ کے حل کے سے متعلق بھی بے شمار علمی فوائد مندرج ہیں نیز الفاظ قرآن کی قرأت نحوی وصرفی توجیہہ بیان کی گئی ہیں۔

(۲) عمدۃ المبانی فی اصلاح عدۃ من ابیات حرز الامانی

یہ ایک مختصر رسالہ ہے جو درحقیقت عنایات رحمانی کا تکملہ ہے اس میں قصیدہ شاطبیہ کے ان اشعار کو جمع فرمایا ہے جن میں شارحین نے کسی قید کی کمی یا اجمال رہ جانے ے اعبارت میں اولویت پیدانہ ہونے کی اصلاح کی ہے اور اس تالیف میں علی قاریؒ کے لئے (ق)، ابوشامہ کے لئے (ش)، جعبری کے لئے (ج)، اصفہانی کے لئے (ص) اور فاصیؒ کے لئے (ف) استعمال کی گئی ہیں۔ نیز ہر بیان میں یہ بھی درج کیا گیا ہے کہ اس عنوان کے اتنے اشعار مثلاً چورانوے اشعار میں سے بیس شعر لئے گئے ہیں اور اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس عنوان کے بیس اشعار میں اصلاح کی گئی ہے اور پورے قصیدے میں اس قسم کے اشعار ۴۳۴ ہیں اور ۱۱۲۴ ایسے ہیں جو شارحین نے اضافے کے طور پر لکھے ہیں پس مجموعی تعداد ۴۵۷ ہے۔ یہ بیش بہا مجموعہ ہے جس کی نظیر اس سے پہلے موجود نہیں اور بے حد کاوش ومحنت سے یکجا کرکے مرتب کیا گیا ہے۔ (۱۱۷)

(۳) القراۃ المرضیہ فی شرح الدرۃ المضیہ، دارالعلوم نانک واڑہ م خوش نویس نذیر پرنٹنگ ورکس کراچی ۱۳۷۰ھ/۱۹۶۰ء ۲۵۱ صفحات۔ (۱۱۸)

فاضل گرامی قدر نے علامہ ابوالخیر محمد بن جزریؒ کے قصیدہ الدرہ المضیہ فی الثلاثہ بعد العشرہ کے کل ۱۲۴۱ اشعار کی شرح فرمائی ہے۔

(۴) ترجمہ الوجوہ المسفرہ فی القرآت الثلاثہ المتمۃ للعشرہ (۷۲ صفحات)

یہ علامہ شمس متولی محمد بن احمد (م ۱۳۱۳ھ) کی کتاب الوجوہ المسفرہ (نشر) کا اردو ترجمہ ہے جو سات کے بعد والی تین قراءتوں میں ہے اور جس میں مصنف علامہ موصوفؒ نے محقق ابن الجزریؒ کی ''درّہ'' کے اتباع میں ابوجعفر کی اصل نافع کو، یعقوب اور ابوعمرو کو امام خلف کی قرأت کی اصل، امام حمزہ کی قراۃ کو قرار دیا ہے۔ یہ اردو ترجمہ ''تنویر اردو ترجمہ تیسیر'' ہی کے ساتھ شامل کیا گیا ہے۔ (۱۱۹)

(۵) اردو ترجمہ مقدمہ جزریہ: (صفحات: ۴۸)

یہ کتاب علم تجوید وقرأت کے مشہور ومعروف محقق ابوالخیر شمس الدین محمد بن محمد الجزری صاحب نشر، کے ''مقدمہ جزریہ'' کا مختصر وسلیس اردو ترجمہ ہے۔ اس میں کل اشعار کی تعداد ایک سونو ۱۰۹ ہیں جس میں تجوید کے ضروری مسائل سے آگاہ کیا گیا ہے۔ (۱۲۰)

(۶) اسہل الموارد فی شرح عقلیۃ اتراب القصائد، لیتھو پریس کراچی، صفحات: ۱۸۴ (۱۲۱)

قرأت کے قبول اور معتبر ہونے کی تین شرائط ہیں، اول متصل اور صحیح سند کے ذریعے نبی ﷺ سے ثابت ہونا، دوم عثمانی مصاحف کی رسم کے موافق ہونا، سوم: صرف ونحو کی کسی ایک وجہ کے مطابق ہونا، چونکہ قرآن کا رسم الخط کا فن بھی جلیل القدر اور عظیم الشان ہے اس لئے اس میں بھی علماء نے بہت سی چھوٹی اور بڑی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں ان میں سے قصیدہ رائیہ بھی ہے جو علامہ شاطبیؒ کی تصنیف ہے۔ موصوف نے اشعار اور تشبیہات استعمال کرکے کتاب کو فصیح اور بلیغ بنادیا ہے۔ اس میں علامہ دانی کی مقنع کے مضامین کو نظم کیا ہے۔ جو کہ ۱۲۹۸ اشعار پر مشتمل ہے۔ چونکہ سب اشعار را پر ختم ہوتے ہیں اس لیے اس کو رائیہ کہتے ہیں۔ کتاب کا اصلی نام عقلیۃ تراب القصائد ہے۔ قاری ممدوح نے اس کی نہایت آسان الفاظ میں شرح فرمائی ہے جس سے قاری کو قرآنی رسم الخط کے علم اور اس کے فوائد کو جاننے میں مدد ومعاونت ملے گی۔

(۷) سراج الغایات فی عدد آیات (صفحات: ۱۰۰)

اس رسالے میں قرآن مجید کی آیتوں کے ساتوں شمار اور ان کے اختلافات نیز اختلافی رُوس آیات عدو ترک ہر دو کی توجیہات ونیز شبہ الفاصلہ (بالاجماع متروک العَد) اور شبہ الوسط (بالاجماع معدو دالآیہ) والے کلمات اس طرح آیات سے متعلق بعض ضروری امور پر پوری تحقیق کے بعد نہایت اختصار و جامعیت کے ساتھ بیان فرمائے ہیں اور آخر میں قرآن مجید کی اختلافی واجماعی آیات کا جامع خلاصہ بھی درج ہے۔ (۱۲۲)

(۸) کاشف العسر فی شرح ناظمۃ، سول اینڈ ملٹری پریس کراچی، ۱۳۹۱ھ، (صفحات ۴۱۰) (۱۲۳)

ناظمۃ الزہر علامہ ابوالقاسم ابن فیرہ شاطبی اندلسیؒ کا ایک قصیدہ ہے جو ۱۲۹۹ اشعار پر مشتمل ہے۔

اس میں موصوف نے اختلاف والی آیات بھی بتائی ہیں جن پر کسی امام نے آیت شمار کی ہیں اور کسی نے نہیں کی اور آیات کے سروں کے پہنچاننے کے قواعد بیان کئے ہیں۔ اس میں علامہ ابو عمرو دانیؒ کی البیان کے مضامین کو منظوم کیا ہے۔ فاضل شارحؒ نے انتہائی محنت وسعی کے ساتھ اس کی شرح فرمائی ہے تاکہ طالب و شائقین بھرپور استفادہ کریں۔ نیز شرح میں سلاست اور لطافت کا عمدہ طور پر خیال رکھا ہے تاکہ قاری کے لئے دلچسپی ودلفریبی قائم رہے۔ ایک نمونہ حسب ذیل ہے:

محمدن الهادی النزنوف واهله   وعترته سعب المكارم والبر

ترجمہ: (صلوۃ وسلام نازل ہوں) محمد ﷺ پر جو (راہ حق) ہدایت کرنے والے اور امت کو توحید کی راہ بتلانے والے اور مومنین پر بے انتہا مہربان میں اور آپ کی (پاک) بیویوں اور آپ کی (نزدیک والی اس) اولاد پر بھی جو عمدہ عادتوں اور بھلائی کی بدلیاں (اوران کے ابر) ہیں۔

شرح: یعنی جس طرح یہ بدلیاں بارش برسا کر بوٹیوں اور ویران زمین کو زندہ کرتی ہیں اس طرح جو حضرات نبی ﷺ سے قرابت کا تعلق رکھتے ہیں وہ بھی طرح طرح کی عمدہ عادتوں اور بھلائیوں کے ذریعے لوگوں کے دلوں اور روحوں کو زندگی بخشتے ہیں اور شعر کا دوسرا مصرعہ یا تو استعارہ تعریحہ کے قبیل سے ہے کیونکہ اس میں آپ کی عشرت اور اولاد کو بادلوں سے تشبیہ دی ہے اور تشبیہ کی وجہ نفع کا عموم اور اس کی کثرت ہے جو ابر اور عشرت دونوں میں مشترک ہے یا اشعار مکنیہ ہے کیونکہ اس میں اولاد کی عمدہ عادتوں اور ان کے احسانات کو بارش سے تشبیہ دی ہے اور مشبہ کو حذف کر کے مشبہ بہ کے لوازم کا اثبات کیا ہے۔ (۱۲۴)

قاری صاحب ممدوحؒ نے اس کی شرح میں اس قصیدہ کی عربی شرح لوامع البدر، معالم الیسر اور بشیر السر سے معاونت و رہنمائی لی ہے۔

(۹) فضائل واحکام رمضان: دار العلوم نانک واڑہ کراچی، ۱۳۸۶ھ، ایجوکیشنل پریس کراچی، ۸۰ صفحات (۱۲۵)

فاضل مؤلف نے یہ کتاب رمضان کے روزے، اعتکاف کے فضائل اور برکات کے متعلق تحریر کی ہے تاکہ مسلمانوں کے دل میں رمضان المبارک کی محبت اجاگر ہوں اور جو کوتاہیاں سرزد ہوتی ہیں ان سے پرہیز کریں۔ قاری ممدوحؒ نے جن مسائل پر کتاب میں روشنی ڈالی ہے ان میں تراویح کے بیان میں وقت کا تعین، رکعت کی تعداد، جماعت سے تراویح ادا کرنے، تراویح کی دعا، قرأت کی مقدار، دو تراویح کے درمیان ٹھہرنا، تراویح بیٹھ کر پڑھنا وغیرہ۔ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ اعتکاف کے مسائل، روزے کے مسائل جن میں مکروہات مستحبات اور جن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے کا ذکر تفصیلاً فصول میں تحریر کیا ہے۔ آخر میں شب قدر کے فضائل بیان کیئے ہیں۔ کتاب کا آغاز رمضان المبارک کی مبارکباد سے اس طرح ہوتا ہے:

خوشا وقتے وخرم روزگارے   کہ یارے برخورد از وصل یارے (۱۲۶)

(۱۰) شجرہ فتحیہ مشتمل بر سلاسل طیبہ اربعہ، ایجوکیشنل پریس کراچی، ۱۳۸۷ھ صفحات: ۹۶ (۱۲۷)

قاری صاحب ممدوحؒ نے یہ کتاب علم سلوک وتصوف کے سالکین کے لئے تحریر فرمایا ہے جو تین ابواب پر مشتمل ہے۔ اول: سلسلہ کے مسائخ کے حالات، دوم: ریاضت ومجاہدہ یعنی عمدہ عادتوں اور ان کو حاصل کرنے کا طریقہ اور سوم: سلسلے کے مشائخ کا منظوم شجرہ۔ کتاب کی غرض وغایت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''شیوخ کے تذکرے میں یہ اثر اس لیے ہے کہ یہ حضرات دنیا سے پوری طرح بیزار اور بے تعلق ہو کر دل وجان سے اور پورے خلوص کے ساتھ اپنے خالق ومالک کی طرف متوجہ ہو کر انہی کے ہو گئے تھے۔'' (۱۲۸)

آخر میں اہل چشت کا شجرہ اور تینوں سلاسل کے بزرگوں کے نام منظوم انداز میں تحریر ہیں۔

(۱۱) مفتاح الکمال شرح تحفت الاطفال، لیتھو پریس کراچی، (صفحات: ۱۰۲) (۱۲۹)

مذکورہ کتب چھوٹی تقطیع پر ۱۰۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ مذکورہ کتب علامہ سلیمان حمزوی کا قصیدہ ہے جو کل اکسٹھ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس میں موصوف نے تلاوت میں حسن پیدا کرنے اور جن کی ضرورت تلاوت کریم کرنے والوں پر آیت اور ہر سطر پر پیش آتی ہیں وہ پانچ ہیں۔ اول نون ساکن اور تنوین دوم: نون اور میم مشدد کا حکم، سوم: میم ساکن کے احکام، چہارم: ادغام کے قواعد اور پنجم: مد کے احکام اور اس کی قسمیں۔ فاضل شارحؒ نے طلباء کے فوائد گے لئے اس کی ایک مختصر شرح تحریر فرمانے کی از خود غرض وغایت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''آج کل عموماً دیکھا جاتا ہے کہ طلباء درسیات سے فارغ ہو جاتے ہیں لیکن بہت سوں کی استعداد اتنی بھی نہیں ہوتی کہ وہ قرآن پاک کے جملوں کی نحوی ترکیب ہی بتا سکیں اس لئے میرے ناقص خیال میں تدبیر آتی ہے کہ عربی کی طلباء میں سے جو حافظ میں ان کو تجوید اور قرأت کے چند قصیدے یاد کرا دیئے جائیں اور ترجمہ ایسا کرایا جائے جس سے ترکیب بھی نکال آئے۔'' (۱۳۰)

کتاب کے آخر میں تجوید کے وہ عیوب بیان کیئے ہیں جن سے پرہیز کرنا از حد ضروری ہے جیسے:

''ترعید: مدات اور حرکات میں آواز کا ہلانا مکروہ، تنفیش: حرکات کو پوری طرح ادا نہ کرنا (مکروہ)، تعجیل: اس قدر جلدی کرنا کہ حروف جدا جدا سمجھ میں نہ آئیں بلکہ گڈمڈ ہو جائیں (حرام) تطنین: ہر ایک حرف میں غنہ کرنا اور اس کو ناک میں پڑھنا۔ (حرام)، تہمیز: ہر ایک حرف میں ہمزہ کی آواز پیدا کرنا (حرام)۔'' (۱۳۱)

(۱۲) تسہیل القواعد: لیتھو پریس کراچی، (ص: ۲۴) (۱۳۲)

مذکورہ کتب چھوٹی تقطیع پر ۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ فاضل مئولف نے مذکورہ کتب میں ایسے آسان قاعدے جمع کردیئے ہیں جن سے طلباء کو غلط اور صحیح میں فرق کرنے کی لیاقت بہت جلد میسر آجائے اور قرآن پاک کو تجوید کے موافق پڑھنے میں آسانی ہوجائے۔

(۱۳) نورانی قاعدہ، گاباسنز اردو بازار کراچی، (ص: ۳۱) (۱۳۳)

مذکورہ قاعدہ چھوٹی تقطیع پر ۳۱ صفحات پر مشتمل ہے جس میں فاضل مئولفؒ نے بچوں کی تعلیم القرآن کے لئے بمعہ ضروری قواعد تجوید وقرأت تحریر فرمایا ہے۔ قاری صاحبؒ نے مذکورہ قاعدے میں اساتذہ کی رہنمائی ومعاونت کے لئے اور ذاتی رہنمائی کے لئے سولہ تختیاں درج کی ہیں جن میں ہدایات درج ہیں کہ ہر تختی کو کس طرح پڑھنا یا سکھانا ہے۔ آخر میں ضروری قواعد تجوید وقرأت تسہیل القواعد سے اخذ کرکے تحریر کئے ہیں۔ مذکورہ قاعدہ مدارس میں ابتدائی درجے کے طلبا کو پڑھایا جاتا ہے۔

(۱۴) اذکار فتحیہ: (۱۳۴)

اذکار فتحیہ میں اذکار درود اور مخصوص سورت وآیت کے فضائل اور برکات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مذکورہ اذکار و درود نہ صرف قاری صاحبؒ خود پڑھتے تھے بلکہ اپنے متوسلین اور عقیدت مندوں کو بھی بتلایا کرتے تھے۔

(۱۵) تعلیم السلام: غیر مطبوعہ

(۱۶) اختصار مضامین بیان القرآن: غیر مطبوعہ

(۱۷) وصیت نامہ فتحیہ: ادارہ کتب طاہریہ، مسجد باب الرحمۃ محلہ مفضل آباد ملتان، ۱۹۸۵ء

مذکورہ وصیت نامہ راقم کو سکھر میں قاری احمد دین پانی پتیؒ کے ذاتی کتب خانہ سے ملا جسے بعد ازاں پڑھا اور استفادہ کیا گیا۔ مذکورہ وصیت نامہ چھوٹی تقطیع پر ۲۲ صفحات اور چھ حصوں پر مشتمل و منقسم ہے۔ اور آخر میں مسنون وظائف مندرج ہیں جو ترتیب وتالیف کرتے وقت مولانا طاہر رحیمیؒ نے تحریر فرمائے ہیں۔ نیز مذکورہ رسالے کی ترتیب وتالیف میں متعدد اکابر و بزرگان دین کی وصایا سے مدد لی ہے۔ یہ مذکورہ رسالہ اگر کہا جائے کہ قاری صاحب ممدوح کی شاہراہ ہے جس پر آپ تمام عمر گامزن رہے نیز مرتے

وقت بھی اس پر عمل کرنے کی بھرپور کوشش فرمائی تو بے جا نہ ہوگا۔ اس ضمن میں خود فرماتے ہیں۔

''جب روح جسم سے پرواز کر جائے تو فوراً میت کا سر قبلہ کی جانب کردیں، لباس بدل ڈالیں، آنکھیں بند کردیں ٹھوڑی باندھ دیں اور تجہیز وتکفین اور غسل ودفن موافق سنت کے کریں۔'' (۱۳۵)

تلامذہ:

مولانا مفتی قاری عبدالشکور ترمذی:

آپ کی ولادت ۱۱ رجب ۱۳۴۱ھ موضع اڑون ریاست پٹیالہ میں ہوئی۔ آپ کا اصل وطن ضلع کرنال کی تحصیل کیتھل کا قصبہ گمتھلہ گڈھوتھا۔ والد گرامی کا نام مفتی عبدالکریم گمتھلوی ہے... سلطان محمد تغلق کے زمانے میں ترمذ سے جو سادات کا قافلہ ہندوستان میں آیا تھا اس میں آپ کے آباؤاجداد بھی شامل تھے۔ ابتدائی اور اعلیٰ علوم کی تکمیل کے بعد شیخ القراء قاری ابو محی الاسلام کی خدمت میں پانی پت حاضر ہوئے اور موصوفؒ کو بطریق جمع الجمع پورا قرآن پاک سبعہ میں سنایا اور سبعہ میں نقل بھی کیا، نیز شاطبیہ بھی دوبارہ سنائی اس کے بعد حضرت قاری فتح محمد صاحبؒ سے الدرۃ المضیہ قرأت ثلثہ میں پڑھی اور شاطبیہ کا بعض حصہ اور مقدمہ جزریہ پورا سنایا... یکم فروری ۱۹۴۸ء سے ساہیوال ضلع سرگودھا میں قیام ہے یہاں تعلیم اور وعظ و نصیحت کا کام کرتے رہے۔ قصبہ کی قدیم جامع مسجد میں مدرسہ قاسمیہ کے نام سے ایک دینی ادارہ قائم کیا۔ آپ نے تجوید وقرأت اور دیگر دینی کتب تحریر فرمائی جن کی تعداد ۴۳ ہے اور ان میں سے تقریباً ۳۰ طبع ہو چکی ہیں جو حسب ذیل ہیں:

''ہدایت الحیران، فضائل ومسائل رمضان، تقریر ترمذی، تحقیق الجمعہ فی القراء، اشرف البیان فی علوم القرآن، خلاصۃ الارشاد فی مسئلہ الاستمداد، فضائل جہاد، فتوی کی حقیقت اور اس کی شرعی حیثیت، العقیدہ المرضیہ فی الحیاۃ البرزخیہ، تزکیہ الصدور فی اثبات سماع الانبیاء فی القبور، مسئلہ عصمت انبیاء، رویت ہلال کمیٹی کی شرعی حیثیت وغیرہ۔'' (۱۳۶)

حضرت مولانا قاری محمد سلیمان صاحبؒ:

آپ قاری صاحب ممدوح کے چہیتے اور محبوب ترین شاگردوں میں سے ہیں۔ آپ شیخ سے بے حد عقیدت ومحبت رکھتے ہیں۔ کافی عرصے سے دہلی میں تکیہ والی مسجد محلہ فیاض گنج میں ایک مدرسہ تجوید القرآن نامی قائم کیا ہوا ہے۔ اس وقت ہندوستان میں آپ ہی کے ذریعے سے قاری صاحب ممدوح کا فیض پہنچ رہا ہے۔ آپ کے مدرسے میں سینکڑوں بچے زیر تعلیم ہیں اور سالانہ ۴۰ طلباء حفظ وضبط کی تکمیل کر تے ہیں اور دس سے بارہ طلباء قرأت سبعہ وعشرہ میں تکمیل کرتے ہیں۔ (۱۳۷)

جناب مولانا قاری ارشاد احمد صاحب، گنگیرو ضلع مظفر نگر انڈیا:

آپ مدرسہ تجوید القرآن قصبہ گنگیرو میں بحسن وخوبیِ خدمت قرآن کریم سرانجام دے رہے ہیں۔ حضرت اقدس کے قدیم شاگردوں میں سے ہیں۔ آپ کی بہت صحبت اٹھائی، بے تکلف بھی ہیں۔ حضرت والا کے ساتھ پانی پت میں بہت وعظ کیے ہیں۔ آپ صاحب ممدوحؒ سے بہت عقیدت ومحبت رکھتے ہیں اور تقسیم ہند سے قبل سے گنگیرو میں پڑھا رہے ہیں (۱۳۸)

قاری حافظ عبدالرحیم پانی پتی، چنیوٹ پاکستان:

آپ حضرت والا کے بہت جاں نثار سچے خدمت گزار شاگرد ہیں، قرآن مجید کے عاشق زاد اور اس کی اشاعت کے بڑے حریص تھے۔ تقسیم ملک سے قبل آپ کا مشغلہ کھیتی باڑی کا تھا لیکن اس وقت بھی قرآن مجید کے ساتھ ایسا عشق تھا کہ ہروقت تلاوت فرماتے رہتے ہیں۔ ہل چلاتے ہوئے رہٹ پر بیٹھے ہوئے ہر حالت میں قرآن مجید پڑھتے اور آپ کی زبان ہر وقت قرآن مجید سے تر رہتی تھی... آپ تقسیم ہند کے بعد پنڈ دادخان، شکار پور، بھیرہ، کوہ مری میں خدمت قرآن انجام دینے کے بعد ۱۳۷۰ھ میں قصاباں محلہ گرو شہر چنیوٹ میں مدرسہ ''اشرف العلوم'' کی بنیاد ڈالی اور جس نے قاری صاحب ممدوحؒ کے خلوص اور محنت کے باعث خوب ترقی کی اور سینکڑوں تلامذہ نے حفظ وضبط کی تکمیل کی۔ بعد ازاں اپنے شیخ کے حکم پر ۱۳۸۲ھ میں محلہ فتح آباد ریلوے میں مدرسہ ''فتح العلوم حفظ القرآن'' کی بنیاد ڈالی اور آخری وقت تک اس مدرسے میں تعلیم القرآن سے وابستہ رہے۔ آپ قاری صاحب ممدوحؒ کے عزیز شاگرد کے علاوہ بیعت و سلوک کا تعلق بھی رکھتے تھے اور قاری صاحب نے آپ کو بیعت کی اجازت وخلافت بھی عطا فرمادی تھی لیکن شیخ صاحب ادب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کسی کو بیعت نہیں کیا تھا۔ آپ یکم شوال ۱۳۹۱ھ کو خالق حقیقی سے جاملے۔ (۱۳۹)

جناب حافظ قاری عبدالحلیم چشتی عرف ''قرآنی کمپیوٹر''

آپ قاری صاحب ممدوحؒ کے محبوب اور عزیز ترین شاگردوں میں سے ہیں۔ آپ کو حفظ وضبط اور یادداشت وپختگی قرآن کریم کے باب میں انتہائی شغف ولگن اور وابستگی ہے۔ آپ غیر معمولی قوت حافظہ کی بناء پر اجزاء وحصص قرآن کے حفظ نمبرات واعداد وارقام کے لحاظ سے پوری دنیا اسلام کے منفرد ویکتا روزگار ہیں۔ آپ کو پارہ نمبر کے علاوہ سورہ نمبر، رکوع نمبر، آیت نمبر، رکوع کی کل آیت کا شمار نیز زیر نظر خاص چھاپہ کا صفحہ کا اول وآخر حرف ولفظ غرضیکہ سبھی چیزوں کی یادداشت پر خوب دسترس وعبور حاصل ہے۔ آپ ''حفظ القرآن'' کے نام سے ایک مدرسہ اسلم روڈ کراچی میں چلا رہے ہیں، نیز تصنیف وتالیف کا شغف ہونے کے باعث ''تشریح المتشابہات'' اور الدروس الحلیمیہ فی الالفاظ القرانیہ تالیف فرمائی۔ (۱۴۰)

چھٹا دور:

قاری عبدالرحیم بخش پانی پتی مع تلامذہ

یہ دور قاری عبدالرحیم بخش پانی پتی (۱۳۴۱ھ۔ ۱۴۰۲) و اولاد، تلامذہ پر مشتمل ہے۔ قیام پاکستان سے قبل پانی پت میں قرآن کی صدائیں بلند ہوتی تھیں تو پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد ملتان ثانی پانی پت کہلایا اور قاری رحیم بخش پانی پتیؒ کو اللہ تعالیٰ نے نہ صرف ملتان میں جمایا بلکہ تعلیم القرآن کا ایسا وسیع حلقہ آپ کی کاوشوں سے وجود میں آیا کہ پانی پت کی یادیں دوبارہ لوٹ آئیں۔ اس کے علاوہ آپ کی ذات اقدس نے اشاعت قرآن خصوصاً تجوید وقرأت کے کتب ورسائل بھی تحریر فرمائے تا کہ یہ فن ناپید ہو کر نہ رہ جائے بلکہ ہمیشہ زندگی وہ جاویداں رہے۔

قاری عبدالرحیم بخش پانی پتیؒ (۱۳۴۱ھ۔ ۱۴۰۲)

آپ کا اسم گرامی رحیم بخش، کنیت ابوعبداللہ، والد گرامی کا نام چوہدری فتح محمد ہے.... ابتداً آپ اپنے خاندان میں اپنی سفید رنگت وخوب صورتی کی وجہ سے مولوی بھورے کے عرف سے مشہور تھے۔ شیخ المشائخ امام القراء مولانا قاری ابومحی الاسلام عثمان پانی پتیؒ آپ کو بچپن میں ''چاند'' کے نام سے پکارتے تھے۔ قومیت کے لحاظ سے آپ آرائیں تھے۔ (۱۴۲) آپ پانی پت ضلع کرنال (ہندوستان) میں رجب ۱۳۴۱ھ میں پیدا ہوئے۔ ابھی آپ کی عمر ساڑھے تین سال تھی کی شفقت پدری سے محروم ہوگئے۔ والدہ محترم نے آپ کی تعلیم وتربیت پر بھرپور توجہ دی اور برادر کبیر قاری محمد اسماعیل پانی پتی نے بھی آپ کی پرورش پر مکمل توجہ دی جس سے دونوں کے مابین الفت ومحبت کا گہرا رشتہ ظاہر ہوتا ہے۔ (۱۴۳)

قاری صاحب ممدوحؒ نے آغاز تعلیم قاعدہ بغدادی سے ۱۳۴۶ھ میں بعمر چار سال حافظ محمد اسماعیل پانی پتیؒ سے کیا پھر کچھ پارے ناظرہ قرآن بعمر چھ برس ۱۳۴۷ھ میں حافظ نور محمد پانی پتی سے پڑھے۔ بعد ازاں حفظ قرآن ''مدرسہ اشرفیہ پانی پت'' میں قاری فتح محمد پانی پتی سے ۱۳۷۹ھ میں بعمر آٹھ سال شروع کیا اور بہت قلیل عرصے میں بعمر دس سال حفظ قرآن کی تکمیل کی۔ (۱۴۴) استاد اور شاگرد کا مقدس رشتہ مدرسہ اشرفیہ سے شروع ہوا تھا وہ قاری فتح صاحبؒ کی آخری زندگی تک جاری رہا۔ آپ اپنے ہونہار اور باادب شاگرد سے بڑی شفقت فرماتے تھے جیسا کہ آپ کے مکاتیب سے عیاں ہوتی ہے۔ خطوط میں آپ کو پیار ومحبت سے جگہ جگہ مخاطب فرماتے ہیں اور کہیں دعاؤں سے نوازتے ہیں۔ نیز تصنیف وتالیف اور پیش آمدہ مسائل کے بارے میں بھی آپ سے ہدایت وتاکید اور رہنمائی ومعاونت فرماتے ہیں مثلاً مکتوب نمبر ۴ میں آپ کے خاندان کے لئے ان الفاظ میں دعا گو ہیں:

روز وشب تقریباً ہر گھر قرآن کی تلاوت سے گونجتا تھا اور شبینوں میں اس کا لطف دوبالا ہو جاتا تھا، مگر وہاں سناٹا اور خوف کا عالم طاری ہو گیا اور دہشت نے اپنا پنجہ جمالیا۔ یہ یادگار لمحے شاید تاریخ کا حصہ بن کر خاموش ہو جاتے مگر اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی مقصود تھا اور اس سلسلے کو قائم و دائم رکھنا چاہتا تھا جو قرآن کی بدولت رونق پانی پت میں قائم تھی۔ اس لئے اللہ نے ملتان کو دوسرا پانی پت منتخب فرمایا اور قاری رحیم بخش پانی پتی جیسے عاشق قرآن اور جاں نثار شخص کو یہاں جما دیا۔ اس ضمن میں قاری طاہر رحیمی کہتے ہیں۔

''ذی القعد ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۲ء میں قیام پاکستان سے چار سال قبل بعمر اکیس سال آپ حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری کی دعوت وطلب پر بہ غرض تدریس قرآن مجید مسجد سراجاں حسین آگاہی ملتان میں تشریف لائے جب کہ حضرت قاری صاحبؒ ابھی سبزہ آغاز تھے۔ اس مسجد میں بنام مدرسہ محمدیہ تعلیم القرآن چھوٹا سا مدرسہ قائم تھا..... اس وقت یہاں کوئی شخص بھی قرآن مجید کی صحیح تعلیم حاصل کرنے والا نہیں تھا۔ حضرت قاری صاحبؒ نماز تہجد کے بعد رو رو کر دعائیں کرتے تھے کہ اے اللہ! اس مسجد کو قرآن پڑھنے والوں سے آباد کر دے۔ آپ کی ان نیک دعاؤں ہی کا اثر تھا کہ بہت جلد ہی ہزاروں کی تعداد میں قرآن کریم کی صحیح تعلیم حاصل کرنے والے پیدا ہو گئے حضرت خود فرمایا کرتے تھے کہ ملتانی بچوں کی زبان اور طریقہ ادا پانی پت والوں سے ملتا جلتا ہے۔ شاید اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے ملتان شہر کو منتخب فرمایا گویا پانی پت کی نسبت ملتان میں منتقل ہو گئی۔'' (۱۴۹)

قاری صاحب ممدوح میں بچپن سے خلوص اور فرائض منصبی کا جذبہ موجزن تھا اس جذبے کے تحت عملی زندگی میں قدم رکھا تو آغاز سے ہی بہتر اور حوصلہ افزا نتائج برآمد ہوئے جنہیں دیکھ کر بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ مستقبل میں یہ بچہ خاطر خواہ کارنامے انجام دے گا۔ قاری صاحب نے اول نکاح ۱۳۵۷ھ بعمر ۱۶ سال نکاح کیا۔ پھر ذی القعد ۱۳۶۵ھ میں بعمر ۲۴ برس پہلی اہلیہ انتقال پر دوسرا نکاح کیا۔ آپ ربیع الاول ۱۳۶۶ھ کو ملتان سے دوسری اہلیہ کو پانی پت پہنچانے گئے تو فسادات کے باعث وہیں قیام فرمایا اور مدرسہ فیض القرآن میں تدریس قرآن سے وابستہ ہو گئے۔ اس مدرسے میں چھ ماہ کام کیا اور شعبان ۱۳۲۹ھ میں سالانہ امتحان دلایا جو اپنے وقت کے امام قاری ابو محی الاسلام عثمانی نے لیا۔ (۱۵۰) امام القراء نے آپ کے جذبہ محنت، ایثار، محنت اور خلوص ولگن کو تعریف کے جن الفاظ میں سراہا اسے قاری طاہر رحیمی اس طرح بیان کرتے ہیں:

''کہ جب اللہ جل شانہ کام لینے پر آتے ہیں تو چھوٹے بچوں سے لے لیتے ہیں اس

''آپ کے نسبی اور روحانی دونوں طرح کے بچوں کے لئے دل سے دعا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ ان سب کو حافظ، عالم عارف بنا کر اپنے دین کے جان نثار خدام میں شامل فرمائے اور ان سب کو اور ہمیں قرآن و حدیث کے فدائیوں میں داخل فرمائے۔ (۱۴۵)

قاری صاحب ممدوح اپنے محترم استاذ کی شفقت محبت کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک جگہ خود اس طرح رقمطراز ہیں:

''مجھے اپنے بچپن کی بات خوب یاد ہے کہ جب میرے مطالعہ میں کوئی پڑھی ہوئی آیت آجاتی تھی تو مجھے بہت خوشی ہوا کرتی تھی اور وہ مجھے بالکل ہی آسان معلوم ہوا کرتا تھا اور حضرات استاذی مدظلہ العالی بھی بعض دفعہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ ارے اور پڑھ لے آج تو یہ آیتیں تیری پڑھی ہوئیں ہیں۔'' (۱۴۶)

دراصل ایسے خلوص ولگن اور محبت و ہمدردی والے اساتذہ ہی طلباء کی ترقی کا باعث ہوتے ہیں جو طلباء کی رہنمائی و معاونت فرماتے ہیں اور جن کی بدولت معاشرے میں ایسے افراد جنم لیتے ہیں جو ایک زمانہ کی امامت واقتداء کے فرائض نبھاتے ہیں اور دنیا و آخرت میں سرخرو ہوتے ہیں۔ چونکہ بچپن میں بچے کا ذہن ناپختہ ہوتا ہے اور نفسیاتی طور پر اس کو حوصلہ اور محبت کے ذریعے ہی تعلیم و تربیت سے آشنا کرنا چاہیے تا کہ دل جمعی اور لگن کے ساتھ موصوف تعلیم کے لئے کوشاں رہے۔ قاری صاحبؒ نے ان ہی اصول کو عملی زندگی میں اختیار کیا جس کے نتائج انتہائی حوصلہ افزاء رہے اور تقریباً ہر شاگرد باوجود رعب اور سختی کے یہ محسوس کرتا کہ قاری صاحبؒ اس سے بہت محبت کرتے ہیں۔ اس ضمن میں قاری طاہر رحیمیؒ فرماتے ہیں:

''آپ طلباء کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے اگر بوقت ضرورت سختی فرماتے تو بعد میں اتنا پیار بھی کرتے کہ طلباء پہلی سختی قطعی بھول جاتے تو گویا زخم پر مرہم رکھ دیتے۔ آپ طلباء کی راحت وآرام کا انتہائی خیال رکھتے۔'' (۱۴۷)

قاری صاحب ممدوح نے علوم شرعیہ کی تکمیل کی غرض سے ۸ ذوالقعد ۱۳۵۸ھ کو بعمر ۱۷ سال معروف دینی درسگاہ دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۶۲ھ کو بعمر اکیس سال دورہ حدیث سے فراغت حاصل کی۔ دوران تعلیم آپ نے مولانا حسین احمد مدنی (۱۳۷۷ھ)، مفتی ریاض الدین، مولانا قاری اصغر علی، حضرت مولانا عبدالسمیع، حضرت مولانا محمد ادریس، حضرت مولانا محمد اعزاز علی (م ۱۳۸۷ھ) حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی، حضرت مولانا فخر الحسن جیسے جید اور جلیل القدر اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ ہوئے۔ (۱۴۸)

قیام پاکستان کے انقلاب نے جہاں ہندوستان کی کئی بستیوں کو اجاڑا ان میں پانی پت بھی شامل ہے۔ جہاں حفظ وقراءت کا عام چرچا تھا اور قرآن کی صدائیں بلند ہوتی تھیں خصوصاً رمضان المبارک میں

بچہ نے چھ ماہ میں مدرسہ کی کایا پلٹ دی جو کام عرصہ دراز سے خراب چلا آرہا تھا وہ سب درست ہوگیا۔" (۱۵۱)

قاری صاحب ممدوح نے قیام پاکستان کے بعد ملتان کو مستقل مسکن بنالیا اور اپنی خدمات مدرسہ خیر المدارس میں صدر مدرس قرأت وتجوید اور مسجد سراجاں میں شوال ۱۳۹۷ھ بعمر چھبیس سال خدمات انجام دینے لگے۔ (۱۵۲) اور تاحیات اپنے فیوض وبرکات کو جاری وساری رکھا۔ جو وقت کی قدر کرتا ہے وقت اس کی قدر کرتا ہے کہ مصداق قاری صاحب ممدوح نجی زندگی میں اور تدریس کے دوران وقت کی سختی سے پابندی کرتے تھے اور شاگروں کو بھی اس کی تاکید کرتے تھے نیز تدریس کا ناغہ ہرگز نہ کرتے تھے حتیٰ کے بیماری اور دوسری نجی مصروفیات کے باوجود حتی الامکان فرائض منصبی کو ادا کرنے کی کوشش کرتے تھے اس کے علاوہ طلباء کی اخلاقی تربیت پر خصوصی توجہ دیتے تھے۔ اس ضمن میں قاری طاہر رحیمی رقمطراز ہیں:

"آپ کا ہمیشہ سے یہ معمول تھا کہ صبح کو مدرسے کے اوقات تعلیم سے نصف گھنٹہ قبل اپنی درس گاہ میں تشریف لایا کرتے تھے اور نماز عصر تک خیر المدارس میں پھر عشاء تک مسجد سراجاں حسین آگاہی میں تعلیم دیتے تھے۔ آپ نے اپنی زندگی میں کبھی بھی مدرسے کا ناغہ نہیں نہ کیا۔ حتیٰ کہ بیماری کے ایام میں بھی سلسلہ اسی طرح قائم رہا، حضرت مرحوم وقت کے بڑے قدردان تھے ہر کام اپنے وقت پر خوب باقاعدگی و پابندی کے ساتھ کرتے اور شاگردوں کو بھی اس کی ترغیب دیتے اور ان کی اخلاقی تربیت پر بھی ہمیشہ نظر رکھتے تھے۔ تہجد کے وقت شاگردوں کی کامیابی کے لئے نہایت تضرع وزاری کیساتھ خوب خوب دعائیں کرتے تھے۔" (۱۵۳)

عزم وہمت اور حوصلے اور استقامت کا پیکر قرآن سے خصوصی لگاؤ اور شغف، بے مثل اور بے نظیر جذبہ رکھتا تھا جس کے باعث ایک ہی دن میں کئی پارے تلاوت فرمالیتے تھے۔ اس ضمن میں آپ خود فرماتے ہیں:

"میں ۱۰-۱۱ سال کی عمر میں نماز فجر سے پہلے اٹھ کر اکیلا تاریک کوچوں سے گزرتا ہوا جامع مسجد پہنچتا۔ وضو کر کے مسجد کے وسط صحن میں بیٹھ کر صبح کی نماز سے پہلے آٹھ پارے پڑھ لیتا، درس نظامی کی تحصیل کے دور میں تقریباً نصف قرآن روزانہ کا معمول تھا۔" (۱۵۴)

قرآن سے محبت وعقیدت کا یہی جذبہ عملی زندگی نیز تادم اخیر قائم ودائم رہا۔ تدریس قرآن کے دوران اوقات کی پابندی اور باقاعدگی سے تدریسی فرائض انجام دینے کی انتہا کی حد تک سعی ومحنت فرماتے

تھے اس ضمن میں خود فرماتے تھے:

"قرآن پاک کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لی ہے اب جو شخص جس حد تک قرآن پاک کی حفاظت کے لیے کام آجائے گا گویا وہ اسی درجہ کا شاہی ملازم ہے۔" (۱۵۵)

قاری صاحب ممدوح نے اس جذبے سے سرشار ہو کر تدریس القرآن کے فرائض انجام دیئے۔ نیز فن تجوید وقرآن میں آپ کے رسائل وکتب ایک بیش بہا خزینہ ہے جس سے تجوید قراءت کے طلباء و شائقین مستفیض ہوتے رہیں گے جس کا ذکر آگے مذکورہ ہے۔ جس طرح قرآن ایک معجزہ ہے اس طرح خدام مقرآن بھی کسی معجزے سے کم نہیں ہیں اور جو قرآن کی تعلیم واشاعت پر مامور ہوجاتے ہیں یہ قرآن کا اعجاز ہے کہ قرآن انہیں بلند وارفع مقام تک پہنچا دیتا ہے۔ قاری صاحب ممدوح نے چالیس سالہ مدت میں سینکڑوں حفاظ کرام کو حفظ کرایا اور فن تجوید وقرأت کے طلباء کی تکمیل کرائی۔ قرآن سے سچی عقیدت ومحبت اور قوم کے بچوں کو اس علم وفن سے روشناس کرانے میں آپ کا جذبہ اور تڑپ شدت کے ساتھ موجود تھی جس کی نظیر اس سائنسی اور مادیت کے دور میں ملنا مشکل ہے۔ جس کا اظہار قاری طاہر رحیمی یوں کرتے ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ آج کے مشینی وسائنسی دور میں جس طرح مادیت کے لحاظ سے ہر شئے میں سرعت وتیز رفتاری کا مظاہرہ ہو رہا ہے ٹھیک اس طرح زمانہ کے بدلتے ہوئے حالات بے ذوقی علم، ناکافی دلچسپی وکم ہمتی کے پیش نظر علم قرأت کی تعلیم کا سلسلہ بھی مشین جیسی سرعت اور بجلی کی سی تیز رفتاری حضرت الشیخ کی نہایت امتیازی و انفرادی خصوصیت تھی قرآن پاک کی خدمت کرنے کا جذبہ قادر مطلق نے آپ کو عطا فرمایا تھا وہ شاذ ونادر ہی کسی کو نصیب ہوتا ہے بلا ریب وہ قرآن اور اس کی قرأت عشرہ کے مخلص وجان نثار اور انتہائی کامیاب خادم تھے۔" (۱۵۶)

فاضل گرامی قدرؒ کے یہاں تدریس کا اعلیٰ معیار تھا باوجود طلباء کی کثیر تعداد تکمیل بالتجوید حفظ وضبط قرآن اور قرأت عشرہ کی تکمیل کے لئے زانوئے تلمذ ہوتے تھے۔ قاری صاحب ممدوح قلیل مدت میں معیاری حفظ وضبط اور فن قرأت کے ماہرین کو اپنی شبانہ روز محنت وکاوش سے علوم کی تکمیل کراتے تھے۔ آپ کی ہر ممکن کوشش ہوتی تھی کہ دونوں شعبوں سے ایسے طالب علم فارغ التحصیل ہوں جو دین وممن خدمت کر سکیں۔ اس ضمن میں قاری طاہر رحیمی ممتحن کی حیثیت سے اپنے الفاظ میں قاری صاحب کی محنت وکاوش کا اظہار فرماتے ہوئے کہتے ہیں:

"فن قرأت ایک نہایت 'کثیر العقب اور کثیر [illegible]یاس فن ہے جس میں مختلف قرأت و

روایات اور طریق و مذاہب (۱۵۷) کے باہم گڈمڈ ہو جانے کا کافی اندیشہ ہوتا ہے لیکن ماشاء اللہ حضرت کے تعلیم یافتہ بچے ہر امتحان میں ہر قرأت و روایت کسی خلط التباس کے بغیر نہایت صاف اور از بر سناتے رہے ہیں جس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ گو یا بچوں کے ماہر الفن بنانے میں کوئی دقیقہ فرد گذاشت نہیں کیا حالانکہ حضرت الاستاذ کے متعلق درجہ حفظ و تجوید قرآن بھی ہوتا تھا جس میں بالتجوید حفظ وضبط قرآن کا معیاری کام ہوتا تھا۔'' (۱۵۸)

قاری صاحب ممدوحؒ نے اپنے اساتذہ اور اکابرین کی پیروی میں قرأت العشر کی اشاعت کا بھی مستقل اہتمام کیا تا کہ یہ علم وفن ناپید نہ ہو جائے۔ اور طلباء وشائقین اس سے بھی مستفید ہوتے رہیں۔ علمی و تحقیق مضامین کو قلمبند کرنے کے لئے یکسوئی اور سکون کا سامان ہونا ضروری ہے مگر تصنیف و تالیف کا نرالا اور انوکھا ڈھنگ اپنایا اور دیگر الفاظ میں یہ کہا جائے کہ یہ قرآن کریم کا اعجاز ہے کہ قاری صاحبؒ نے تدریس کے اوقات میں علمی و تحقیقی مضامین کو قلمبند کیا اور ایسا بے مثل خزینہ سپرد کیا جسے قرأت طلباء و مشائقین فیوض و برکات سمیٹتے رہیں گے۔ دوران تالیف کیا مجال کہ تعلیم کا کسی قسم کا خلل واقع ہو۔ اس ضمن میں آپ خود فرماتے ہیں:

''بھائی! مجھے تو مضامین کی آمد درس گاہ اور جلوت ہی میں ہوتی ہے اور یہاں بیٹھ کر ہی میرے لیے یہ تصنیفی کام ممکن ہے اس کے علاوہ مجھے مضامین ذہن میں آتے ہیں اور نہ ہی دوسرے وقت میں تصنیفی کام میرے بس کی بات ہے۔'' (۱۵۹)

قاری صاحب ممدوحؒ تقوی وطہارت کا پیکر اور عبادت و ریاضت کا نمونہ تھے خصوصاً رمضان المبارک میں مجسمہ عبادت بن جاتے تھے۔ زندگی کے معاملات میں سادگی اور بے تکلفی سے کام لیتے تھے نیز شرعی امر کا بدرجہ اتم خیال رکھتے تھے۔ تلاوت قرآن کریم اور خدمت قرآن کے جذبے سے سرشار تھے جس کا مظاہرہ زندگی کے جملہ امور میں بھی نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ اس ضمن میں قاری طاہر رحیمی کہتے ہیں:

''آپ کے زہد و اتقاء اور سادگی و دین پسندی کا ایک نہایت مہتمم بالشان اور بہت ہی نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ آپ نے اپنی تمام اولاد کے لیے زوجیت حیات جیسے اہم و نازک رشتے کے معاملے میں حسب ونسب اور جاہ و مال والے خاندانوں کے مقابلے میں اپنے تلامذہ ہی کے دین دار علماء، حفاظ، قراء، کے گھرانوں کو ترجیح دی اور تمام بچوں اور بچیوں کی تقاریب نکاح بے انتہا تکلفی اور روایتی و سادگی کے ساتھ منعقد فرمائیں۔'' (۱۶۰)

گو کہ قاری صاحبؒ ہر لمحہ خدمت قرآن یعنی ذکر الٰہی سے معمور رہتے تھے مگر پھر بھی قلب و باطن کی اصلاح کے لئے اپنا روحانی تعلق مختلف بزرگوں سے فرمایا۔ اولاً ۱۳۶۴ھ میں بعمر ۲۳ سال حضرت شیخ الاسلام مولانا محمد حسین احمد مدنی کی ملتان تشریف آوری پر بیعت طریقت فرمائی۔ پھر حضرت کے وصال کے بعد مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے بیعت ہوئے۔ پھر حضرت رائے پوری کی رحلت کے بعد غالباً ۱۳۸۹ میں بعمر ۴۸ برس شیخ الحدیث مولانا محمد ذکریا سے بیعت فرمائی حضرت والا نے ذی الحجہ ۱۳۹۸ھ بعمر ۵۷ سال مقام مدینہ آپ کو چاروں سلاسل میں مجاز بیعت فرمایا اور آپ ان کے خلیفہ مجاز ہوئے۔ اور اس سے قبل غالباً ۱۳۹۶ھ بعمر ۵۵ برس حضرت مولانا فتح محمد صاحب مدظلہ نے بھی آپ کو مجاز فرما دیا تھا۔ (۱۶۱)

اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو دو ایسے معجزے دیئے ہیں جو تا قیامت مسلمانوں کو راہ ہدایت دکھاتے رہیں گے۔ جن پر عمل پیرا ہو کر ہی دنیا و آخرت میں کامیابی و فلاح ممکن ہے ایک قرآن اور دوسرا صاحب قرآن یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس۔ آپ ﷺ کی ذات اقدس سے محبت و شیفتگی ایمان کا جزو ہے اور شاید ہی کوئی ایسا بدنصیب مسلمان ہوگا جس کا دل آپ ﷺ کی محبت و عقیدت سے سرشار اور لبریز نہ ہو، اور کیوں نہ ہو امت کے لئے ﷺ کی سعی و محنت، تعلیم و تربیت، دعائیں اور التجائیں کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔ انہی احسانات اور انعامات کے باعث امت اندھیروں سے اجالوں کی طرف نکلی اور ساری دنیا میں شرک و بداعت اور ظلمت و اندھیرے کا خاتمہ کر کے صرف اللہ کے حدود و قیود کو نافذ فرما دیا۔ درود و سلام اس بابرکت ذات اقدس پر جس نے بھٹکے ہوئے لوگوں کو راہ دکھائی، ظلم کی گھاٹیوں میں پسے ہوئے مظلوموں کو حوصلہ دیا اور دنیا و آخرت میں اللہ کے حکم کے مطابق زندگی گذارنے کا سلیقہ دیا، اگر سو دل و جان بھی اللہ تعالیٰ عطا فرمائے تو وہ بھی رسول اکرم ﷺ کے لئے قربان ہے۔ اس محبت و عشق میں صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے اپنی زندگیاں قربان کر دیں جس کا عملی نمونہ سیر رسول ﷺ میں جگہ جگہ اس طرح ملتا ہے:

''ایک سخت دل نے حضرت حبیبؓ کے جگر کو چھیدا اور پوچھا کہ اب تو تم بھی پسند کرتے ہو گے کہ محمد ﷺ پھنس جائیں اور میں چھوٹ جاؤں حبیبؓ نے نہایت جوش سے جواب دیا خدا جانتا ہے کہ میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ میری جان بچ جانے کے لئے نبی ﷺ کے پاؤں کو کانٹا بھی لگے۔'' (۱۶۲)

فنائی الرسول میں سرشار ایک غلام جو اپنے مالک کی اذیت اور ظلم برداشت کر کے بھی رسول اکرم ﷺ کی ذات اقدس پر قربان ہونے کو ترجیح دیتا ہے دراصل یہی محبت و عقیدت کا تقاضا اور ایمان کا

جزو ہے کہ جس پر ہر مسلمان مر مٹنے کے لیے تیار رہتا ہے۔ اکابرین اور بزرگان دین کا یہی شیوہ رہا ہے کہ انہوں نے سنت رسول ﷺ کو مضبوطی سے تھامے رکھا اور دین و دنیا میں کامیاب و کامران ہو گئے۔ اس لیے قرآن فرماتا ہے:

ومن یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ

جس نے اس رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ (۱۶۳)

اللہ سے سچی محبت کے دعویٰ کا تقاضا ہے کہ رسول ﷺ کا متبع ہو ورنہ محبت خالص نہیں ہے۔ اطاعت رسول دراصل اطاعت الٰہی ہے ایک اور مقام پر قرآن کہتا ہے۔

قل ان کنتم تحبونا للہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ ویغفر لکم ذنوبکم ط

اے محبوب فرمادو کہ لوگو! اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۱۶۴)

قاری صاحب ممدوح اطاعت رسول کا عملی نمونہ، محبت رسول میں غرق اور سچے عاشق رسول تھے۔ آپ کو بارگاہ رسالت ﷺ سے خصوصی تقرب تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ سے محبت و شیفتگی کے باعث آپ کو ایسی شفقتیں اور محبتیں ملیں جو آپ کی زندگی کا لازمی جزو بن گئیں۔ قاری صاحبؒ کو ۱۳۸۸ھ سے ۱۳۹۸ھ تک برابر ایک سال چھوڑ کر حج کی سعادت حاصل ہوتی رہی۔ پہلے حج کی ادائیگی ۱۳۷۵ھ بعمر ۳۳ سال میں ہوئی اور جو شفقت اور محبت رسالت مآب ﷺ سے ملیں اس کے بارے میں قاری طاہر رحیمی کہتے ہیں:

"مدینہ طیبہ سے رخصتی کے وقت حضرت موصوفؒ کو ایسا محسوس ہوا کہ گویا حضور اکرم ﷺ فرما رہے ہیں کہ تہجد پڑھنے لگو جو بحمدہ تعالیٰ آخر عمر تک اور تاحیات اس انہماک و دوام کے ساتھ جاری رہا۔ اسی قیام مدینہ طیبہ کے زمانہ میں ایک روز صلوٰۃ و سلام عرض کرتے ہوئے آپ کے دل میں یہ خیال آیا کہ جیسے حضور اکرم ﷺ یہاں خود سنتے ہیں۔ اس طرح اگر میں یہاں ایک قرآن مجید بہ نیت کر کے پڑھوں کہ حضور اکرم ﷺ میرے استاذ ہیں میں پڑھتا ہوں اور حضرت والا سنتے ہیں تو انشاء اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی تعلیم میں خوب برکتیں نازل ہوں۔" (۱۶۵)

مسلمان ایک بہترین امت ہیں جو خیر کی تعلیم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں۔ امر بالمعروف و نہی المنکر کی عظیم ذمہ داری ملت اسلامیہ پر عائد ہوتی ہے کیونکہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور یہی مسلمان کا ایمان ہے۔ اب اگر کوئی بدبخت جھوٹی نبوت کا دعو

ی کرتا ہے تو وہ قرآن کا انکار کرتا ہے۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللّٰہ وخاتم النبیین ط وکان اللّٰہ بکل شئی علیماہ

لوگو! محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ وہ خدا کے رسول اور خاتم النبیین میں اور اللہ ہر چیز سے بخوب واقف ہے۔ (۱۶۶)

قاری صاحب ممدوح سچے عاشق رسول اور تحریک محمدیہ کہ جاں نثار پروانے تھے۔ فتنہ قادیانیت کے خلاف آواز بلند کی اور ۱۳۷۳ھ میں بعمر ۳۰ سال سینٹرل جیل لاہور میں ۹ ماہ اسیر ہوئے۔ ایام اسیری میں بھی اشاعت قرآن اور تدریس قرآن کے کام کو جاری و ساری رکھا۔ (۱۶۷) گو کہ قاری صاحب عملاً سیاست میں نہ خود حصہ لیتے تھے اور نہ تلامذہ کو اس کی اجازت دیتے تھے لیکن ملک میں شریعت محمدیہ کے نفاذ کے خاطر جمعیت علمائے اسلام کے لئے نرم گوشہ رکھتے تھے اور جمعیت کی کامیابی کے لئے دعائیں بھی کرتے تھے۔ (۱۶۸)

قاری صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کی برکت کے باعث مال اولاد میں خوب برکت عطا فرمائی تھی۔ چناچہ آپ بغرض کسب حلال تجارت و کاروبار میں بھی حصہ لیتے تھے اور جس کاروبار میں بھی بذات خود رقم لگائی بفضلہ تعالیٰ اس میں آپ کو خوب منافع و برکات حاصل ہوئیں۔ اسی طرح پہلی زوجہ سے ایک صاحبزاہ اور ایک صاحب زادی متولد ہوئیں اور دوسری زوجہ سے چار صاحبزادے مولوی قاری عبداللہ، مولوی قاری عبید اللہ، مولوی قاری اہل اللہ، حافظ و قاری نصر اللہ اور چھ بیٹیاں متولد ہیں۔ (۱۶۹)

قاری صاحبؒ قرآن کریم سے اس حد تک شغف و محبت رکھتے تھے کہ ان کا اوڑھنا بچھونا قرآن کریم تھا، آپ کی رگ و پے میں قرآن کریم کی محبت سرایت کر گئی تھی جس کے باعث تمام عمر قرآن کی خدمت میں صرف کر دی اور تدریس القرآن اور اشاعت قرآن میں ہمہ تن مصروف رہتے۔ قاری صاحبؒ نے فن قرأت و تجوید پر تقریباً تیئس (۱۷۰) رسائل و کتب کا ذخیرہ اور ان گنت تلامذہ کا سرمایہ قارئین و طلباء کیلئے چھوڑا ہے جو پاکستان کے گوشے گوشے میں فن قرأت تجوید اور حفظ و ضبط کی خدمات انجام دے رہے ہیں تاکہ لوگ اس سے مستفیض ہوتے رہیں اور یہ فن ناپید نہ ہو جائے۔

علوم قرآن کا یہ ماہتاب اور خدمت قرآن و اشاعت کا یہ شیدائی جو ہمہ تن خدمت قرآن میں مصروف رہتا۔ بالآخر حسب معمول مسجد سراجاں حسین آگاہی ملتان میں تعلیم قرآن میں مصروف تھے کہ اچانک کان میں شدید درد و کرب محسوس ہوا اور ساتھ ہی بے ہوشی کی کیفیت طاری ہوگئی اور بالآخر ۱۲ ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۱ء بعمر اکسٹھ سال (۶۱) اس دنیا فانی سے رحلت فرما گئے۔ آپ کو جامعہ خیر المدارس میں حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ اور مولانا محمد علی صاحبؒ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ (۱۷۱)

تلامذہ:

آپ کے تلامذہ کی تعداد انگنت ہے جو ملک و بیرون ملک خدمت قرآن سے منسلک ہیں۔ ان میں قاری طاہر رحیمی مشہور و معروف شخصیت اور فن تجوید و قرأت کی کئی کتب کے مصنف ہیں اور آج کل مدینہ طیبہ میں رہائش پذیر ہیں نیز تفصیل کے لئے سوانح فتیحہ، ص: ۶۱۱/۶۱۲ پر ملاحظہ فرمائیں۔

تصنیفی خدمات:

"(۱) **آداب تلاوت مع طریقہ حفظ قرآن و قرأت:** ادارہ نشر و اشاعت مسجد سراجاں حسین آگاہی ملتان ۱۴۰۸ھ (۱۷۲)

مذکورہ کتب چھوٹی تقطیع پر ۱۲۰ صفحات پر مشتمل ہے جس میں فاضل مئولف نے تفصیلاً قرآن مجید کے فضائل، تلاوت قرآن کے اصول، قرآن حفظ کرانے کے طریقہ اور نورانی قاعدہ پڑھانے کے طریقے پر روشنی ڈالی ہے۔ کتاب کے آغاز سے قبل قاری یسین صاحب اور قاری عبیداللہ رحیمی کی تقریظات شامل ہیں اور بعد ازاں قاری ممدوح کی مختصر اُسوانح عمری مندرج ہے۔ مذکورہ کتب نہ صرف قرآن سے شغف و محبت رکھنے والے قارئین کے لئے ایک انمول تحفہ ہے بلکہ طلباء اور خصوصاً اساتذہ کے لئے رہنما و معاونت کا ساماں ہے۔ مذکورہ کتب میں جگہ جگہ قاری عبیداللہ رحمی نے حاشیہ تحریر کیا ہے جس میں مفید باتوں کی وضاحت کی گئی ہے۔

(۲) **تکمیل الاجر فی القرأت العشر:** ادارہ نشر و اشاعت اسلامیات، مسجد سراجاں حسین آگاہی ملتان، ۱۳۸۳ (۱۷۳)

مذکورہ کتب چھوٹی تقطیع پر ۲۸۵ صفحات پر مشتمل ہے جس میں دسوں قرأت کے اصول و فروش اختصار و جامعیت کے ساتھ بیان کئے گئے جیسا کہ سرورق پر تحریر ہے:

"اردو زبان میں یہ پہلی کتاب ہے جس میں دسوں قرأت کے اصول و فروش اختصار و جامعیت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں اور آخر میں ایک ضمیمہ بھی ہے جس میں جمع الجمع کے قواعد اور ایک پارہ میں بالاستعیاب ان کا اجراء کیا گیا ہے اور بعض دیگر مشکل آیات کی ترتیب بھی درج کی گئی ہے۔" (۱۷۴)

(۳) **متشابہات القرآن:** ادارہ نشر و اشاعت اسلامیات: جامع مسجد سراجاں حسین آگاہی ملتان، (۱۷۵)

مذکورہ کتب درمیانی تقطیع پر ۲۱۳ صفحات اور دو ابواب پر مشتمل ہے جس میں فاضل مئولف نے شابہات والی آیتوں کو یکجا کر کے مدون کر دیا ہے تا کہ حفاظ کرام ان آیتوں کو ذہن نشین کر لیں اور قرآن کو اس رح پڑھیں کہ جیسا کہ اس کا حق ہے اور متشابہات کے پیچ میں پھنسے بغیر آسانی سے اسے پڑھ سکیں کیونکہ عموماً

ایسا دیکھا گیا ہے کہ حفاظ کا زور اسی پر ہوتا ہے قرآن پاک بس یاد ہو جائے۔ چند حافظوں کو تو یہ بھی نہیں پتا کہ یہ آیت متشابہہ والی بھی ہے یا نہیں اور بے چارے پڑھتے وقت نامعلوم منزل مقصود کی طرف بھٹکتے رہتے ہیں۔ اور چونکہ حفاظ کو سامع کے بغیر تلاوت کرنے کا مرض ہو چلا ہے لہٰذا ایسی پریشانی لاحق ہوتی ہے جس کا تصور نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے قاری صاحب ممدوح نے قرآن پاک کی متشابہات کی آیات مذکورہ کتب میں جمع کر دی ہیں تا کہ ان کو یاد کر لینے سے حفظ میں سہولت ہو اور حافظ کو مذکورہ مسائل سے دوچار نہ ہونا پڑے۔ اس دباؤ میں فاضل مئولف اپنے بچپن کا واقعہ تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مجھے اپنے بچپن کی بات خوب یاد ہے کہ جب میرے مطالعہ میں کوئی پڑھی ہوئی آیت آجاتی تو مجھے بہت خوشی ہوا کرتی تھی اور وہ مجھے بالکل ہی آسان معلوم ہوا کرتا تھا اور حضرت استاذی مدظلہ العالی بھی بعض دفعہ فرمایا کرتے تھے کہ ارے پڑھ لے آج تو یہ آیتیں تیری پڑھی ہوئی ہیں۔" (۱۷۶)

فاضل گرامی قدرؒ نے مذکورہ کتب ۱۳۷۴ھ میں مختصراً تحریر فرمایا تھا۔ جو متشابہات القرآن باب اول کے عنوان سے ایک رسالہ "الصدیق" میں چھپ کر منظر عام پر آیا۔ اس کی اشاعت کے بعد ملک کے طول و عرض سے اس کی تحسین و تعریف کے ساتھ بہت شدت سے یہ تقاضے کیئے گئے کہ اس مفید سلسلے کی جلد تکمیل فرمائی۔ چنانچہ مئولف نے ۱۳۷۷ھ میں پورے قرآن مجید کے بالاستعیاب متشابہات تحریر فرمائے جس کو باب دوم سے موسوم کیا گیا ہے۔ (۱۷۷) اب تک مذکورہ کتب کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، جس میں احقر عبیداللہ رحیمیؒ نے قاری صاحبؒ کے مختصراً حالات زندگی اور قارئین کی سہولت کے لئے مضامین کی فہرست بھی لگا دی ہے نیز مفید حاشیہ اور ضمیمہ بھی شامل کیا ہے۔ ضمیمہ میں مشکل کلمات و مقامات اور پڑھنے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔

(۴) **العطایا الوھبیہ:** یعنی مقدمہ جزریہ کی اردو شرح، مدرسہ تعلیم القرآن مسجد سراجاں ملتان، ۱۳۸۰ (۱۷۸)

مذکورہ رسالہ شیخ القراء و محدث شمس الدین ابو الخیر محمد بن محمد جزری کے معروف رسالہ منظوم "مقدمہ" کی لاجواب شرح ہے جس میں فن تجوید کے ضروری مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

(۵) **الخط العثمانی فی الرسم القرآن:** ادارہ نشر و اشاعت اسلامیات درجہ قرأت، مسجد سراجاں حسین آگاہی ملتان (۱۷۹)

مذکورہ کتب میں خط اور رسم الخط کا فرق، علم رسم الخط کی تاریخ، مصاحف عثمانیہ کی تاریخ، قرآن کے اعراب، نقطے، خموس و اعشار، اجزاء و منازل، رسم الخط کے فروش و اصول اور آخر میں رسم الخط کے دوسرے خطوط سے علیحدہ اور جدا ہونے کی حکمتیں مندرج ہیں۔

(٦) ہدایات الرحیم فی آیت الکتب الحکیم، ادارہ نشر واشاعت درجہ قرأت، مسجد سراجاں ملتان (١٨٠)

مذکورہ کتب دو ابواب اور ٦٤ صفحات پر مشتمل ہے۔ اول باب میں فن کی تعریف، موضوع کی غرض و غایت، مبادی اور فوائد نیز آیات کے اعداد وشمار اور ان کے بارے میں چند متفرق باتیں کی گئی ہیں جبکہ دوسرے باب میں سورۃ کا مدنی اور مکی ہونا، آیات کے شمار اور اختلاف اور ان کے ذیل میں وہ مقامات جس میں قرأت کے اختلاف ہے پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مثلاً: ''الفاتحہ: یہ سورۃ اکثر کے قول پر مکی ہے اور مجاہد نے اس کو مدنی بھی کہا ہے اور اس کی آیات اجماعاً ۷ ہیں لیکن دو موقعوں میں اختلاف ہے۔ اول بسم اللہ الرحمن الرحیم اس کو کوفی اور مکی نے فاتحہ کی ایک آیت شمار کیا ہے۔ دوئم انعمت علیھم کو نہیں کیا جبکہ مدنی، شامی اور بصری نے ان کا عکس کہا ہے یعنی بسم اللہ کو آیت نہیں کہا اور انعمت علیھم کو گنا ہے۔ پس شمار سب کے یہاں وہی سات ہے۔'' (١٨١)

(٧) تنویر شرح تیسر:

سب سے پہلے آپ نے ١٣١٧ھ میں بعمر ٢٩ سال فن قرأت کے زبردست امام علامہ ابو عمرو دانی اندلسی (م ٤٤٤ھ) کی قرأت سبعہ کی مشہور مایہ ناز عربی کتاب التیسیر کی بے نظیر اردو شرح و ترجمہ ''تنویر'' کے نام سے لکھا جو نہایت محققانہ اور ہر اعتبار سے مکمل و جامع اور متبرک ہے۔ (١٨٢)

(٨) رسائل قرأت:

ان میں آپ نے قرأت عشرہ میں سے ہر ہر قراءت روایات کو علیحدہ علیحدہ مدون کر کے پورے قرآن میں بالترتیب از اول تا آخر قرآن کریم تمام اصول و فروش کا اجراء کیا ہے۔ یہ رسائل تعداد میں کل نو ہیں جو قرأت عشرہ کے شوقین طلباء کے لئے بیش بہا نعمت ہے۔ (١٨٣)

(٩) المہذبہ فی الوجوہ الطیبہ:

اس میں دس قراءتوں کی صرف وہ زائد وجوہ بیان کی گئی ہیں جو صرف طیبہ اور نشر میں ہیں نہ کہ شاطبیہ اور تیسر و درہ میں (١٨٤)

(١٠) غایۃ المہرہ فی الاربعہ بعد العشر

(١٣) حفاظ قرآن:

مذکورہ رسالے میں قرآن کریم ختم کرنے کا طریقہ، تراویح میں ختم کے طریق، ختم کے وقت دعا کا حکم، دعا کے فضائل، دعا کے آداب، دعا کے مقامات اور دعا کے ختم کے اوقات مندرج ہیں۔ یہ کل ١٦ صفحات پر مشتمل ہے جو المراۃ النیر کے آخر میں شامل ہے۔ راقم کو یہ نسخہ دار العلوم کورنگی میں ملا جس سے بعد ازاں استفادہ کیا گیا۔ (١٨٦)

متفرق قاریان

قاری حافظ خواجہ اخلاق حسین پانی پتیؒ

آپ کی ولادت پانی پت میں ١٢٧٢ھ/١٨٥٦ء میں ہوئی۔ والد کا نام خواجہ الطاف حسین حالی تھا۔ حفظ وقرأت کی تکمیل پانی پت میں کی، دہلی میں ملازمت اختیار کر لی تھی۔ آپ کی وفات ١٣٤٤ھ/١٩٢٤ میں ہوئی۔ (١٨٧)

قاری حافظ وحید بخش پانی پتیؒ

آپ پانی پت میں پیدا ہوئے لڑکپن ہی میں حفظ و تجوید وقراءت کی تحصیل کر لی بعد ازاں ایک عرصے تک درس و تدریس میں لگے رہے۔ آپ عبد الرحمن اعمیٰ کے شاگرد اور قاری محی الاسلام، قاری شیر محمد خان کے ہم عصر اور اچھے دوست تھے۔ آپ کی وفات ١٨ ربیع الثانی ١٣٤٥ کو ہوئی۔ (١٨٨)

قاری حافظ محمد مدنی پانی پتیؒ

آپ کی ولادت ١٣٢٨ھ پانی پت میں ہوئی۔ والد کا اسم گرامی قاری محی الاسلام پانی پتیؒ تھا۔ نو سال کی عمر میں حفظ کی تکمیل کی، بے حد ذہین و ذکی تھے۔ پہلے روایت حفص تجوید سیکھی اس کے بعد والد ہی سے سبعہ قرأت کی کتابیں پڑھیں۔ ابھی تکمیل نہ ہوئی تھی کہ ٹائیفائڈ سے علیل ہو کر ١٨ سال کی عمر میں ١٣٢٦ھ میں انتقال ہو گیا۔ (١٨٩)

قاری حافظ خواجہ سجاد حسین پانی پتیؒ:

آپ پانی پت میں پیدا ہوئے۔ حفظ وقرأت کی تکمیل لڑکپن ہی میں کر لی تھی۔ پھر علی گڑھ سے بی اے پاس کیا۔ سرکاری ملازمت میں رہے۔ آپ کی وفات ١٣٥٠ھ میں ہوئی (١٩٠)

قاری عبد الرحیم پانی پتیؒ:

آپ پانی پت میں پیدا ہوئے۔ تجوید وقرأت عبد السلام پانی پتی سے سیکھی، مدرسہ عربیہ گنبداں میں صدر المدرسین رہے۔ ایک عرصے تک تجوید وقرأت کا درس دے کر ١٣٦٥ھ میں وفات پائی۔ (١٩١)

قاری حافظ مشتاق احمد پانی پتیؒ:

آپ پانی پت میں ١٣٢٢ھ میں پیدا ہوئے۔ مولانا قاری حافظ عبد السلام عباسی سے قرآن کریم پڑھا۔ علم تجوید اور سبعہ قرأت بھی انہیں سے اخذ کیں۔ اٹھائیس سال تک مدرسہ رحمانیہ پانی پت میں جامع مسجد میں صدر و مدرس کے فرائض انجام دیئے۔ پاکستان بننے کے بعد لاہور میں اپنے مکان کے ایک حصے میں مدرسۃ القرآن جاری کیا جہاں بہت سے لوگوں نے آپ سے فیض اٹھایا، اس کے بعد وہ راولپنڈی موتی مسجد

میں کافی عرصے تک خدمت قرآن کی۔ بالآخر ۱۳۹۳ھ داعی اجل کو لبیک کہا۔(۱۹۲)

قاری حافظ حفیظ الدین پانی پتیؒ:

آپ پانی پت میں ۱۳۱۰ھ میں پیدا ہوئے۔ مدرسہ رحمانیہ میں قرآن حفظ کیا اور تجوید وقرأت اخذ کی، اس کے بعد اپنا ایک مستقل مدرسہ محلہ راجپوتاں میں حضرت شمس الدین ترک پانی پتی المعروف شاہ ولایت کے مزار کے قریب ایک مسجد واقع سرائے نواب روشن الدولہ میں قائم کیا اور اخیر عمر تک بلا معاوضہ خدمت قرآن کریم میں مشغول رہے(۱۹۳)

قاری بشیر احمد خان شروانی پانی پتیؒ:

آپ پانی پت میں ۱۳۲۰ھ میں پیدا ہوئے۔ پانی پت کے معزز زمیندار پٹھان خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ مدرسہ اشرفیہ میں اپنے چچازاد بھائی قاری شیر محمد خان صاحب کے پاس قرآن کریم پڑھا اور پھر ۱۳۴۷ھ میں اس مدرسے کے مہتمم ہو گئے اور ۲۵ برس تک نہایت محنت اور دیانت داری اور پر خلوص انداز میں خدمت قرآن سے منسلک رہے۔ پاکستان بننے کے بعد ایک مدرسۃ القرآن حافظ آباد گوجرانوالہ میں قائم کیا۔ تقریباً ۱۳۸۰ھ میں انتقال فرمایا۔(۱۹۴)

حافظ برکت اللہ معمار پانی پتیؒ:

آپ بڑے نامور حفاظ میں سے تھے قرآن کریم خوب پڑھتے تھے اور ایک رات میں پورا قرآن کریم ختم کر لیتے تھے۔ ایک ماہ میں بائیس ۲۲ پارے حفظ کیے اور آنے والے رمضان میں ایک رات کے شبینہ میں پورا قرآن مجید پڑھا دیا۔(۱۹۵)

حافظ گلو قصاب:

آپ مدرسہ مہتمم القرآن کھیتانوالہ بازار جھنگ کے بانی ہیں۔ سال کے مہینے اور مہینوں کے تیسوں دن ایک قرآن کریم روزانہ بلا ناغہ ختم کیا کرتے تھے۔ صبح سویرے اپنے بیل لے کر کھیت کی طرف جاتے اور گھر سے ہی قرآن پڑھنا شروع کرتے اور سارا دن کام کرتے ہوئے قرآن کریم کی تلاوت جاری رکھتے۔ آخر قرآن کریم ختم کر کے ہی کسی سے بات کرتے اس سے پہلے کسی سے بات نہ کرتے۔(۱۹۶)

قاری حافظ حکیم اللہ:

آپ کی ولادت سہپور ضلع بجنور میں ۱۳۳۲ھ میں ہوئی۔ والد کا اسم گرامی محمد مظہر اللہ ہے۔ قرأت کی تکمیل قاری حافظ محی الاسلام پانی پتی سے کی ایک مدرسہ موسومہ ''تجوید القرآن'' جسے مولانا لقاء اللہ عثمانی نے پیرالاولیاء کی درگاہ سے متصل قائم کیا وہاں آپ درس دیتے ہیں۔(۱۹۸)

قاری حافظ نبی احمد پانی پتیؒ:

آپ پانی پت میں پیدا ہوئے۔ آپ قاری حافظ فیاض احمد کے چھوٹے بھائی ہیں حفظ وقرأت کی تکمیل پانی پت میں کی، جامعہ طبیہ دہلی میں درس دیتے ہیں(۱۹۹)

قاری حافظ فیاض احمد پانی پتیؒ:

آپ پانی پت میں پیدا ہوئے۔ قاری عبدالسلام پانی پتی آپ کے پھوپھا تھے۔ حفظ وتجوید کی تکمیل پانی پت میں کی جامع ملیہ دہلی میں درس دیتے ہیں۔(۲۰۰)

قاری محمد اسماعیل پانی پتیؒ:

آپ ۱۳۰۹ء میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ متعدد قراء پانی پت سے قرآن کریم پڑھا۔ تمام عمر خدمت قرآن ہی میں گذار دی۔ علم تجوید میں ''عذار القرآن'' اور بچوں کے لئے قاعدہ ''مصباح القرآن'' تالیف کیا۔ تقسیم ہند کے بعد لاہور انارکلی ''پیسہ اخبار'' میں تعلیم قرآن کی خدمت پر فائز رہے(۲۰۱)

قاری حکیم محمد اسماعیل پانی پتیؒ:

آپ ۱۳۰۹ میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ پوری عمر خدمت قرآن میں صرف فرمائی۔ تقسیم ہند کے بعد پاکستان چلے آئے اور نور محمد ہائی اسکول حیدرآباد میں دینیات کے مدرس رہے۔ موصوف علم قرأت کے بڑے شائق اور متمنی تھے۔ آپ نے تعلیم القرآن کا آسان قاعدہ تالیف فرمایا۔(۲۰۲)

حافظ رحمت اللہ پانی پتیؒ:

آپ ایک زمانے تک آگرہ میں پڑھاتے رہے اور پھر تقسیم کے بعد سکھر (سندھ) میں مقیم رہے۔ آپ نیا یک پانی پتی قاعدہ تالیف فرمایا جس میں تجوید کے ۴۰ قاعدے بیان کئے گئے ہیں(۲۰۳)

صوفی عزیز الرحمن پانی پتیؒ:

آپ کی ولادت ۱۰ محرم الحرام ۱۳۴۱ھ میں پانی پت میں ہوئی۔ والد گرامی شادی خان ایک فوجی آدمی تھے۔ آپ ابھی ۷ سات برس کے تھے کہ سر سے سایہ عاطف اٹھ گیا اور آپ اپنے ماموں قاری فضل الرحمن کی کفالت میں آ گئے۔ ماموں نے آپ کی تعلیم وتربیت کی دیکھ بھال فرمائی۔ آپ جید قاری حافظ تھے۔ آپ نے قاری عبدالرحمن محدث پانی پتی اور قاری عبدالسلام پانی پتیؒ سے فن تجوید وقرأت کی تکمیل کی، آپ نے تمام عمر قرآن مجید کی تعلیم وترویج میں گذار دی اور ہزار ہا مسلم بچوں کو دولت بے بہا مال سے آراستہ کر کے اپنے لئے ذخیرہ آخرت بنالیا۔ آپ علمائے دیوبند سے گہری عقیدت ومحبت رکھتے تھے اور گاہے بہ گاہے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر فیوض وبرکات سے مستفیض ہوتے تھے۔ آپ شعر وسخن سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ آپ کا ایک دیوان ''دیوان عزیز'' کے نام سے منظر عام پر آ کر ادب کی دنیا میں نام کما چکا ہے۔ آپ ۶ ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ کو خالق حقیقی سے جا ملے۔ شیدی پور کے قبرستان میں آخری آرام گاہ ہے۔(۲۰۴)

حوالہ جات

۱ القرآن ۳:۱۰۳

۲ القرآن ۱:۲۳

۳ القرآن ۷۴:۲۴

۴ القرآن ۷۴:۲۵

۵ القرآن ۵۹:۲۱

۶ القرآن ۳:۱۱۰

۷ القرآن ۷۳:۴

۸ ''تحفہ نذریہ'' قاری عبدالرحمن محدث پانی پتی، مترجم: مولوی حکیم الدین، میر کتب خانہ کراچی، ص:۲۱

۹ ایضاً ص:۲۵/۲۴

۱۰ ''قاریان ہند'' بسم اللہ بیگ، جلد اول، میر کتب خانہ کراچی، ص:۲۳/۲۲

۱۱ ''صحیح البخاری'' محمد بن اسماعیل بخاری، جلد دوم، قدیمی کتب خانہ کراچی، ص:۷۵۲

۱۲ ''المعجم الکبیر'' للطبرانی جلد: دہم، المطبع الوطن العربی ریاض سعودی عرب، ص:۲۰۰

۱۳ ''کنز الاعمال'' جلد دوم، مؤسستہ الرسالہ بیروت، ص:۴۹

۱۴ ''قاریان ہند'' جلد اول' ص:۱۱

۱۵ القرآن ۹:۱۵

۱۶ ''شرح سبعہ قرأت'' قاری ابومحی الاسلام پانی پتی، جلد اول، ادارہ اسلامیات لاہور، ۱۳۴۷ھ، ص:۷۱

۱۷ ایضاً ص:۷۲

۱۸۔ شاذ قرأتوں سے عام طور پر حسب ذیل قراءتیں مراد لیں جاتی ہیں۔

۱۔ وہ قرأتیں جن کا موضوع (گڑھا ہوا) ثابت ہو چکا ہے مثلاً: ابوالفضل الخزائی کی قراءت۔

۲۔ وہ قرأتیں جن کی اسناد کمزور ہوں مثلاً: ابو اسامل کی قرأت۔

۳۔ بعض اوقات کسی صحابیؓ یا تابعی کی طرف سے ایک آدھ لفظ بطور تشریح بڑھا دیا جاتا ہے بعد کے لوگ غلطی سے اسے قرأت سمجھ لیتے تھے۔

۴۔ ایسی قرأتیں جو منسوخ ہو چکی ہیں لیکن راوی کو ان کے نسخ کا علم نہ ہو۔

۵۔ بعض اوقات بھول چوک کو بھی بعض سامعین قرأت سمجھ بیٹھتے تھے (علوم القرآن از تقی عثمانی، ص:۲۳۸/۲۳۹)

۱۹۔ شرح سبعہ قرأت، ج: اول، ص: ۷۳ تا ۷۶

۲۰۔ قرأت وہ علم ہے جس میں الفاظ ومسائل بیان کئے جائیں جو نزول کے اعتبار سے نبی کریم ﷺ سے کئی طرح سے آئیں ہیں۔ (عنایات رحمانی شرح شاطبیہ از قاری فتح محمد اعمیٰ، ص:۶)

۲۱۔ شرح سبعہ قرأت، ج: اول، ص:۷

۲۲۔ ۵۴:۳۹

۲۳۔ ''ریاض الصالحین'' الامام ابی زکریا شرف النووی، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ۱۹۸۹ء، ص:۳۲۷

۲۴۔ ''سوانح فتحیہ'' قاری طاہر رحیمی، ملتان، مسجد سراجاں حسین آگاہی، ۱۹۸۸ء، ص:۵۱

۲۵۔ قاریان کرام تین قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو صحت سے قرآن کی تلاوت کرتے اور نماز درست کرنے کے لئے کسی استاد سے تجوید سیکھ کر اپنا کام چلاتے ہیں۔ دوسرے قسم کے قاری وہ ہیں جو تجوید وقراءت کی تعلیم کسی مستند جاننے والے سے مشافیہ حاصل کرتے ہیں اور پھر اس کی اشاعت میں عمر کا کچھ حصہ صرف کرتے ہیں ان کو مقری کہتے ہیں۔ تیسری قسم کے قاری وہ ہوتے ہیں جو بڑی محنت وتحقیق سے یہ علم حاصل کرتے ہیں سنداً اور مشافیہ پڑھنے پر اتنا زور دیتے ہیں کہ متعدد اساتذہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کئی کئی بار سناتے ہیں جب خود کو اطمینان حاصل ہو جاتا ہے کہ کمال حاصل کر لیا تو پھر عمر کا بڑا حصہ پڑھنے پڑھانے، سیکھنے سکھانے پر وقت صرف کرتے ہیں اسے قا[illegible] شیخ [illegible]'' کہتے ہیں۔ (قاریان ہند، ج: اول، ص:۱۰۳)

۲۶۔ سوانح فتحیہ، ص:۵۴

۲۷۔ ایضاً ص:۵۵

۲۸۔ ایضاً ص:۵۷

۲۹۔ قاریان ہند، ج: اول، ص:۲۷۵

۳۰۔ ''پانی پت کے قاری'' ایم اے عثمانی، لاہور، علیم اینڈ سنز، ۱۹۸۸ء، ص:۱۵

۳۱۔ سوانح فتحیہ، ص:۵۹

۳۲۔ ایضاً ص:۵۹/۶۰

۳۳۔ ایضاً ص:۶۱

۳۴۔ ایضاً،ص:۶۳/۶۴

۳۵۔ ایضاً،ص:۶۳

۳۶۔ ایضاً،ص:۶۵

۳۷۔ ایضاً،ص:۶۶

۳۸۔ ایضاً،ص:۶۶

۳۹۔ ایضاً،ص:۶۶

۴۰۔ ایضاً،ص:۶۸

۴۱۔ ایضاً،ص:۶۱

۴۲۔ ایضاً،ص:۶۱/۶۲

۴۳۔ قاریان ہند،ج:اول،ص:۲۱۹

۴۴۔ سوانح فتحیہ،ص:۷۰

۴۵۔ ایضاً،ص:۷۰

۴۶۔ ایضاً،ص:۷۲

۴۷۔ ایضاً،ص:۷۲

۴۸۔ ایضاً،ص:۷۲

۴۹۔ ایضاً،ص:۷۴/۷۵

۵۰۔ قاریان ہند،ج:سوم،ص:۴۹

۵۱۔ سوانح فتحیہ،ص:۷۵/۷۶

۵۲۔ ایضاً،ص:۷۶

۵۳۔ ایضاً،ص:۷۷

۵۴۔ قاریان ہند،ج:اول،ص:۲۲۳

۵۵۔ سوانح فتحیہ،ص:۷۹

۵۶۔ اختلاف کی نسبت اگر پورے امام کی طرف ہوتو قراءت ہے اوراگر راوی کی طرف ہوتو روایت اور راوی کے شاگرد کی طرف ہوتو طریق ہے۔طرق وروایت کے الگ الگ پڑھنے کوافراد اور کئی روایتوں اور قرأتوں کے ایک قرأت کے اکھٹا پڑھنے کو جمع کہتے ہیں۔(عنایت رحمانی شرح شاطبیہ از قاری فتح محمد اعمیٰ،ج:اول،ص:۱۰)

۵۷۔ سوانح فتحیہ،ص:۸۰

۵۸۔ قاریانِ ہند،ج:دوم،ص:۳۰۶

۵۹۔ ایضاً،ص:۳۰۶

۶۰۔ ایضاً،ص:۳۰۷

۶۱۔ ایضاً،ص:۳۰۷

۶۲۔ ''سوانح فتحیہ'' قاری طاہر رحیمی،ص:۷۸

۶۳۔ ایضاً،ص:۸۱

۶۴۔ ایضاً،ص:۸۱

۶۵۔ ایضاً،ص:۸۲

۶۶۔ ایضاً،ص:۸۲

۶۷۔ ''پانی پت کے قاری'' ایم اے عثمانی،ص:۱

۶۸۔ ایضاً،ص:۶

۶۹۔ ''شرح سبعہ قرأت'' قاری محی الاسلام،ص:۶

۷۰۔ ایضاً،ص:۶

۷۱۔ ایضاً،ص:۱۹/۲۰

۷۲۔ ایضاً،ص:۶۱

۷۳۔ ''پانی پت کے قاری'' ایم اے عثمانی،ص:۳۲

۷۴۔ ایضاً،ص:۳۰/۳۱

۷۵۔ ایضاً،ص:۲۴

۷۶۔ ایضاً،ص:۳۸

۷۷۔ ایضاً،ص:۶۱

۷۸۔ ایضاً،ص:۶۱/۶۲

۷۹۔ ایضاً،ص:۲۲تا۲۴

۸۰۔ کال نمبر ۲۴۴۱۴۴ دارالعلوم کورنگی کراچی

۸۱۔ پانی پت کے قاری از ایم اے عثمانی،ص:۲۲

۸۲۔ ''رسالہ شجرہ سبعہ قرأت'' قاری محی الاسلام،مشمولہ:شرح سبعہ قرأت از قاری محی الاسلام،ج:اول،ادارہ اسلامیات،لاہور،۱۹۹۵ء،ص:۱۸

۸۳۔ ''پانی پت کے قاری''ایم اے عثمانی،ص:۲۲

۸۴۔ ''تذکرہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی''ڈاکٹر محمود الحسن عارف، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۵ء، ص:۵۰۲

۸۵۔

۸۶۔

۸۷۔ شرح سبعہ قرأت از قاری محی الاسلام، ج:اول،ص:۱۰۳ تا ۱۱۰

۸۸۔ ایضاً،ص:۷۸/۷۷

۸۹۔ ایضاً،ص:۶۶/۶۵

۹۰۔ سوانح فتحیہ از قاری طاہر رحیمی،ص:۱۶۸

۹۱۔ قاریان ہند از بسم اللہ بیگ، ج:دوم،ص:۳۳۱

۹۲۔ قاریان ہند از بسم اللہ بیگ، ج:سوم،ص:۸۲

۹۳۔ ایضاً،ص:۸۴

۹۴۔ قاریان ہند از بسم اللہ بیگ، ج:دوم،ص:۳۵۹

۹۵۔ ''تذکرۃ القراء'' ڈاکٹر حافظ فیوض الرحمن، ملتان، طیب اکیڈمی،ص:۶۹

۹۶۔ سوانح فتحیہ از قاری طاہر رحیمی،ص:۱۳۴/۱۳۵

۹۷۔ ایضاً،ص:۱۳۹/۱۴۵

۹۸۔ ایضاً،ص:۱۳۵

۹۹۔ ایضاً،ص:۱۴۰

۱۰۰۔ ''تحفہ حفاظ'' مرتبہ: قاری اسحاق، ملتان، ادارہ تالیفات اشرفیہ، اشاعت چہارم ۱۴۲۵ھ،ص:۲۴۲

۱۰۱۔ تذکرۃ القراء از حافظ فیوض الرحمن،ص:۶۹

۱۰۲۔ محولہ بالا،ص:۲۴۱

۱۰۳۔ سوانح فتحیہ از قاری طاہر رحیمی،ص:۱۴۹

۱۰۴۔ ایضاً،ص:۱۵۰

۱۰۵۔ ایضاً،ص:۱۶۳

۱۰۶۔ ایضاً،ص:۱۴۲

۱۰۷۔ ''نقوش رفتگاں'' مرتبہ: مفتی تقی عثمانی، کراچی، ادارہ المعارف، ۱۹۹۸ء،ص:۲۴۶/۲۴۵

۱۰۸۔ ایضاً،ص:۲۴۵

۱۰۹۔ ۹۹:۱۶

۱۱۰۔ ''نقوش رفتگاں'' مرتبہ: مفتی تقی عثمانی،ص:۲۴۵/۲۴۴

۱۱۱۔ سوانح فتحیہ از قاری طاہر رحیمی،ص:۱۳۸/۱۳۷

۱۱۲۔ ایضاً،ص:۱۴۱

۱۱۳۔ ''مولانا مفتی محمد حسن امرتسری اور ان کے مشاہیر تلامذہ وخلفاء'' حافظ اکبر شاہ، ملتان ادارہ تالیفات اشرفیہ، ۲۰۰۱ء،ص:۲۱۳

۱۱۴۔ سوانح فتحیہ از قاری طاہر رحیمی،ص:۲۴۰

۱۱۵۔ ''عنایت رحمانی شرح شاطبیہ'' شارح: قاری فتح محمد اعمیٰؒ، ج:اول، ملتان مسجد باب مغل رحمت، اشاعت دوم ۱۹۸۴ء،ص:۳

۱۱۶۔ فہرست ع، کال نمبر ۵۳۴۱، مدرسہ دینیات حیدر آباد

۱۱۷۔ سوانح فتحیہ از قاری طاہر رحیمی،ص:۲۴۳

۱۱۸۔ فہرست ق، کال نمبر ۲۳۵ء۲ دار العلوم کورنگی کراچی

۱۱۹۔ سوانح فتحیہ از قاری طاہر رحیمی،ص:۲۴۴

۱۲۰۔ ایضاً،ص:۲۴۴

۱۲۱۔ فہرست (ف ت ح) کال نمبر ۲۲۳، دار العلوم کورنگی کراچی

۱۲۲۔ سوانح فتحیہ از قاری طاہر رحیمی،ص:۲۴۵

۱۲۳۔ فہرست (ف ت ح) کال نمبر ۲۲۵ء۱۷، دار العلوم کورنگی کراچی

۱۲۴۔ ''کاشف العسر فی شرح فاطمۃ الزہر'' شارح: قاری فتح محمد اعمیٰ، سول اینڈ ملٹری پریس کراچی، ۱۳۹۱ھ،ص:۱۸۱

۱۲۵۔ فہرست (ف ت ح) کال نمبر ۲۵۲ء۵، دار العلوم کورنگی کراچی

۱۲۶۔ ''فضائل واحکام رمضان'' قاری فتح محمد اعمیٰ، ایجوکیشنل پریس کراچی، ۱۳۸۶ھ،ص:۴

۱۲۷۔ فہرست (ف ت ح) کال نمبر ۲۴۳ء۵۵، دار العلوم کورنگی کراچی

۱۲۸۔ ''شجرہ فتحیہ مشتمل بر سلاسل طیبہ اربع'' قاری فتح محمد اعمیٰ، ایجوکیشنل پریس کراچی، ۱۳۸۷ھ،ص:۲

۱۲۹۔ فہرست م، کال نمبر ۷۷، مدرسہ دینیات حیدر آباد

۱۳۰۔ ''مفتاح الکمال شرح تحفۃ الاطفال'' قاری فتح محمد اعمیٰ، لیتھو پریس کراچی،ص:۶/۵

۱۳۱۔ ایضاً،ص:۱۰۲

۱۳۲۔ فہرست ت، کال نمبر ۷۸، مدرسہ دینیات حیدر آباد

۱۳۳۔ فہرست ن، کال نمبر ۱۰۷۲، مدرسہ دینیات حیدر آباد

۱۳۴۔ ''اذکارفتحیہ''مشمولہ: سوانح فتحیہ از قاری طاہر رحیمی، مسجد سراجاں حسین آگاہی ملتان، ۱۹۸۸ء، ص: ۳۴۷ تا ۳۷۱

۱۳۵۔ ''وصیت نامہ فتحیہ'' قاری فتح محمد اعمیٰ، ادارہ کتب طاہریہ، مسجد باب مغل رحمت ملتان، باردوم ۱۹۸۵ء، ص: ۵

۱۳۶۔ سوانح فتحیہ از قاری طاہر رحیمی، ص: ۲۰۸ تا ۲۱۱

۱۳۷۔ ایضاً، ص: ۲۱۱

۱۳۸۔ سوانح فتحیہ از قاری طاہر رحیمی، ص: ۲۱۲

۱۳۹۔ ایضاً، ص: ۲۱۳

۱۴۰۔ ایضاً، ص: ۲۱۵

۱۴۱۔ ایضاً، ص: ۲۰۲

۱۴۲۔ ''دلکش نقش'' قاری طاہر رحیمی، جامعہ رحیمیہ مسجد باب الرحمہ مغل آباد ملتان، دوسرا ایڈیشن ۱۹۸۵ء، ص: ۱۱

۱۴۳۔ ایضاً، ص: ۱۱

۱۴۴۔ ایضاً، ص: ۱۳

۱۴۵۔ ایضاً، ص: ۲۷

۱۴۶۔ ایضاً، ص: ۱۳

۱۴۷۔ ایضاً، ص: ۴۹

۱۴۸۔ ایضاً، ص: ۱۳/۱۴

۱۴۹۔ ایضاً، ص: ۱۵/۱۶

۱۵۰۔ ایضاً، ص: ۱۶

۱۵۱۔ ایضاً، ص: ۱۶

۱۵۲۔ ایضاً، ص: ۱۷

۱۵۳۔ ایضاً، ص: ۱۷

۱۵۴۔ ''تحفہ حفاظ'' مرتبہ: حافظ اسحاق، ص: ۲۵۰

۱۵۵۔ دلکش نقش از قاری طاہر رحیمی، ص: ۷

۱۵۶۔ ایضاً، ص: ۵۳

۱۵۷۔ اختلاف کی نسبت اگر پورے امام کی طرف ہو تو قراءت ہے اور اگر راوی کی طرف ہو تو روایت اور راوی کے شاگرد کی طرف ہو تو طریق ہے۔ پس راوی کے شاگرد کو طریق کہتے ہیں۔ برابر ہے کہ یہ خود راوی کا شاگرد ہو یا اس کے شاگرد کا شاگرد غرض اس کے سلسلے میں داخل ہو جیسے: دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ پڑھنا ابن کثیر کی قرأت ہے اور قالون کی روایت ہے، نافع ور بوعدی کا طریق ہے ابن سیف سے جس کو انہوں نے ارزق سے ارزق نے ورش سے نقل کیا ہے۔ (عنایات رحمانی شرح شاطبی از قاری فتح محمد اعمیٰ، ج: اول، ص: ۱۰)

۱۵۸ ''دلکش نقش'' از قاری طاہر رحیمی، ص: ۵۱/۵۲

۱۵۹ ایضاً، ص: ۲۵

۱۶۰ ایضاً، ص: ۴۲

۱۶۱ ایضاً، ص: ۲۴

۱۶۲ ''رحمۃ للعالمین'' از قاضی سلیمان منصور پوری، جلد اول، دارالاشاعت کراچی، ۲۰۰۱ء، ص: ۱۰۴

۱۶۳ القرآن ۴: ۸۰

۱۶۴ القرآن ۳: ۳۱

۱۶۵ ''دلکش نقش'' قاری طاہر رحیمی، ص: ۱۰

۱۶۶ القرآن ۳۳: ۴۰

۱۶۷ ''دلکش نقش'' قاری طاہر رحیمی، ص: ۲۹

۱۶۸ ایضاً، ص: ۳۰

۱۶۹ ایضاً، ص: ۵۷/۵۸

۱۷۰ ایضاً، ص: ۲۵

۱۷۱ ایضاً، ص: ۵۹ تا ۶۱

۱۷۲ فہرست آ، کال نمبر ۲۸۵۳، مدرسہ دینیات حیدر آباد

۱۷۳ فہرست ت، کال نمبر ۲۶۶۳، مدرسہ دینیات حیدر آباد

۱۷۴ ''تکمیل الاجر فی قراات العشر'' قاری رحیم بخش پانی پتی، ادارہ نشرواشاعت مسجد سراجاں، حسین آگاہی ملتان، ۱۳۸۳ھ، ص: سرورق

۱۷۵ فہرست م، کال نمبر ۳۳۶۸، مدرسہ دینیات حیدر آباد

۱۷۶ ''متشابہات القرآن'' قاری رحیم بخش پانی پتی، حواشی واضافہ: قاری عبیداللہ رحیمی، ادارہ نشرواشاعت اسلامیات ملتان، ۱۹۹۹ء، ص: ۲۰۹

۱۷۷۔ ایضاً، ص: ۱

۱۷۸۔ فہرست ق، کال نمبر ۱۲۲۴، دارالعلوم کورنگی کراچی

۱۷۹۔ کال نمبر ۲۲۳، دارالعلوم کورنگی کراچی

۱۸۰۔ کال نمبر ۲۲۵، ۱۷، دارالعلوم کورنگی کراچی

۱۸۱۔ ''ہدایت الرحیم فی آیت الکتب الحکیم'' قاری رحیم بخش پانی پتی،حواشی: قاری طاہر رحیمی،ادارہ نشرواشاعت ملتان ۱۹۹۰ء،ص:۲۱

۱۸۲۔ متشابہات القرآن از قاری رحیم بخش،حاشیہ: قاری عبیداللہ رحیمی،ص:ڑ

۱۸۳۔ ایضاً،ص:ز

۱۸۴۔ ایضاً،ص:ژ

۱۸۵۔ فہرست،کال نمبر ۲۸۳۵،دارالعلوم کورنگی کراچی

۱۸۶۔ ''حفاظ قرآن'' قاری رحیم بخش پانی پتی،مشمولہ:''المراۃ النیرہ'' مترجم وشارح : قاری رحیم بخشؒ ادارہ نشرواشاعت حسین آگاہی ملتان،ص:۲۰۵

۱۸۷۔ قاریان ہند از بسم اللہ بیگ، ج:دوم،ص:۳۲۴

۱۸۸۔ ایضاً،ص:۳۲۵

۱۸۹۔ ایضاً،ص:۳۲۸

۱۹۰۔ قاریان ہند، ج:دوم،ص:۳۳۴

۱۹۱۔ ایضاً،ص:۳۴۸

۱۹۲۔ سوانح فتحیہ از قاری طاہر رحیمی،ص:۸۵

۱۹۳۔ ایضاً،ص:۸۴

۱۹۴۔ ایضاً،ص:۸۵

۱۹۵۔ ایضاً،ص:۸۶

۱۹۶۔ ایضاً،ص:۸۶

۱۹۷۔ قاریان ہند، ج:دوم،ص:۳۶۰

۱۹۸۔ قاریان ہند، ج:سوم،ص:۸۲

۱۹۹۔ ایضاً،ص:۸۵

۲۰۰۔ ایضاً،ص:۸۵

۲۰۱۔ سوانح فتحیہ از قاری طاہر رحیمی،ص:۸۵تا۹۲

۲۰۲۔ ایضاً،ص:۹۲

۲۰۳۔ ایضاً،ص:۹۲

۲۰۴۔ ''دہلی میں مدفون خزینے'' عطاالرحمن قاسمی،ص:۳۹۶

باب ــــ پنجم

پاکستان میں پانی پتی قراء وحفاظ کے مدارس

اسلام ایک سچا اور دائمی دین ہے اور یہی وہ دین ہے جو اللہ کے یہاں مقبول ہے۔ خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبروں نے اپنے اپنے دور میں اسی دین کی تبلیغ واشاعت میں اپنی زندگیاں صرف کیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ان الدین عنداللہ الاسلام

اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہی ہے۔ (۱)

اس دین سے ہٹ کر اپنی خواہشات کے مطابق جس نے راہ اختیار کی وہ کسی طور پر بھی قابل قبول نہیں ہوگی کیونکہ اللہ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے لوگوں کی رہنمائی کے لئے اسے پسند فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

و من یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ ج و ھو فی الآخرۃ من الخسرین o

اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو اختیار کرنا چاہے گا اس کا وہ دین ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور آخرت میں وہ ناکام ونامراد ہوگا۔ (۲)

تمام انبیاء کرام نے اسی دین پر چلنے کے لئے دعوت دی تھی اور اپنی اولاد کو بھی اسی دین پر چلنے کی وصیت فرمائی کیونکہ یہی دین مستند اور سچا تھا اور فلاح وکامرانی اسی میں مضمر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

و وصی بھا ابراھیم بنیہ و یعقوب ط یبنی ان اللہ اصطفی لکم الدین فلا تموتن الا و انتم مسلمون o

اور ابراہیم نے اپنی اولاد کو اسی دین پر چلنے کی ہدایت کی اور اسی کی وصیت یعقوبؑ نے اپنی اولاد کو کی اور کہا میرے بچو خدا نے تمہارے لئے اسی دین کو پسند فرمایا ہے تو مرتے دم تک مسلم ہی رہنا۔ (۳)

اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان عظیم فرمایا کہ وقتاً فوقتاً واضح ہدایات اور روشن دلیل کے ساتھ رسول

بھیجتا رہا جو لوگوں کو بھلائی کی دعوت دیتے تاکہ معاشرہ میں عدل وانصاف قائم رہے۔

لقد ارسلنا رسلنا بالبینٰت وانزلنا معھم الکتب والمیزان لیقوم الناس بالقسط ط

ہم نے اپنے رسولوں کو واضح ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان کو اتارا تاکہ سارے لوگ انصاف پر قائم رہیں۔(۴)

انسانی خواہشات اور حرص وہوا نے ان روشن آیات کے ساتھ نہ صرف تمسخر کیا بلکہ اپنی تمناؤں کے مطابق اس میں تحریف کر دیں اور اللہ کے ادیان کو بالکل بدل دیا جس کے باعث دنیا میں ظلم وزیادتی اور ناانصافی عروج پر پہنچ گئی۔ ان حالات میں غیرت الٰہی جوش میں آئی اور ایک ایسا دین نازل فرمایا جو تمام دینوں پر غالب آجائے اور جس کی تعلیمات میں نفع ہی نفع ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدٰی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ

وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو حقیقی ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس دین کو تمام ادیان پر غالب کر دے۔(۵)

اللہ نے اپنے وعدے کے مطابق خاتم النبین کے ذریعے نہ صرف دین اسلام کی تکمیل فرمادی بلکہ اپنی تمام نعمتیں مومنین پر تمام کر دیں اور اب رہتی دنیا تک کوئی شریعت نہیں آئے گی بلکہ اس کی تعلیمات آفاقی اور عالمگیر ہیں جن میں تمام دنیا کے لئے ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا o

آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے پسند کر لیا۔(۶)

جب اللہ تعالیٰ نے اس دین کو پسند فرمایا تو اس پر عمل پیرا ہونے والوں کو بہترین امت قرار دیا اور ان کے ذمہ یہ لازم کر دیا کہ وہ لوگوں کو برے کاموں سے روکیں اور بھلائی کی طرف دعوت دیتے رہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر o

تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں کے فائدے کے لئے بھیجی گئی ہو تم نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔(۷)

دعوت تبلیغ کی ذمہ داری نہ صرف انبیا کرامؑ نے حسن وخوبی سے انجام دی بلکہ ان کے پیروکاروں نے بھی اس مشن کی تکمیل کے لئے معاونت فرمائی تاکہ اس دین کی شمع سے تمام عالم کو منور کر دیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی

آپ فرمادیجئے میرا راستہ تو یہی ہے کہ میں پوری بصیرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہوں اور جو میری پیروی کرنے والے ہیں وہ بھی (اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں)(۸)

اکابرین امت نے ہر دور میں علم دین کو پھیلایا اور برصغیر میں علم دین کو جو عروج نصیب ہوا یہ دینی مدارس اور خانقاہوں کا ہی مرہون منت ہے۔ پاک وہند میں ایسے عظیم الشان مدارس کا قیام عمل میں آیا جنھوں نے دین کی شمع کو ہر سو پھیلایا اور لوگوں کو قال اللہ اور قال الرسول سے آراستہ کیا۔

عن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال خیر کم من تعلم القرآن وعلمہ (۹)

جن لوگوں نے قرآنی احکام کو زندگی میں ڈھالا انہوں کی نہ صرف زندگی بدل گئی بلکہ انہوں نے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزارہا لوگوں کی زندگیوں کو بدل ڈالا۔ دراصل قرآن حکمت وعلم کا ایسا سرچشمہ ہے جو زندگیوں میں انقلاب برپا کر دیتا ہے جسے یہ حکمت مل گئی اسے خیر کثیر دولت مل گئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ومن یوت الحکمہ فقد اوتیی خیرا کثیرا ط

اور جسے حکمت دی گئی پس اسے خیر کثیر عطا کی گئی۔(۱۰)

عن معاویۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول: سمعت النبی ﷺ یقول: من یرد اللہ بہ خیرا یفقہ فی الدین وانما انا قاسم واللہ یعطی (۱۱)

دین کی سمجھ بوجھ یعنی تدبر وتفکر کے ذریعے مومن اچھے اور برے، کھرے اور کھوٹے کی پہچان کر لیتا ہے اور اس کے دل میں اللہ کی عظمت اور برائی راسخ ہو جاتی ہے۔ خشیت الٰہی کی بدولت اس کا دل ودماغ کسی اور طرف مائل نہیں ہوتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

انما یخشی اللہ من عبادہ العلمٰٓؤا o

بے شک اللہ سے وہی لوگ ڈرتے ہیں جو ان کی عظمت کا علم رکھتے ہیں۔(۱۲)

دراصل یہ دینی مدارس دین کا قلعہ ہیں جنہوں نے علم کی شمع کو جلائے رکھ کر دین کو پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا ہے اور یہاں سے اکابرین اور سلف وصالحین کی ایسی جماعت تیار ہو کر میدان عمل میں آئی جس نے زندگی کے ہر شعبے حیات میں لوگوں کی رہبری اور رہنمائی فرمائی اور جو خود بھی خوف خدا سے متصف تھے اور لوگوں کو احکام الٰہی کی پابندی کی دعوت دیتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ولا تلبسوا الحق بالباطل وتکتموا الحق وانتم تعلمون

اور سچ میں جھوٹ کو نہ ملاؤ اور جان بوجھ کر حق کو یعنی شرعی احکام کو نہ چھپاؤ۔(۱۳)

شرعی احکام کی ترویج واشاعت ہو یا تجوید وقرآت کی تدریس ہو، دینی مدارس کا کردار کسی سے

ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ قیام پاکستان سے قبل بھی یہی دینی مدارس علم کی شمع کو منور کئے ہوئے تھے تو پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد بھی اسی آب وتاب سے قائم ودائم ہیں۔ پانی پت کے مدارس میں تجوید و قرأت کا زبردست چرچا تھا اور اس فن کے شائقین و متمنی دور دور سے آکر علم کی پیاس بجھاتے۔ اگرچہ حوادث انقلاب نے بستیاں اجاڑ دیں اور لٹے پٹے قافلے بے سروسامانی میں سرزمین پاکستان پہنچے مگر عزم واستقلال کے پیکروں نے سرزمین پاکستان کو اسی چرچے سے شاداب رکھا۔ اس ضمن میں قاری اسماعیل پانی پتی کہتے ہیں:

"۱۹۴۷ء کا انقلاب جس نے تمام ہندوستان کی وہ دھول اُڑائی کہ جس سے تاریخ سابقہ بھی شرمندہ تھی بالخصوص مشرقی پنجاب میں شہر پانی پت کو کہ جو اولیائے کرام اور بزرگان عظام کا قدیم گہوارہ اور تعلیم القرآن کا زبردست مرکز بنا ہوا تھا اور فن تجوید قراآت سبعہ میں ہندوستان اور بیرون ہندوستان میں ایک خاص امتیازی حیثیت رکھتا تھا تاراج کیا، مسلمانوں کو قتل کیا اور باقی کو بے خانماں اور پارہ پارہ کر کے بے سروسامانی کے ساتھ مختلف امصار ودیار میں پھینک دیا جس سے علماء، صلحاء، حفاظ القراء اور مقریان کرام کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔ بحمد للہ اس پر بھی جمہور حفاظ و قرآئے پانی پت کا عزم واستقلال خدمت قرآنی کے لئے بدستور قائم رہا اور سرزمین پاکستان میں آکر منشائے الٰہی کے مطابق اپنی اپنی قیام گاہوں پر پہنچ کر خدمت قرآن کو شروع کر دیا"۔ (۱۴)

گو کہ سرزمین پاکستان میں حفاظ وقرآئے پانی پت کا فیض تا حال جاری وساری ہے اور پاکستان کے تقریباً تمام قصبات، دیہات اور شہروں میں خدمت قرآن میں مصروف عمل ہیں۔ راقم نے ان حفاظ و قرآء کی خدمت قرآنی کا جائزہ لینے کے لئے ۲۰۰۷ کو فیصل آباد، جھنگ، چنیوٹ، سرگودھا، سلانوالی، ساہیوال اور ملتان کا تحقیقی دورہ کیا تاکہ ان کا تعارف اور خدمات عوام کے سامنے آسکیں کہ کس عزم واستقلال اور حوصلے وہمت اور تعلیم القرآن کے جذبے سے سرشار ہو کر دین کی خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔ سرزمین پاکستان میں خصوصاً قاری فتح محمد پانی پتیؒ اور قاری رحیم بخش پانی پتیؒ کا فیض تلامذہ اور متوسلین کے ذریعے جاری وساری ہے نیز دیگر پانی پتی اکابرین کے فیوض سے بھی لوگ مستفیض ہو رہے ہیں اسی لئے ان علاقوں کو خصوصی طور پر منتخب کیا گیا ہے۔

تحقیقی دورہ کے دوران خصوصی طور پر جو صفات سامنے آئیں ان میں امانت ودیانت، نظم ضبط، سادگی وقناعت اور خلوص ومحبت استاد وشاگرد کا مقدس رشتہ جو اس دور میں خال خال نظر آتا ہے سے متصف ہیں نیز یہ ادارے امن اومان کا گہوارہ اور دین کی اشاعت وترویج کا منبع ہیں۔ معاشرے کا پس ماندہ طبقہ جو مالی استطاعت نہ ہونے کے باوجود جو تعلیم کے زیور سے آراستہ ہونا چاہتا ہے یہ مدارس نہ صرف انہیں محبت وشفقت فراہم کرتے ہیں بلکہ انہیں تعلیم قرآن سے بھی مستفید کر رہے ہیں۔ دنیا کی یہ واحد غیر سرکاری انجمن ہے جو تعلیم کے ساتھ طعام وقیام کی سہولت بغیر معاوضے کے معاشرہ کے تمام طبقات کو مہیا کر رہی ہے۔ امانت ودیانت کا ایسا فقید المثال نمونہ پیش کر رہے ہیں جس کی نظیر کہیں نظر نہیں آتی۔ مسلمانوں کے صدقات، خیرات، فطرہ اور زکواۃ کو نہایت مناسب انداز اور دیانت داری سے مسلمان بچوں پر خرچ کر رہے ہیں اور تمام نظام کسی قسم کی خیانت سے پاک وصاف ہے۔ صاحب حیثیت مسلمانوں نے انہیں جو امین کا درجہ دیا ہے اس پر یہ حضرات مکمل طور پر پورے اتر رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ یہ مدارس کامیابی سے روز بروز ترقی کر رہے ہیں۔ اداروں کی زبوں حالی میں امانت ودیانت ایک اہم وصف ہے اور یہ صفت اللہ کے خوف اور ڈر سے پیدا ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم

سب انسانوں میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو اللہ کی تعظیم میں سب سے بڑھا ہوا ہے۔ (۱۵)

نیکی اور بھلائی کے متمنی وہی لوگ ہوتے ہیں جو نیکیوں میں سبقت لے جانے والے ہیں اور جو ہر حال میں اللہ سے ڈرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ان الذین هم من خشیة ربهم مشفقون ٥والذین هم بآیات ربهم یومنون ٥والذین هم بربهم لایشرکون ٥ والذین یؤتون ماأتوو قلوبهم وجلة انهم الی ربهم راجعون ٥اولئک یسارعون فی الخیرات وهم لهاسابقون٥

جو لوگ اپنے رب کی تعظیم کی نگہداشت ڈرتے ہوئے رکھتے ہیں جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو برابر کا نہیں بتاتے وہ اللہ کے دیئے ہوئے مال سے لوگوں کو دیتے ہیں اور اس بات کی دہشت رکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے رب کی طرف جانا ہے۔ یہ ہیں وہ لوگ جو نیکیوں کو طرف جلد از جلد جانے والے ہیں اور یہی ہیں جو نیکیوں کو حاصل کر لیں گے۔ (۱۶)

جب انسان کے دل میں اللہ کی عظمت اور بڑائی بیٹھ جاتی ہے تو دل نیکیوں سے محبت کرنے والا اور احکام الٰہی کی بجا آوری میں کوئی کوتاہی نہیں کرتا اور اسلام کی اخلاقی تعلیم کو علماً اور عملاً ہر دو طریق سے عمل کر کے دکھاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ان اللہ یأمر کم ان تؤدو االامانات الی أهلها٥

اللہ کا حکم تمہارے لئے یہ ہے کہ جس کی امانت ہو اسی کو ادا کرو۔ (۱۷)

انتظامی فراست کا یہ جذبہ صرف اور صرف پرہیزگاری کی بدولت نصیب ہوا حالانکہ انہوں نے انتظامی صلاحیت کسی پیشہ ورانہ تعلیمی اداروں سے حاصل نہیں کی اور نہ ہی سیمینار اور کانفرنس سے مستفیض ہوئے ہیں۔ پھر بھی نہایت مہارت اور کامیابی سے اداروں کو چلا رہے ہیں۔

کسی قوم کے عروج و زوال میں نظم وضبط ایک اہم عنصر ہے۔ نظم وضبط سے نا آشنا قومیں منتشر اور پراگندہ ہوتی ہیں۔ ان مدارس میں نظم وضبط کا اعلیٰ معیار قائم ہے جہاں اوقات کی پابندی کے ساتھ ساتھ چھوٹے بڑے کی تعظیم اور خیر خواہی نمایاں طور پر نظر آتی ہے یہی وجہ ہے کہ مدارس امن وسکون کا گہوارہ ہیں۔

عن مکحول رحمہ اللہ تعالیٰ قال رسول اللہ ﷺ المومنون ھینون لینون کالجمل الانف ان قید انقاد و ان انیخ علی صخرۃ استناخ۔ (۱۸)

استاد اور شاگرد کا ایسا مقدس رشتہ ہے جو فی زمانہ تعلیمی اداروں اور جامعات میں خال خال نظر آتا ہے مگر یہ تقدس اب بھی مدارس میں برقرار اور قائم ہے جس کی بنیادی وجہ وہ اخلاقی تعلیمات ہیں جو دین اسلام اپنے پیروکاروں کو دیتا ہے۔ اسلام نے اساتذہ کے حقوق مسلمانوں کے ذمہ واضح طور پر رکھے ہیں کیونکہ تعلیم وتربیت کا ایک اہم فریضہ استاد ہی انجام دیتا ہے اور جو اسے جینے کا شعور عطا کرتا ہے اور آگے بڑھنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قل ھل یستوی الذین یعلمون و الذین لایعلمون ٥

آپ فرمادیجئے کہ علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں۔ (۱۹)

اور ایک جگہ علم وایمان کو معیار شرافت اور درجات بلندی کا سبب بتلایا ہے۔

یرفع اللہ الذین آمنو امنکم و الذین اوتو العلم درجات

خدا تعالیٰ مومنوں کے اور ان لوگوں کے جنہیں علم سے بہرہ مند کیا گیا ہے درجے اور مرتبے بلند کرتا ہے۔ (۲۰)

عالم کی شان وعزت اور تعظیم واکرام کے متعلق فرمان رسول اکرم ﷺ ہے۔

عن عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال: لیس منی امتی من لم یجل کبیرنا ویرحم صغیرنا ویعرف لعالمنا حقہ۔ (۲۱)

عالم ستارے کی مانند ہوتا ہے جس طرح رات کے اندھیرے میں خشکی وتری پر ستاروں کی روشنی سے مدد لی جاتی ہے اسی طرح اگر ستارے بے نور ہو جائیں یا دنیا سے اٹھ جائیں تو دنیا بے نور ہو جاتی ہے اور

ایک عالم کی موت ایک عالم کی موت ہے، نیز ایک عالم سو عابدوں پر بھاری ہے کیونکہ شیطان سو عابدوں کو تو دھوکہ دے سکتا ہے مگر ایک دین کی سمجھ رکھنے والے عالم کو دھوکہ دینا مشکل ہے۔ فرمان رسول اللہ ﷺ ہے۔

عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: وموت العالم مصیبۃ لاتجبر وثلمۃ لاتسد وھو نجم طمس موت قبیلۃ ایسر من موت عالم (۲۲)

وان العالم لیستغفر من فی السموٰت والارض والحیتان فی جوف الماء، وانا الفضل العالم علی العابد کفضل القمر لیلۃ البدر علی سائر الکواکب وانا العلماء ورثۃ الانبیاء (۲۳)

اکابرین امت اور سلف وصالحین نے اساتذہ کی خدمت اور اکرام پر خود بھی عمل کر کے دکھایا اور اپنے تلامذہ کو بھی اس کی نصیحت ووصیت کی جس کی کئی مثالیں ہیں جن میں چند پیش نظر ہیں۔ مالٹا کی اسیری کے دوران مولانا حسین احمد مدنیؒ کی اپنے استاد المکرم مولانا محمود الحسن کی خدمت اور تعظیم کا ذکر مولانا اسعد مدنیؒ ان الفاظ میں کرتے ہیں جو ہمارے لئے خدمت اور تعظیم کا اعلیٰ وارفع نمونہ ہے:

''مالٹا کی اسیری کے دوران سردی کا موسم آیا، ٹھنڈ تھی، حضرت شیخ الہندؒ (محمود الحسن) نحیف اور کمزور بدن کے تھے، صبح کا وضو ٹھنڈے پانی سے کرنا ایک معذور اور عمر رسیدہ اور کمزور بدن کے مالک کے لئے نہایت مشکل تھا لیکن حضرت شیخ الاسلام نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جب سب لیٹ جاتے تھے تو حضرت مدنیؒ ٹھنڈے پانی کا بھرا ہوا کوزہ اپنے بغل میں دبا لیتے اور ساری رات دبائے رکھتے یہاں تک کہ صبح کے وقت اس کی ٹھنڈک ختم ہو جاتی تھی گرم تو نہ ہوتا لیکن ٹھنڈے پانی میں جو شدت ہوتی ہے وہ ختم ہو جاتی تھی اور اس طرح قید وبند کی حالت میں آپ نے استاد کی خدمت کی۔ آپ گرفتار نہیں تھے لیکن آپ نے اصرار کیا کہ میں اپنے استاد کو اس حالت میں نہیں چھوڑ سکتا۔ میں نے ان کے ساتھ رہنا ہے۔'' (۲۴)

قاری رحیم بخش پانی پتی اپنے وقت کے امام ومجدد تجوید وقراءت تھے لیکن پھر بھی اپنے استاد قاری فتح محمدؒ کی بے حد تعظیم واکرام کرتے اور کبھی ان کے سامنے دوزانو نہیں بیٹھے اور نہ ہی بے باکی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ اس ضمن میں قاری طاہر رحیمی فرماتے ہیں:

''اپنے شیخ حضرت اقدس قاری فتح محمدؒ کے سامنے اس طرح متادب ہو کر بیٹھتے جیسے طالب علم درسگاہ میں استاد کے سامنے بیٹھتا ہے انہیں حضرت قاری صاحب کے سامنے کبھی چارزانوں بیٹھے یا کھل کر بولتے نہیں دیکھا گیا۔'' (۲۵)

ان مدارس کے اساتذہ سادگی اور قناعت پسندی کا اعلیٰ نمونہ اور خلوص ومحبت کا پیکر ہیں۔ گو کہ ان کا

مشاہیرہ بہت قلیل اور اس دور کی معاشی ضروریات کو پورا نہیں کرسکتا مگر یہ اساتذہ جس اطمینان قلبی اور صبر وشکر اور روحانی سکون کی بدولت درس وتدریس میں مصروف عمل ہیں وہ کسی معجزے سے کم نہیں ہے اور یہ معجزہ انہیں خدمت قرآن اور تعلیمات قرآنی پر عمل پیرا ہونے کے عوض ملا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

والذین صبروا ابتغآءَ وجہ ربھم o

اور (وہ لوگ عقل والے ہیں) جو اپنے پروردگار کی رضا کی خاطر صبر کرتے ہیں اور اہل صبر کو عطیہ خداوندی بلاحساب ملے گا۔ (۲۶)

انمایوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب o

صبر والوں کو ان کا اجر پورا پورا بلا حساب دینگے۔ (۲۷)

اور صبر کا انعام آخرت میں ایسے محلات کی شکل میں ملے گا جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

اولٰئک یجزون الغرفۃ بماصبروا ویلقون فیھا تحیۃ وسلاما o خلدین فیھا ط حسنت مستقرا ومقاما o

یہی (خدا کے وہ پیارے بندے) جو اپنے صبر وثبات کا صلہ اونچے محل کی شکل میں پائیں گے۔ سلام وتحیات سے وہاں ان کا استقبال ہوگا۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ وہاں رہیں گے۔ کیسا ہی اچھا یہ مستقر اور کیسی اچھی یہ قیام گاہ۔ (۲۸)

پانی پتی اساتذہ مذکورہ بالا عمومی خصوصیات وصفات سے متصف ہونے کے ساتھ ساتھ محنت ولگن اور عزم استقلال سے مدارس دینیہ میں تجوید وقراءت کی اشاعت میں ہمہ تن مصروف عمل ہیں اور جہاں سینکڑوں مسلمان بچے قرآن کی تعلیم ان اساتذہ سے حاصل کررہے ہیں نیز یہ سلسلہ سالہا سال سے کامیابی سے رواں دواں ہے اور اس میں دن بدن بہتری اور ترقی بھی ہورہی ہے۔ راقم نے بذات خود ان مدارس کا مشاہدہ کیا اور انہیں تحقیقی انداز میں قلم بند کیا ہے۔ اول فیصل آباد میں قاری یٰسین داماد قاری رحیم بخش صاحب سے دارالقراء باغ والی مسجد سے متصل ملاقات کی جہاں چھ یا سات اساتذہ بشمول قاری یٰسین صاحب سینکڑوں طلباء کو حفظ وضبط اور ناظرہ قرآن کی تعلیم دے رہے تھے۔ فیصل آباد میں قاری نصر اللہ بن قاری رحیم بخش ''ام المدارس'' کے نام سے مدرسہ میں حفظ وضبط اور ناظرہ قرآن کا سلسلہ قائم کئے ہوئے ہیں۔ قاری اہل اللہ بن قاری رحیم بخش بھی ''فتح الرحیم'' میں قرآن کی تعلیم سے بچوں کو مستفیض کررہے ہیں اس کے علاوہ قاری ابراہیم کرنالی (شاگرد رشید قاری رحیم بخش) گلبرگ فیصل آباد میں جامعہ طیبہ کے نام سے دینی مدرسہ ۱۹۸۹ء سے قائم کئے ہوئے ہیں جہاں سالانہ تقریباً سو (۱۰۰) طلباء ناظرہ قرآن اور حفظ کی تکمیل کرتے ہیں۔ (۲۹)

جامعہ رحیمیہ: جھنگ شہر میں پانی پتی قرآء اور علماء حضرات دین کی شمع کو منور کئے ہوئے ہیں اور سینکڑوں مسلمان بچوں اور بچیوں کو دینی تعلیم سے آراستہ کرتے رہے ہیں اب ان مدارس میں شیخ لاہوری صدر جھنگ میں ''جامعہ رحیمیہ'' قائم ہے جسے مفتی عبدالرحیم نقشبندیؒ (م ۱۳۰۷ھ) نے قائم کیا تھا۔ آپ قاری فتح محمد اعمیٰ کے (ابتدائید عربی، جلالین، ہدایہ) اور قاری رحیم بخش پانی پتیؒ، (قال اقول، شرح جامی، بحث فعل، کنز الدقائق) کے درس نظامی میں استاد مکرم تھے۔ (۳۰) آپ متقی اور علمی شخصیت تھے اور جھنگ شہر میں عزت وقدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد جھنگ شہر، شیخ لاہوری میں قیام فرمایا، جہاں اول مسجد کی بنیاد رکھی بعد ازاں مسجد سے متصل ''مدرسہ جامعہ رحیمیہ'' قائم کیا۔ آپ سیاسی طور پر جمعیت اسلامیہ سے منسلک تھے نیز سلسلہ نقشبندیہ میں مولانا سعید قریشی سے بیعت اور اجازت یافتہ تھے۔ آپ نے جامعہ رحیمیہ میں درس وتدریس کے فرائض اور مسجد رحیمی میں امامت کے فرائض انجام دیئے (۳۱) آپ کی وفات کے بعد مفتی عبدالحلیم پانی پتی قاری عبدالرحیم کے چھوٹے بھائی نے ان ذمہ داریوں کو سنبھال لیا اور مخلوق خدا کی خدمت میں ہمہ تن مصروف عمل ہوگئے۔ آپ مذہبی اور علمی شخصیت کے مالک ہونے کے ساتھ ساتھ ایک شریف النفس انسان تھے۔ آپ کی للّٰہیت اور عجز وانکساری کے متعلق قاری عبدالشکور ترمذی کہتے ہیں:

> ''مفتی عبدالحلیم صاحب (مرحوم) کے بڑے بھائی حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب (مرحوم) جھنگ کی بڑی علمی شخصیات میں سے تھے، مفتی صاحب مرحوم نے اپنے بھائی کے علاوہ دیگر علمائے کرام سے بھی علوم میں استفادہ کیا اور فاضل ہوئے، تقسیم کے بعد جھنگ آگئے اور یہاں درس وتدریس اور امامت وخطابت کی خدمات انجام دیں، نہایت شریف النفس اور منرجان مرنج سادہ طبیعت کے مالک تھے، علم وفضل کے باوجود تواضع کی وجہ سے ہمیشہ سادہ اور بے تکلف رہتے تھے۔'' (۳۲)

مفتی عبدالحلیمؒ کا انتقال ۱۴۰۹ھ میں ہوا۔ (۳۳) مدرسہ ھذا جامعہ رحیمیہ اور مسجد میں درس وتدریس اور امامت وخطابت کے فرائض قاری عمر فاروق (منجھلے بھائی قاری عبدالرحیم) انجام دے رہے ہیں۔ آپ انتہائی محنت اور خلوص کے ساتھ انتظامی ذمہ داریوں کے ساتھ جامعہ رحیمیہ کی دیکھ بھال کررہے ہیں جبکہ مہتمم کے فرائض مفتی عبدالرحیمؒ کے پوتے قاری نور محمد صاحب انجام دے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ قاری عمر فاروق کے چھوٹے بھائی محمد علی بھی آپ کی مدد ومعاونت میں پیش پیش ہیں۔ جامعہ ھذا سے سالانہ ۲۵ تا ۳۵ طلباء وطالبات ناظرہ قرآن اور حفظ وضبط کی تکمیل کرتے ہیں جبکہ چند مسافر طلبہ بھی مقیم ہیں۔ جامعہ ھذا جھنگ میں حفظ وضبط کی اہم درسگاہ مانی جاتی ہے۔ (۳۴)

"مدرسہ تعلیم القرآن" قائم قاضیاں نوالی مسجد نزد کھیتانوالہ بازار میں عبدالمجید عرف بھائی جی (م ۱۳۹۳ھ) نے قائم کیا تھا۔ آپ نے ۷۵ سال تک قرآن کریم کی خدمت میں صرف کی۔ آپ مدرسہ گنبداں پانی پت میں شعبہ قرأت اور حفظ وضبط کے صدر مدرس تھے اور قاری قیام الدین کے جانشین اور تلمیذ خاص تھے۔(۳۵) آپ کی وفات کے بعد صاحبزادے قاری یٰسین ۱۴۵۲ھ نے مدرسے کی دیکھ بھال کی لیکن آپ کی وفات کے بعد مدرسہ ختم ہوگیا۔(۳۶) اب اس مسجد میں مولانا نظیر سالک امامت کے فرائض انجام دے رہے ہیں، آپ ملنسار اور شفیق استاد ہیں۔

"مدرسہ تفہیم القرآن" صدر جھنگ بانی موسس عظمت اللہ تفہیمی ہیں۔ آپ حافظ برکت اللہ معمار کے ہونہار صاحبزادے اور عالم وفاضل اور محقق تھے۔ کئی علوم کی تکمیل کی اور معروف اساتذہ سے تعلیم حاصل کی نیز کئی کتب بھی تالیف فرمائیں۔ ۱۹۱۲ء میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم قرآن پاک سے شروع کی اور حفظ وضبط کے بعد فارسی کتابت اور درس نظامی پانی پت سے تکمیل فرمائی۔ بعد ازاں سند الفراغ دارالعلوم دیوبند مولوی فاضل دہلی اور طبیب درجہ اول لاہور سے تکمیل فرمائی۔

آپ نے والد بزرگوار حافظ برکت اللہ مرحوم سے حفظ وضبط فرمایا پھر قاری حافظ محمد اسماعیل سے کتابت کی تحصیل فرمائی اور مولانا مفتی عبدالرحیم سے فارسی سیکھی۔ مدرسہ گنبداں پانی پت میں مولوی حمد اللہ تلمیذ خاص شیخ الہند سے درس نظامی کی تکمیل کی۔ پھر دیوبند میں شیخ الہند مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مولانا رسول خان سے زانوئے تلمذ ہوئے۔

آپ نے عملی مشاغل کا آغاز حالی مسلم ہائی اسکول پانی پت سے ۱۹۴۷ء سے قبل تدریس کے شعبے سے منسلک ہوکر کیا، پھر قیام پاکستان کے بعد گورنمنٹ ہائی اسکول جھنگ صدر میں تدریس کے شعبے سے وابستہ ہوگئے۔ جھنگ صدر ۱۹۴۸ء میں تفہیم القرآن مدرسے کی بنیاد رکھی جو کہ اب ختم ہوچکا ہے۔ آپ کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتب کی فہرست حسب ذیل ہے۔

(الف)

اسلامی جمہوریت — مطبوعہ ادبیات لاہور
حضرت عبداللہ بن مبارک — غیر مطبوعہ
اوقات نماز برائے جھنگ — مطبوعہ جھنگ صدر

(ب) دینیات:

قاعدہ تلاوت وتجوید — مطبوعہ جھنگ صدر
طریقہ تعلیم برائے قاعدہ تلاوت وتجوید — مطبوعہ جھنگ صدر

تلاوت (حصہ اول) — مطبوعہ جھنگ صدر
تلاوت حصہ (حصہ دوم) — مطبوعہ جھنگ صدر
قاعدہ اردو جلدی — مطبوعہ جھنگ صدر
مساوی اللسان — مطبوعہ جھنگ صدر
الاصطلاحات (منظوم) — مطبوعہ جھنگ صدر
شرح اصطلاحات (منظوم) — مطبوعہ جھنگ صدر
اوامر اللسان — مطبوعہ جھنگ صدر
اسباق للسان — مطبوعہ جھنگ صدر
چارٹ عربی زبان (چار رنگین چارٹوں کا سیٹ) مطبوعہ جھنگ صدر
صرفی مشین عربی

(ج) منظومات:

عید بسم اللہ — مطبوعہ جھنگ صدر
ضرورت رشتہ — مطبوعہ جھنگ صدر
ترک ماحول — مطبوعہ جھنگ صدر
آمین — مطبوعہ جھنگ صدر
آمین — مطبوعہ جھنگ صدر
مثنوی — مطبوعہ کراچی ۱۹۹۹ء (۳۷)

محمد عظمت اللہ تفہیمی کے ہونہار اور لائق صاحبزادے پروفیسر ساجد اللہ تفہیمی جامعہ کراچی میں فارسی کے شعبے میں گرانقدر خدمات انجام دینے کے بعد ۲۰۰۷ء میں ریٹائرڈمنٹ کی زندگی گزار رہے ہیں۔ راقم نے ٹیلیفون پر آپ سے رابطہ کیا تھا مگر نجی مصروفیات کے باعث ملاقات نہیں ہوسکی۔

قاری شفیق بن محمد رفیق، قوم انصاری، جائے پیدائش محلہ پٹھانوں والا، نزد نیم والی مسجد پانی پت ۱۹۴۶ء جھنگ کی مشہور معروف شخصیت ہیں۔ ابتدائی تعلیم ناظرہ قرآن سے ۵ سال کی عمر میں آغاز کیا۔ آپا خیر النساء، قاری حکیم الدین اور شیخ لاہوری شاگرد خاص (قاری فتح محمد اعمی) سے مستفیض ہوئے۔ نیز قاری عظیم الدین صاحبؒ کی خاص عنایت سے بغدادی قاعدہ کی تکمیل ایک ہی دن میں کر لی بعد ازاں شیخ لاہوری میں قاری امام الدین سے ڈیڑھ پارہ پڑھا پھر قاضیاں والی مسجد میں قاری یٰسین صاحب تلمیذ خاص (قاری فتح محمد اعمیٰ) سے قرآن مجید مکمل کیا۔ قاری یٰسین صاحبؒ قاری فتح محمد اعمیٰ کے ساتھ "مدرسہ اشرفیہ پانی

پت'' میں تقسیم سے قبل قرآن مجید پڑھایا کرتے تھے۔ مفتی عبدالرحیمؒ کے پاس دس پاروں کی گردان اور عربی کی ابتدائی کتب کا آغاز کیا۔ ان کے بعد مفتی صاحب کے تلمیذ خاص قاری غلام محمد نے چھ ماہ میں مکمل گردان کرائی اور چھ ماہ میں فارسی بھی پڑھی۔ بعدازاں ۱۹۶۰ء میں مدرسہ خیر المدارس (ملتان) میں دورحدیث میں داخل ہوئے اور ممتاز علمائے کرام سے زانوئے تلمیذ ہوکر ۱۹۶۸ء میں دورحدیث سے فراغت حاصل کی۔ بعدازاں فراغت ۱۹۶۹ء میں مقری اعظم قاری رحیم بخشؒ کے زیرسایہ قرآن مجید کی باقاعدہ گردان کی اوراس کے بعد تین ماہ میں قراءت عشرہ کا کورس مکمل کیا جو عموماً دو سال کا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ موصوفؒ نے تجوید وقراءت کی متعدد کتب جیسے! شاطبیہ، درہ، طیبہ اور بہت سے رسائل بھی پڑھائے۔

قاری ابومحی الاسلام صاحبؒ نے شفقت فرماتے ہوئے قرأت عشرہ کی سند عنایت فرمائی ہے اور قاری فتح محمد اعمیٰ کو مدینہ منورہ اٹھارہ پارہ سنا کر سند عنایت فرمائی نیز قاری قیام تلمیذ خاص عبدالمجید عرف بھائی جی نے بھی ایک رکوع کی مشق کرائی ہے۔

آپ نے عملی مشغولیت کا آغاز مدرسہ اسلامیہ چک نمبر ۱۰۸ امنڈی پرانا ضلع بہاولپور میں قاری رحیم بخشؒ کی ہدایت پر کیا اور تقریباً چھ سال سے دارالعلوم جھنگ میں تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ پاکستان کے طول وعرض میں آپ کے تلامذہ قرآن کی خدمت پر مامور ہیں۔ آپ تصنیف وتالیف کا بھی ذوق وشوق رکھتے ہیں۔ آپ کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتب حسب ذیل ہیں۔ (۳۸)

(۱) الشجرۃ الرحیمیہ الفتحیہ (مطبوعہ):

قراء پانی پت کی دوصد سالہ مختصر سی تاریخ خدمت قرآن پر مشتمل ہے۔

(۲) عنایات رحیم (مطبوعہ):

اس کتاب میں مائل تجوید سوال وجواب کی شکل میں بچوں کی دینی استعداد کی مطابق مرتب کئے گئے ہیں۔

(۳) قراء عشرہ: غیر مطبوعہ **(۴) تعلیمی ڈائری**: غیر مطبوعہ

(۵) قاری رحیم بخش کے رسائل قرأت کا فارسی ترجمہ: غیر مطبوعہ

مدرسہ ''فتح العلوم'' چنیوٹ کی بنیاد ۱۳۸۶ھ بمطابق ۱۹۶۹ء میں قاری عبدالرحیمؒ پانی پتی (م ۱۴۱۱ھ) نے رکھی تھی۔ آپ ملنسار، متقی اور پرہیزگار انسان تھے۔ ساری عمر قرآن کی خدمت میں مصروف رہے۔ اپنے استاد مکرم فتح محمد اعمیٰ سے بے حد محبت کرتے تھے۔ شیخ نے آپ کو بیعت کی اجازت و خلافت بھی عطا کر دی تھے۔ چنیوٹ کی اہم مذہبی شخصیت جانی جاتی تھیں۔ قیام پاکستان کے بعد اس مدرسے نے تدریس قرآن کے سلسلے میں چنیوٹ میں اہم کام سرانجام دیا اور سینکڑوں طلباء یہاں سے فارغ التحصیل ہوکر ملک کے مختلف مقامات پر تدریس قرآن سے منسلک ہوکر اہم دینی فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

قاری عبدالرحیمؒ نے چنیوٹ ہی میں اول ۱۹۵۲ء میں ''اشرف العلوم'' مدرسہ کی بنیاد جناب چوہدری عبدالحمید کی معاونت سے رکھی بعدازاں قاری صاحب کے صاحب زادے قاری دین محمد آپ کو ''فتح العلوم'' لے گئے۔ آپ نے فتح العلوم میں تعلیم القرآن کا شعبہ قائم کیا اور سینکڑوں طلباء کی حفظ وضبط اور ناظرہ قرآن کی تکمیل کرائی۔ اسی سلسلے کو برقرار رکھتے ہوئے آپ کے صاحبزادے نے بھی مدرسے کے فروغ اور قرآن کی اشاعت وتعلیم القرآن میں سخت محنت وکاوش کی۔ آپ کی محنت اور کاوش کے باعث مدرسہ فتح العلوم وسیع و عریض جگہ پر شاندار اور خوبصورت عمارت کے ساتھ چنیوٹ کے قلب میں واقع ہے۔ جہاں سینکڑوں طلباء و طالبات زیر تعلیم ہیں اور سالانہ دوسو طلباء وطالبات ناظرہ قرآن، حفظ وضبط اور درس نظامی سے فارغ التحصیل ہورہے ہیں۔ قاری محمد بن عثمان بن قاری دین محمد بن قاری عبدالرحیم مدرسے میں مہتمم کے فرائض انجام دے رہے ہیں اور اسلاف کے علمی ورثے کی ترقی کے لئے دن ورات کوشاں ہیں۔ (۳۹)

مدرسہ ''اشرف العلوم'' کے نگران اعلیٰ جناب چوہدری عبدالحمید جائے پیدائش پانی پت ۱۹۴۶ء نزد درگاہ قلندر، آپ تجارت کے شعبے سے وابستہ ہیں مگر دینی غیرت وحمیت کے باعث مدرسے کے انتظامات انتہائی خلوص اور محنت سے نبھا رہے ہیں۔ گوکہ ''اشرف العلوم'' چند کمروں اور مختصر جگہ پر واقع ہے مگر تعلیم القرآن کا شعبہ نہایت کامیابی کے ساتھ جاری ہے اور درجہ چہارم تک کتب بھی پڑھائی جارہی ہیں۔ یہ فیض مقامی وبیرون طلباء کے لئے جاری وساری ہے۔ تقریباً ۲۰۰ طلباء زیر تعلیم ہیں اور سالانہ پانچ حفاظ مدرسہ ھذا سے فارغ التحصیل ہوتے ہیں۔ قاری عبیداللہ انتہائی محنت اور خلوص کے ساتھ صدر مدرس اور مہتمم کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ (۴۰)

مدرسہ ''ضیاء العلوم'' نزد ریلوے اسٹیشن چنیوٹ میں واقع ہے۔ جس کی عمارت انتہائی خستہ اور بوسیدہ حالت میں موجود ہے۔ مدرسہ ھذا ۱۹۵۲ء میں قاری عظیم الدین صاحب پانی پتی (م ۱۴۵۸ھ) تلمیذ خاص قاری فتح محمد اعمیٰ نے قائم کیا تھا اور تقریباً چھبیس سال خدمت قرآن سے وابستہ رہ کر فیض فتحیہ کو جاری وساری رکھا۔ اب مدرسہ کے صدر ومدرس اور مہتمم قاری حافظ امجد مجاہد ہیں جو کہ مدرسہ علوم الشریعہ جھنگ کے فارغ التحصیل ہیں اور قاری شفیق پانی پتی کے تلمیذ خاص ہیں۔ مدرسے میں تقریباً ڈیڑھ سو طلباء زیر تعلیم ہیں جن میں مقامی اور بیرون دونوں شامل ہیں اور سالانہ دس طلباء ناظرہ قرآن اور تین حفاظ فارغ التحصیل ہوتے ہیں۔ (۴۱)

مدرسہ ''عربیہ انوار العلوم'' اور مسجد بلاک ۲۲ عیدگاہ روڈ سرگودھا، مولانا الیف اللہ عثمانی اور حضرت مولانا وفاء اللہ عثمانی کی عظیم یادگار ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد یہ عثمانی خاندان سرگودھا میں رہائش

پذیر ہوا اور اپنی گرانقدر علمی و دینی خدمات کے باعث قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔ان کے جدا مجد حضرت مولانا لقاء اللہ عثمانی پانی پتی علمی و دینی اور متقی و پرہیزگار شخصیت تھے۔آپ ملی و قومی کاموں میں پیش پیش رہتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ قیام پاکستان کے وقت لٹے پٹے قافلوں کی دیکھ بھال اور حکومتی حلقوں سے ان کی مدد و معاونت میں آپ کا کردار قابل ذکر ہے۔جس کے باعث پانی پت کے مسلمان آج بھی آپ کے ممنون ہیں۔آپ کی ملی و قومی خدمات کے متعلق مولانا عبدالشکور کہتے ہیں:

> ''ہندو پاکستان کے مسلمانوں میں کوئی مجھ سے اگر فرمائش کرتا کہ دس مخلص ترین انسانوں کے نام بتاؤ تو اس ننھی منی سی فہرست میں میرے علم و یقین کے مطابق ایک نام مولوی حافظ لقاء اللہ عثمانی پانی پتی کا ضرور ہوتا، مخلص مسلمان نایاب نہیں ماشاء اللہ ابھی بڑی تعداد میں ہیں لیکن لقاء اللہ عثمانی ان میں گل سرسبز تھے۔قومی اور ملی کاموں میں پیش پیش رہے، کامل ترین اور اخلاص کے ساتھ ادنیٰ خدمت گار کے ساتھ گھل مل کر کام کرتے ہیں اور دوسروں کی خدمت کر کے خوش ہوتے ہیں۔''(۴۲)

آپ تقسیم ہند کے بعد سرگودھا تشریف لے آئے مگر دوبارہ پانی پت چلے گئے اور جنوری ۱۹۶۹ء میں آپ نے انتقال کیا۔(۴۳) آپ کے محولہ بالا دونوں صاحب زادوں نے تمام عمر دین کی خدمت میں گزار دی۔آپ دونوں حضرات دیوبند کے فاضل تھے۔مولانا الیف اللہ عثمانی (م ۱۹۹۷ء) سرکاری اسکول میں تدریس کے شعبے سے وابستہ رہے اور مدرسہ و مسجد عربیہ انوار العلوم کی دیکھ بھال کرتے رہے۔جبکہ مولانا وفاء اللہ عثمانی (م ۱۹۹۷ء) مدینۃ العلوم واقع مقام حیات بلاک نمبر ۱۰ سرگودھا کی سرپرستی فرماتے رہے اور تدریس کے شعبے سے ۲۲ سال تک وابستہ رہے۔مدرسہ ھذا کی بنیاد مولانا جلیل الرحمن امروہی (م ۱۹۸۵ء) نے ۱۹۴۷ء میں رکھی تھی اور آپ کے شانہ بشانہ مولانا وفاء اللہ بھی انتظامی اور تدریسی امور کی دیکھ بھال فرماتے نیز آپ دونوں نے تحریک ختم نبوت میں فعال کردار کیا اور اسیری کے دن ایک ساتھ کاٹے۔آپ کے مشہور شاگردوں میں مولانا احتشام الحق تھانوی، مولانا تقی عثمانی اور مولانا رفیع عثمانی قابل ذکر ہیں۔آپ کی وفات پر سرگودھا میں ہر آنکھ اشک بار تھی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ تمام سرگودھا جنازے میں امڈ آیا ہے۔(۴۴)

مدرسہ ''عربیہ انوار العلوم'' اور مسجد کے انتظامی و تدریسی شعبے کی دیکھ بھال اور سرپرستی کے فرائض مولانا الیف اللہ عثمانیؒ کے بڑے صاحبزادے حافظ عریف اللہ عثمانی انجام دے رہے ہیں۔آپ سرکاری ملازمت سے بھی وابستہ اور سرگودھا تعلیمی بورڈ میں اہم عہدے پر تعینات ہیں۔مدرسہ ھذا میں سالانہ ۲۰ طلباء ناظرہ قرآن اور ۱۰ حفاظ فارغ التحصیل ہوتے ہیں۔آپ علاقے میں دینی وعلمی کاموں کی سرپرستی فرماتے ہیں اور لوگوں کی خدمت میں پیش پیش رہتے ہیں۔(۴۵)

مدرسہ ''جامعہ مدنیہ'' واقع مدنی چوک سلانوالی تحصیل سرگودھا میں قائم ہے۔مولانا حافظ ادریس پانی پتی تلمیذ خاص (قاری رحیم بخشؒ پانی پتی) کی زیر نگرانی ناظرہ قرآن اور حفظ وضبط کی دینی دولت سے علاقے کے لوگوں کو فیضیاب کر رہا ہے۔**مدرسہ امدادیہ فتحیہ** قاری اسٹریٹ سلانوالی کی مشہور و معروف طالبات کی درسگاہ ہے۔جہاں علاقے کی سینکڑوں بچیاں قاریہ ام کلثوم کی زیر نگرانی ناظرہ اور حفظ وضبط کی تکمیل کر رہی ہیں۔آپ علاقے کی اہم مذہبی شخصیت ہیں اور قاری فتح محمد اعمیٰؒ کی ہونہار اور قابل شاگرد ہیں۔راقم نے ۱۹-۰۷-۲۰۰۷ کو سلانوالی کا تحقیقی دورہ کرنے پر مذکورہ معلومات قاری عظمت اللہ بن قاری شرافت اللہ صاحبزادہ ام کلثوم سے ملاقات پر حاصل کی۔

جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا قائم شدہ ۱۹۵۵ء بمطابق ۱۳۷۵ھ بانی و مؤسس مولانا وقاری عبدالشکور ترمذی (م ۲۰۰۱ء) تلمیذ خاص قاری ابو محی الاسلامؒ پانی پتی اور قاری فتح محمد اعمیٰؒ ہیں۔آپ نے حضرت قاری محی الاسلامؒ پانی پتی کی خدمت میں پانی پت پہنچ کر بطریق جمع الجمع پورا قرآن سبعہ میں سنایا اور سبعہ میں نقل بھی کیا(۴۶) اور قاری فتح محمد اعمیٰؒ سے الدرۃ المضیہ قرأت ثلاثہ میں پڑھی اور شاطبیہ کا بعض حصہ اور مقدمہ مجزریہ پورا سنایا۔اس کے علاوہ کئی اساتذہ کی خدمت میں حاضر رہ کر ظاہری و باطنی علوم کی نابغہ روزگار شخصیت کہلائی نیز تصنیف و تالیف کے شعبے میں تقریباً ۴۰ کتب چھوڑی ہیں۔آپ علمی و تحقیقی اور متقی و پرہیزگار شخصیت کے ساتھ دین کی تبلیغ و اشاعت کے بڑے داعی اور حریص تھے چنانچہ آپ کی مخلصانہ کاوش و محنت رنگ لائیں اور ساہیوال جیسے دور دراز اور پسماندہ علاقے میں دین کا ایسا کام جاری و ساری ہوا کہ جسے دیکھ کر آنکھیں دنگ رہ جاتی ہیں۔جامعہ نے پچاس سال کے عرصے میں ترقی کی کئی منازل طے کیں ہیں اور پھل دار تناور درخت کے مانند علاقے کے لوگوں کو دین کی شمع سے روشناس کرا رہا ہے۔

جامعہ کے مہتمم اور صدر مدرس عبدالقدوس ترمذی بن عبدالشکور ترمذی نے اس ادارہ کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔آپ علمی و مذہبی اور تحقیقی شخصیت کے مالک ہیں۔آپ جامعہ میں افتاء اور تصنیف و تالیف کے شعبے کے ساتھ ساتھ جامع کے انتظامی اور تدریسی امور کی مخلصانہ دیکھ بھال کر رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ علاقے میں جامعہ کی دس شاخیں اور با قائدہ بنات کا شعبہ بھی قائم ہے اور مجموعی طور پر دو ہزار طلباء و طالبات زیر تعلیم ہیں اور سالانہ ایک کثیر تعداد مستفید ہو رہی ہے۔اس کے علاوہ ہر ماہ ''الحقانیہ'' کے نام سے مجلہ بھی طبع ہو رہا ہے۔

ملتان شہر اولیاء اور بزرگان دین کے حوالے سے جانا اور پہچانا جاتا ہے۔اولیاء کی سرزمین پر ایک ایسا چمکتا ہوا ستارہ نمودار ہوا جس نے مختصر سے عرصے میں اپنی شبانہ روز محنت، مخلصی اور پرہیزگاری کی بناء

پر ہر مکتب فکر کے دل میں گھر کرلیا اور نہ صرف ملتان شہر بلکہ ملک کے طول وعرض میں تلامذہ کی فوج ظفر موج چھوڑی جس نے گلشن رحیمی کی مسلسل آبیاری کر کے ایک گلستان تخلیق کیا جس کی خوشبو سے ایک دنیا مستفید ہو رہی ہے۔ مسجد سراجاں حسین آگاہی جہاں قاری صاحب نے اپنی زندگی کے کئی سال خدمت قرآن میں گزارے اور جس کی تفصیل پچھلے اوراق میں تفصیلاً بیان کر آئے ہیں مختصراً یہ کہ آپ ظاہری علوم کے امام، مقتداء تھے اسی طرح روحانی نسبت سے بھی شیخ اور عظیم مربی تھے۔ آپ جامع شریعت وطریقت بزرگ تھے اور ان کی شان شعر ذیل کی مصداق تھی۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے چمن میں دیدہ ور پیدا
(علامہ اقبال)

مسجد سراجاں حسین آگاہی ملتان جہاں اب قاری عبدالرحمن رحیمی تلمیذ خاص قاری رحیم بخشؒ پانی پتی طلباء کو تعلیم القرآن سے مستفیض کررہے ہیں چونکہ مسجد شہید کر کے از سرنو تعمیر کی جارہی ہے لہٰذا مقام نعمت الرحیم (گلی بالمقابل نیشنل بینک سٹی برانچ) حسین آگاہی میں عارضی مدرسہ قائم کیا گیا ہے اس کے علاوہ گلشن رحیمی کے جو پھول ملتان میں مہک رہے ہیں ان کی لمبی فہرست ہے مگر ہم صرف قاری ادریس ہوشیار پوری کی دینی وعلمی خدمات پر اکتفا کریں گے۔ آپ قاری رحیم بخشؒ کے ہونہار اور عالم باعمل تلامذہ میں سے ہیں۔ آپ دارالعلوم رحیمیہ پیر کالونی ملتان اور مدرسہ تحفیظ القرآن ملتان میں ناظم اعلیٰ اور مہتمم کے فرائض کے ساتھ ساتھ مدرس بھی ہیں۔ نیز علمی وتحقیقی مضامین بھی قلمبند کرتے ہیں جن میں خاص طور پر خطبات حکیم السلام قاری محمد طیب قاسمیؒ کے مواعظ وخطبات ۱۲ ضخیم جلدوں میں مرتب ومدون ہوکر شایع ہو چکے ہیں۔ ان علمی و تحقیقی مضامین پر حاشیہ درج کر کے ان کو آسان اور عام فہم بنادیا ہے۔ آپ اکابرین اور سلف وصالحین کی سوانح وتذکرہ بھی شایع کرتے رہتے ہیں تاکہ عوام وخواص اس سے مستفید ہوکر اپنی اصلاح کا سامان حاصل کریں۔ ان دونوں اداروں سے اب تک شعبہ تحفیظ میں تقریباً انیس سو حفاظ کرام اور ایک سو اٹھائیس علمائے کرام تکمیل کر چکے ہیں جو مختلف دینی اداروں میں خدمات انجام دے رہے ہیں اور بہت سے تلامذہ ذاتی ادارے بھی قائم کر چکے ہیں۔ (۴۷)

حوالہ جات

۱۔ القرآن ۱۹:۳
۲۔ القرآن ۸۵:۳
۳۔ القرآن ۱۳۲:۲
۴۔ القرآن ۲۵:۵۷
۵۔ القرآن ۳۳:۹
۶۔ القرآن ۳:۶
۷۔ القرآن ۱۱۰:۳
۸۔ القرآن ۱۰۸:۱۲
۹۔ رواہ ترمذی، باب ماجاء فی تعلیم القرآن، رقم:۲۹۰۷، مشمولہ: منتخب احادیث از محمد یوسف کاندھلوی، مشتاق بک کارنر ۲۰۰۱ء
۱۰۔ القرآن ۲۶۹:۲
۱۱۔ رواہ البخاری، باب من یرد اللہ بہ خیرا، رقم:۱۷ مشمولہ منتخب احادیث از مولانا محمد یوسف کاندھلوی، مشتاق بک کارنر، ۲۰۰۱ء، ص:۳۰۱
۱۲۔ القرآن ۲۸:۳۵
۱۳۔ القرآن ۴۲:۲
۱۴۔ ''عذار القرآن'' قاری محمد اسماعیل پانی پتی، لاہور، آرٹ پریس انارکلی، ۱۹۵۱ء، ص:۲
۱۵۔ القرآن ۱۳:۴۲
۱۶۔ القرآن ۲۳:۵۷۔۶۱
۱۷۔ القرآن ۵۸:۴
۱۸۔ رواہ الترمذی مرسلا، مشکوۃ المصابیح، رقم ۵۰۸۶، مشمولہ: منتخب احادیث از مولانا یوسف کاندھلوی، مشتاق بک کارنر ۲۰۰۱ء، ص:۴۹۲

۱۹۔ القرآن ۹:۳۹

۲۰۔ القرآن ۱۱:۵۸

۲۱۔ رواہ احمد والطبرانی فی الکبیر واسناد حسن مجمع الزواید ۸ ۳۳/۱،مشمولہ:منتخب احادیث ازمحمد یوسف کاندھلوی،ص:

۲۲۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان ۲/۲۶۴،مشمولہ:منتخب احادیث ازمحمد یوسف کاندھلوی،ص:۳۱۰

۲۳۔ ''دلکش نقش'' قاری طاہر رحیمی، ملتان، جامعہ رحیمیہ، دوسرا ایڈیشن ۱۴۰۵ھ

۲۴۔ رواہ احمد ۳/۱۵۷،مشمولہ:منتخب احادیث ازمحمد یوسف کاندھلوی،ص:۳۱۰

۲۵۔ ''تذکرہ وسوانح محمد سید اسعد مدنی'' مرتبہ:مولانا عبدالقیوم حقانی، نوشہرہ، القاسم اکیڈمی، ۲۰۰۷ء، ص:۱۹۸

۲۶۔ القرآن ۲۲:۱۳

۲۷۔ القرآن ۱۰:۳۹

۲۸۔ القرآن ۷۵:۲۵

۲۹۔ راقم نے قاری یٰسین اور قاری ابراہیم کرنالی (فیصل آباد) سے ۲۰۰۷۔۰۷۔۱۷ کو از خود بیان کردہ اداروں میں ملاقات کر کے معلومات حاصل کیں۔

۳۰۔ ''سوانح فتحیہ'' قاری طاہر رحیمی، ملتان، مسجد سراجاں حسین آگاہی، ۱۹۸۸ء، ص:۸۷

۳۱۔ راقم نے قاری عمر فاروق (منجھلے بھائی مفتی عبدالرحیم مرحوم) سے بتاریخ ۲۰۰۷۔۰۷۔۱۸ کو جامعہ رحیمیہ جھنگ میں ملاقات کر کے معلومات حاصل کیں۔

۳۲۔ ''پاک وہند کے نامور علماء ومشائخ'' قاری عبدالشکور ترمذی، لاہور ادارہ اسلامیات، ۲۰۰۶ء، ص:۳۱۸

۳۳۔ ایضاً ص:۳۱۸

۳۴۔ معلومات فراہم کردہ مولوی عمر فاروق بتاریخ:۲۰۰۷۔۰۷۔۱۸

۳۵۔ ''سوانح فتحیہ'' قاری طاہر رحیمی، ص:۸۷

۳۶۔ معلومات فراہم کردہ مولوی نذیر سالک پیش امام مسجد قاضیاں نوالی، جھنگ بتاریخ:۲۰۰۷۔۰۷۔۱۸

۳۷۔ ''مثنوی ذکر وفکر'' محمد عظمت اللہ تفہیمی، جھنگ صدر، برکت منزل کھیتاں بازار، ص:۹۱۲

۳۸۔ راقم الحروف کو قاری شفیق صاحب نے مسجد قاضیاں نوالی جھنگ میں بتاریخ ۲۰۰۷۔۰۷۔۱۸ کو فراہم کی۔

۳۹۔ قاری عثمان مہتمم (مدرسہ فتح العلوم چنیوٹ) نے بتاریخ ۲۰۰۷۔۰۷۔۱۸ کو ملاقات پر مدرسہ ہذا میں یہ معلومات فراہم کیں۔

۴۰۔ قاری عبیداللہ مہتمم (مدرسہ اشرف العلوم چنیوٹ) نے بتاریخ ۲۰۰۷۔۰۷۔۱۸ کو ملاقات پر مدرسہ ہذا میں یہ معلومات فراہم کیں۔

۴۱۔ قاری امجد مجاہد مہتمم (مدرسہ ضیاء العلوم چنیوٹ) نے بتاریخ ۲۰۰۷۔۰۷۔۱۸ کو ملاقات پر مدرسہ ہذا میں یہ معلومات فراہم کیں۔

۴۲۔ پاک وہند کے نامور علماء ومشائخ از مولانا عبدالشکور ترمذی، ص:۲۸۵

۴۳۔ ایضاً، ص:۲۸۵

۴۴۔ مولانا یعقوب مہتمم (مدرسہ مدینۃ العلوم سرگودھا) بلاک نمبر ا سے ۲۰۰۷۔۰۷۔۱۹ کو ملاقات کر کے معلومات حاصل کیں۔

۴۵۔ مولانا عریف اللہ عثمانی مہتمم (مدرسہ انوار العلوم سرگودھا) بلاک نمبر ۲۱، نے ۲۰۰۷۔۰۷۔۱۹ کو ملاقات پر معلومات فراہم کیں۔

۴۶۔ راقم نے سبعہ میں نقل کردہ آپ کا نادر ونایاب نسخہ ۲۰۰۷۔۰۷۔۱۹ کو جامعہ حقانیہ (ساہیوال) میں عبدالقدوس ترمذی بن عبدالشکور ترمذی (مہتمم) سے ملاقات پر ملاحظہ فرمایا۔ ہر آیت کے اختتام پر روایت تحریر تھی جو نہایت نفیس اور دلکش انداز میں لکھی گئی تھی، اس سے قاری صاحبؒ کی محنت وسعی کی بھرپور عکاسی ہوتی ہے۔

۴۷۔ مولانا ادریس ہوشیارپوری ناظم اعلیٰ وصدر مدرس (مدرسہ تحفیظ القرآن وجامعہ رحیمیہ، ملتان) نے ۲۰۰۷۔۰۷۔۲۰ اپنی رہائش گاہ پر راقم الحروف کو معلومات فراہم کیں۔

•□•••□•

اختتامیہ

مذکورہ ابواب میں "پانی پت کے علماء ومشائخ کی علمی ودینی خدمات (۶۰۰ھ تا ۱۴۰۰ھ)" کا تحقیقی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔اس تمام تحقیق سے حقیقت آشکارہ ہوتی ہے کہ پانی پت (ضلع کرنال) کا علاقہ بڑا مردم خیز ہے جو طویل عرصے تک علوم دینیہ بالخصوص حفظ القران، تجوید وقراءت، علم تفسیر، علم حدیث، تصوف اور ادب کا گہوارہ رہا اور ایسے جامع حیثیات اور جامع صفات، بے لوث وبے نفیس، پرعزم وپرخلوص علماء نے جنم لیا جن کا دل قوم کی دردمندی سے لبریز تھا۔عمر بھر قران وحدیث کی اشاعت میں مصروف رہے اور دیوانہ وار کام کرتے رہے اور ایک زمانے کو اپنے قول وعمل سے مستفید کیا۔بھٹکے ہوؤں کو منزل دکھائی اور گھر گھر میں قران کی صدائیں بلند کیں۔

باب اول:

پانی پت زرخیر اور زرعتی علاقہ تھا، چاروں طرف سبزہ اور سرسبز وشادابی تھی، خوبصورت اور امن کا گہوارہ ہونے کے باعث ایک ہی جھلک میں لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرکے مستقل سکونت اختیار کرنے پر مجبور کردیتا تھا۔جغرافیائی لحاظ سے کیونکہ پایہ تخت دہلی سے نزدیک تر تھا لہٰذا مختلف ادوار میں مختلف فاتحین اور حملہ آور دہلی پر قبضہ حاصل کرنے کے لئے یہاں سے گزرتے تھے، چونکہ اس کے وسط میں وسیع وعریض میدان تھا لہٰذا سرکاری اور مخالف فوجوں کے درمیان زبردست معرکہ آرائی ہوتی تھی، دفاع اور حملے کے باعث یہاں تین لڑائیاں بہت مشہور ہوئیں، جنہیں پانی پت کی پہلی، دوسری اور تیسری جنگ سے تعبیر کرتے ہیں۔ان جنگوں کے باعث متحدہ ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ ہوا جس نے معاشی، معاشرتی اور سماجی نظام کو بے حد متاثر کیا۔علماء وفضلاء مسلمان فاتحین اور حملہ آوروں کے ساتھ علوم کی سرپرستی کے باعث یہاں وارد ہوئے تو انہوں نے یہاں مستقل سکونت اختیار کرکے اسلام کی تبلیغ کے لئے کوشاں ہوگئے۔اول یہاں خانقاہی نظام کی بنیاد پڑی جس کی بدولت غیر مسلموں کو اسلام سمجھنے کا موقع ملا اور مسلمانوں نے اپنی ظاہری اور باطنی احوال واعمال کی اصلاح فرمائی۔ان مشائخ کی عظیم کوششوں کے باعث ایمان وعلم کی شمع جلی جو دیکھتے ہی دیکھتے دوسرے علاقوں کو بھی منور کرتی گئی۔اس باب میں علاقے کی آب وہوا اور جغرافیائی حالات پیش کئے گئے ہیں تاکہ قاری اس علاقے سے آشناں ہوسکے، نیز تصوف کی تعریف وتوضیح، غرض وغایت اور ذکر الٰہی کو قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔

باب دوم:

پانی پت میں مسلمانوں کی آمد کے ساتھ ہی یہاں کے قدیم باشندوں نے اسلام قبول کرلیا اور رفتہ رفتہ علماء وصلحاء کا شہر کہلانے لگا۔جگہ جگہ خانقاہیں قائم ہوئیں جہاں ذکر اللہ کی ضرب سے مردہ دلوں میں تازگی کی لہر دوڑ گئی۔معاشرے کے پس ماندہ اور اچھوت لوگوں نے لیک کران خانقاہوں سے اپنے دامن کو وابستہ کرکے ہمیشہ کے لئے ایمان کی روشنی سے منور کرلیا اور بھٹکے ہوئے مسافروں نے منزل پالی۔

مذکورہ باب میں صوفیاء ومشائخ کی حیات مبارکہ کا احاطہ کیا گیا ہے کہ کس طرح انہوں نے اپنی زندگی اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لئے وقف کررکھی تھی۔مذکورہ صوفیاء ومشائخ نے اپنے کردار وعمل، محبت وہمدردی، خلوص ووفا سے اسلام کی شمع کو جلائے رکھا تاکہ دل کو ایمان کی تازگی اور روح کو شادابی میسر رہے اور اسلام رفعت وبلندی پر قائم رہے۔

پانی پت میں مسلمانوں کی آمد ہندوستان میں مستقل حکومت قائم ہونے کے بعد جاری وساری رہی۔یہاں مسلمانوں کی عثمانی اور انصاری شاخ کے سرکردہ افراد تقریباً ۶۰۰ھ میں وارد ہوئے۔برصغیر میں عثمانی خانوادوں کے مورث اعلیٰ عبدالرحمن الکاذرون اور انصاری شاخ کے مذہبی وعلمی روح رواں ملک علی انصاری پانی پت بھی تشریف فرما ہوئے اور یہاں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ان دونوں خاندانوں سے نامور علماء وفضلاء نے جنم لیا جنہوں نے پانی پت اور اس کے اطراف وکناف کو دین اور علم سے روشناس کرایا۔ان دونوں خاندانوں کو پانی پت کی مشہور ومعروف روحانی وعلمی شخصیت بوعلی شاہ قلندرؒ نے رشتہ ازدواج میں منسلک کیا اور ان کے لئے خصوصی دعا فرما کر کہا کہ تمہاری اولاد کو یہاں بہت فروغ ملے گا۔بوعلی شاہ قلندرؒ کی چوکھٹ پر خواص وعوام دونوں مستفیض ہوتے تھے۔آپ کی کوششوں کے باعث سینکڑوں غیر مسلم ہندو راجپوتوں نے اسلام قبول کیا۔

برصغیر پاک وہند میں غیر مسلم مسلمانوں کی آمد سے قبل ذات وپات اور اونچ نیچ کے بندھن میں جکڑے ہوئے تھے، ان کی سماجی ومعاشرتی حیثیت انتہائی پست تھی۔مسلمان فضلاء ومشائخ نے اسلام کی تبلیغ کا آغاز حکمت ودانائی سے کیا اور اپنے اخلاق وکردار سے غیر مسلموں کے دلوں میں اسلام کی حقانیت اور سچائی کا سکہ جما دیا۔فضلاء ومشائخ کی کوششوں کے باعث سینکڑوں دیوتاؤں اور دیویوں کو پوجنے والے

ایک خدا کے سچے پرستار اور محافظ بن گئے۔ کلمہ گو مسلمان جو اسلام کی تعلیمات کو بھلا بیٹھے تھے وہ بھی ان فضلاء ومشائخ کی جانب متوجہ ہوئے اور انہوں نے ایمان کی تازگی کو از سر نو پروان چڑھایا۔ آگے چل کر اس علاقے میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی عثمانی اور قاری عبدالرحمن محدث انصاری پانی پتی جیسی نابغہ روزگار شخصیات نے جنم لیا، جنہوں نے اپنے علم وعمل سے پانی پت اور دیگر شہروں کو فیضیاب کیا۔ مذکورہ دونوں علماء نے تصنیف وتالیف کے میدان میں بیش بہا خزانہ چھوڑا ہے جو کہ سرمایہ ملت ہے۔

ان صلحاء وعلمائے کرام کے حالات وواقعات اور کارناموں سے بجھے دلوں کو جلا اور آئندہ زمانے کے افراد کو ایک نئی راہ مل سکتی ہے۔ ایسے باعمل اور بے لوث علمائے کرام سے استفادہ کر کے ہم اپنی راہوں کا تعین کر سکتے ہیں اور معاشرے میں قران وحدیث کی ترویج واشاعت کے لئے اپنی خدمات کو وقف کر سکتے ہیں۔

باب سوم:

چونکہ ادب کو علم سے تعلق ہے لہٰذا مذکورہ باب میں چیدہ چیدہ ادباء کی معرکتہ الآراء خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے اور اختصاراً ان کا تعارف بھی بیان کیا گیا ہے۔ ادب کسی بھی قوم کی زندگی کا آئینہ ہوتا ہے جس سے متعلقہ قوم کے مزاج، ثقافت اور تہذیب وتمدن کا پتہ چلتا ہے۔ عموماً افسانوی شعروشاعری اور مبالغہ آرائی پر مبنی ناول نگاری کو ادب کا حصہ گردانا گیا ہے مگر پانی پتی ادباء نے گھسے پٹے ادب پر چلنے کے بجائے ایک نیا اور منفرد ادب تخلیق کیا جس نے لوگوں میں علم سے محبت وآگاہی اور عزت وقار پیدا کیا۔ مذکورہ علاقے کی انتہائی خوش قسمتی ہے جہاں ایسے ادباء نے جنم لیا جنہوں نے اپنے قلم سے لوگوں کو زندگی کا آئینہ دکھایا مثبت ومتحرک زندگی گزارنے پر آمادہ کیا۔ فرسودہ اور دقیانوسی خیالات کی جگہ انقلابی سوچ کو پروان چڑھایا اور بھائی چارگی کا درس دیا۔ محسنین قوم نے اپنے قلم سے ایسے الفاظوں کو پرویا جس سے مردہ دلوں میں تازگی اور قوم کی رگوں میں جینے کا حوصلہ پیدا ہوا۔ آج کا ادیب اور لکھاری ان بزرگوں کے نقش قدم پر چل کر قوم کو مایوسی کی دلدل اور مصائب والم کے ماحول سے نکال کر صحیح راہوں پر متعین کر سکتا ہے۔ جیسے الطاف حسین حالی انصاری پانی پتی نے اپنی شاعری خصوصاً مسدس کے ذریعے ماضی وحال کی تصویر کھینچ کر قوم کو صحیح راستہ دکھایا ہے، نیز کریم الدین پانی پتی، سلیم الدین پانی پتی اور دیگر ادباء نے شاعری ونثر کے ذریعے قوم وملک کی ناقابل فراموش خدمات انجام دیں ہیں۔

باب چہارم:

پانی پت سترہویں صدی عیسوی کے اوائل ہی سے تجوید وقرأت اور حفظ قرآن کا شاندان مرکز تھا۔ یہاں کا ہر گھرانہ دل وجان سے تلاوت قرآن اور خدمت قرآن میں مگن تھا اسی لئے تجوید وقرات کا فن

قراء وحفاظ کی سرپرستی میں پروان چڑھا اور دیکھتے ہی دیکھتے پانی پت اور اطراف وکناف میں پھیل گیا۔ تحصیل علم کے خواہش مند طلباء دور دراز سے سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے یہاں آتے اور حصول علم میں مشغول ہو جاتے۔ ان گنت مدارس دن ورات حفظ قرآن اور تجوید وقرات کے علم وفن کی اشاعت وترویج میں مشغول رہتے۔ مذکورہ علم وفن سینہ بہ سینہ پھلتا اور پھولتا گیا، نیز تصنیف وتالیف کے ذریعے مذکورہ علم وفن کو محفوظ کر کے اس کی اشاعت پر خصوصی توجہ دی گئی۔

قاری لالہ، قاری ابومحی الاسلام، قاری فتح محمد اعمیٰ اور قاری رحیم بخش پانی پتی تجوید قراءات کے چمکتے ہوئے ستارے ہیں جن کی انتھک محنت اور کوششوں کے باعث بے شمار شاگرد میدان عمل میں وارد ہوئے اور اپنے اساتذہ کے علوم وفنون کو آگے پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا۔ مذکورہ اساتذہ اور ان کے شاگرد قیام پاکستان سے قبل اور بعد ازاں دیوانہ وار اپنے کام میں بے غرضی اور مخلصی سے سرگرم عمل رہے۔ یہی وجہ ہے کہ تجوید وقراءات کا علم وفن زندہ وجاوید اں ہے۔ مذکورہ باب میں ان تمام حفاظ وقراء کا تعارف اور ان کی خدمات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے تاکہ تحقیق وجستجو سے وابستہ افراد کو مستقبل میں تلاش وپھٹک کی پریشانی نہ ہو اور وہ نئی جہد سے اس کو آگے بڑھا سکیں۔

باب پنجم:

قیام پاکستان سے قبل پانی پت تجوید وقرأت کا اہم مرکز تھا جہاں سینکڑوں مدارس میں دن رات قرأت کی صدائیں گونجتی تھیں۔ قیام پاکستان کے موقع پر پیش آنے والے سانحہ سے متحدہ ہندوستان کی کئی بستیاں ہندو اور سکھ بلوائیوں کے ظلم وتشدد کا نشانہ بن کر اجڑ گئیں۔ ان متاثرہ علاقوں میں پانی پت بھی شامل تھا جوان بلوائیوں سے محفوظ نہ رہ سکا اور مسلمانوں کے انخلاء سے خالی ہو گیا۔ پاکستان آمد کے بعد پانی پتی علماء نے جھنگ، سرگودھا، چنیوٹ، ملتان وغیرہ کو اپنا مسکن بنایا اور اپنے اسلاف کی میراث کو کھونے کے بجائے ہمہ تن قران کی ترویج واشاعت میں مصروف ہو گئے۔ ان کی جدوجہد اور کوششوں سے ان گنت لوگ مستفید ہوئے اور پاکستان کے طول وعرض میں فیض جاری وساری ہو گیا۔

عصر حاضر میں ان علماء وصلحاء کے کارناموں کو پیش نظر رکھتے ہوئے دینی وعلمی خدمات کو آگے بڑھایا جائے اور ان سے بھرپور استفادہ کیا جائے۔ میری اس تحقیق سے امت مسلمہ اور خاص طور اہل پاکستان کو ایک نئی سمت اور جہت کی طرف رہنمائی ملے گی اور مستقبل کے محققین کے لئے تحقیق کی نئی راہیں کھلیں گی۔

•□•••□•

کتابیات

۱۔ اردو شعراء کے تذکرے اور تذکرہ نگاری ''فرمان فتح پوری'' لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۲ء

۲۔ افکار سلیم، مرتبہ: محمد اسماعیل پانی پتی، پانی پت، حالی اکیڈمی، ۱۹۳۸ء

۳۔ اسلامی معاشرت، مترجم: وحید الدین سلیم، کراچی، مکتبہ معاویہ، طبع اول ۱۹۷۰ء

۴۔ ''الشجرۃ الرحیمیہ الفتحیہ'' قاری شفیق، جامعہ قاسمیہ جھنگ صدر

۵۔ ''التفسیر المظہری'' قاضی ثناء اللہ پانی پتی، جلد اول، دوم، پنجم، مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ،

۶۔ انشائے اردو (بچوں کے لئے) کریم الدین پانی پتی، لاہور، گونمنٹ سرکار، ۱۹۶۳ء

۷۔ انشائے اردو (برائے افسران درجۂ اعلیٰ) کریم الدین پانی پتی، لاہور، منشی گلاب سنگھ اینڈ سنز، ۱۸۹۸ء

۸۔ ''اخبار الاخیار'' شیخ محدث عبد الحق دہلوی، مترجم: اقبال الدین احمد، کراچی، دار الاشاعت، ۱۹۶۳ء

۹۔ ''افادات سلیم'' وحید الدین سلیم پانی پتی، لاہور کتب خانہ اعظم

۱۰۔ ''اتحاف النبلاء'' نواب صدیق حسن کانجو، ج: دوم، کانپور، مطبع نظامی، ۱۲۸۸ء

۱۱۔ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ، ج: ششم، دانش گاہ پنجاب

۱۲۔ اردو انسائیکلو پیڈیا، لاہور، فیروز سنز، طبع اول ۱۹۶۲ء ___ طبع ثانی ۱۹۶۸ء

۱۳۔ ''الفوز الکبیر'' شاہ ولی اللہ دہلوی، مترجم: محمد سلیم عبد اللہ، کراچی، اردو اکیڈمی، نومبر، ۱۹۶۰ء

۱۴۔ ''السیف المسلول'' قاضی ثناء اللہ پانی پتی، مترجم: مولانا رفیق اثری، ملتان، فاروقی کتب خانہ، نومبر ۱۹۷۶ء

۱۵۔ ''ارشاد الطالبین'' قاضی ثناء اللہ پانی پتی، مترجم: ڈاکٹر غلام محمد، کراچی، مکتبہ اسحاقیہ، اکتوبر ۱۹۸۲ء

۱۶۔ ''الشہاب ثاقب'' قاضی ثناء اللہ پانی پتی، (فارسی) دہلی، مطبع محمدی

۱۷۔ ''القرۃ المرضیہ فی شرح الدرۃ المغیہ'' شارح: قاری فتح محمد اعمیٰ، کراچی، دار العلوم نانک واڑہ

۱۸۔ ''اسہل الموارد فی شرح عقلیہ اتراب القائد'' شارح: قاری فتح محمد اعمیٰ، کراچی، لیتھو پریس، ۱۳۹۰ھ

۱۹۔ ''المراۃ النیرہ'' شارح و مترجم: قاری رحیم بخش پانی پتی، ملتان، ادارہ نشر و شاعت حسین آگاہی

۲۰۔ ''المعجم الکبیر'' للطبرانی المطبع الوطن العربی ریاض سعودی عرب

۲۱۔ ''العطایا الوھبیہ یعنی مقدمہ جزایہ کی شرح'' شارح: رحیم بخش، ملتان، مدرسہ تعلیم القرآن مسجد سراجاں حسین آگاہی

۲۲۔ ''الخط العثمان فی الرسم القرآن'' قاری رحیم بخش پانی پتی، ملتان، ادارہ نشر و اشاعت مسجد سراجاں حسین آگاہی

۲۳۔ ''۱۰۱ علمائے پاکستان و ہند'' غلام حبیب سجانی، لاہور، ادارہ تخلیقات، ۲۰۰۲ء

۲۴۔ ''بابر'' سید ہاشمی فرید آبادی، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، مطبع ۱۹۶۲ء

۲۵۔ ''بال جبریئل'' علامہ اقبال، جون ۱۹۹۹ء

۲۶۔ ''بزم صوفیہ'' عبد الرحمن سید، لاہور، علامہ ابو البرکات اکیڈمی، ۱۹۸۸ء

۲۷۔ ''پانی پت کے قاری'' ایم اے عثمانی، لاہور، علیم اینڈ سنز، ۱۹۸۸ء

۲۸۔ ''پانی پت اور بزرگان پانی پت'' سید محمد میاں، جمعیت پبلکشرز ۱۹۶۴ء

۲۹۔ ''پنجاب میں اردو'' حافظ محمد شیرانی، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان ۱۹۸۸ء

۳۰۔ ''پاک وہند کے نامور علماء ومشائخ'' مولانا عبد الشکور ترمذی، مرتبہ: حافظ اکبر شاہ بخاری، لاہور، ادارہ اسلامیات، اگست ۲۰۰۶ء

۳۱۔ ''تاریخ پاک وہند'' ایم اے قدوس اور سعید احمد اظہر، لاہور، کتاب مرکز اردو بازار، ۱۹۶۷ء

۳۲۔ ''تاریخ مسلمانان پاکستان اور بھارت'' ہاشمی فرید آبادی، ج: اول، انجمن ترقی اردو، مطبع ۱۹۵۳ء

۳۳۔ ''تاریخ مسلمانان پاکستان اور بھارت'' ہاشمی فرید آبادی، ج: دوم، انجمن ترقی اردو، مطبع ۱۹۵۳ء

۳۴۔ ''تاریخ پاک وہند'' عبد الرسول صاحبزادہ، حصہ دوم، ایم آر برادرز، مطبع ۱۹۶۶ء

۳۵۔ ''تذکرہ شاہ ولی اللہ'' مولانا مناظر احسن گیلانی، کراچی، نفیس اکیڈمی، مطبع ۱۹۵۹ء

۳۶۔ ''تذکرہ ثناء اللہ پانی پتی'' ڈاکٹر محمود الحسن عارف، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، مطبع ۱۹۹۵ء

۳۷۔ ''تذکرہ شعرائے اردو'' امیر حسن: دہلی، انجمن ترقی اردو، ۱۹۴۵ء

۳۸۔ ''تاریخ ادب اردو'' رام بابو سکسینہ، ترجم: مرزا محمد عسکری، لاہور، گلوب پبلشر

۳۹۔ ''تذکرہ غوثیہ'' مرتبہ: مولانا گل حسن، کراچی، دار الاشاعت، اشاعت اول ۱۸۸۴ء ___ ہفتم ۱۹۵۵ء

۴۰۔ ''تاریخ اشاعت اسلام'' محمد اسماعیل پانی پتی، ج: اول، لاہور، غلام علی اینڈ سنز، اشاعت اول ۱۹۶۲ء

۴۱۔ ''تذکرہ شعرائے ہند'' کریم الدین پانی پتی، دہلی، مطبوعہ العلوم مدرسہ، ۱۲۶۴ھ/۱۸۴۸ھ

۴۲۔ ''تاریخ ہندوستان ملقب بواقعات ہند'' کریم الدین پانی پتی، لکھنؤ، منشی نول کشور، ۱۸۷۸ء

۴۳۔ ''تاریخ ابوفداء'' ابوفداء، مترجم: کریم الدین پانی پتی، امرتسر، مطبع افغانی، ۱۳۱۹ء

۴۴۔ ''تصویر کے تین رخ'' محمد اسماعیل پانی پتی، پانی پت، پیغام حیات، مطبع ۱۱۶ اکتوبر ۱۹۳۷ء

۴۵۔ ''تذکرہ الصالحین المعروف تذکرہ رحمانیہ'' عبد الحلیم انصاری، پانی پت، دار الاشاعت رحمانیہ، ۱۹۳۸ء

۴۶۔ ''تاریخ ادب اردو'' مرتبہ: عبد القیوم، کراچی، پاکستان ایجوکیشنل لمیٹڈ، ۱۹۶۱ء

۴۷۔ ''تحفۃ الکرام'' میر شیر علی قانع، مترجم: اختر رضوی، ج: سوم، کراچی، سندھی ادبی بورڈ، ۱۹۵۹ء

۴۸۔ ''تذکرہ صابر کلیر'' راجہ رشید محمود، لاہور، نذیر سنز پبلشر، ۱۹۹۱ء

۴۹۔ ''تذکرہ اولیائے پاک وہند'' اختر دہلوی، لاہور، فیس بک اردو بازار، ۱۹۸۹ء

۵۰۔ ''تذکرہ اولیائے پاک وہند'' ظہور الحسن شارب، حامد اینڈ کمپنی

۵۱۔ ''تذکرہ علمائے ہند'' رحمان علی، مترجم: ایوب قادری، کراچی، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، ۱۹۶۱ء

۵۲۔ ''تذکرۃ الموتی والقبور'' قاضی ثناء اللہ پانی پتی، مترجم: مولانا اقبال الدین احمد، کراچی، واحد بک ڈپو، ۱۹۶۷ء

۵۳۔ ''تذکرۃ المعاد'' قاضی ثناء اللہ پانی پتی، مطبع نول کشور، ۱۲۸۷ھ

۵۴۔ ''تعلیم الغوثیہ'' مولانا گل حسن، کراچی، نفیس اکیڈمی، ۱۹۶۷ء

۵۵۔ ''تذکرۃ القراء'' ڈاکٹر حافظ فیوض الرحمن، ملتان، طیب اکیڈمی، بیرون بوہر گیٹ

۵۶۔ ''تحفہ حفاظ'' مرتبہ: مولانا اسحق، ملتان، ادارہ تالیفات اشرفیہ، اشاعت چہارم، ۱۴۲۵ھ

۵۷۔ ''تسہیل القواعد'' قاری فتح محمد اعمیٰ، کراچی، لیتھو پریس

۵۸۔ ''تکمیل الاجر فی القراءات العشر'' قاری رحیم بخش پانی پتی، ملتان، ادارہ نشر واشاعت اسلامیات مسجد سراجاں حسین آگاہی ۱۹۹۹ء

۵۹۔ ''تاریخ دار العلوم دیوبند'' سید محمد محبوب رضوی، ج: اول، دیوبند دار العلوم ۱۹۹۲ء

۶۰۔ ''جوابات اسولہ غیر مقلدین'' قاری عبد الرحمن پانی پتی، دہلی، مطبوعہ فارم السلام

۶۱۔ ''چند ہم عصر'' مولوی عبد الحق، کراچی، اردو اکیڈمی، سندھ ۱۹۶۶ء

۶۲۔ ''حیات سعدی'' مرتبہ: محمد اسماعیل پانی پتی، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۱ء

۶۳۔ ''حالی کا ذہنی ارتقاء'' ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان، کراچی، اعلیٰ کتب خانہ، ۱۹۵۹ء

۶۴۔ ''حب وطن'' الطاف حسین حالی، پانی پت، حالی بک ڈپو، ۱۸۹۰ء

۶۵۔ ''حقیقت تصوف اور حضرت بوعلی قلندر'' علامہ محمد جاوید، لاہور، علم وفرقان پبلشرز

۶۶۔ ''حیات امدادیہ'' پروفیسر محمد انوار الحسن، کراچی، مدرسہ عربیہ اسلامیہ، ۱۹۶۵ء

۶۷۔ ''حدائق الحنفیہ'' فقیر محمد جہلمی، مکتبہ حق سہل لمیٹڈ، ۱۹۰۶ء

۶۸۔ ''حقیقت اسلام'' قاری ثناء اللہ پانی پتی، مترجم: قاری قیام الدین، ملتان، حسین آگاہی

۶۹۔ ''خلاصۃ التواریخ'' سجان رائے بٹالوی، مترجم: ڈاکٹر ناظر حسین زیدی، لاہور، مرکزی اردو بورڈ، مطبع ۱۹۶۴ء

۷۰۔ ''خاندان نقشبندیہ کی علمی خدمات'' ڈاکٹر آفتاب احمد خان، حیدر آباد، المصطفیٰ اکاڈمی، ۱۹۸۸ء

۷۱۔ ''خطبات عبد الحق'' مرتبہ: ڈاکٹر عبارت بریلوی، کراچی، انجمن ترقی اردو، اشاعت ثانی، ۱۹۶۴ء

۷۲۔ ''خزینۃ الاصفیاء'' مولانا غلام سرور مفتی، ج: اول، کانپور، مطبع نول کشور

۷۳۔ ''دہلی اور اس کے اطراف'' حکیم سید عبد الحئی، مرتبہ: صادقہ ذکی، لاہور، مکتبہ خلیل، ۱۹۸۹ء

۷۴۔ ''داستان تاریخ اردو'' حامد حسن قادری، اردو اکیڈمی سندھ، پہلا ایڈیشن، ۱۹۴۱ء ـــــ تیسرا ایڈیشن ۱۹۶۶

۷۵۔ ''دلکش نقش'' مؤلف: قاری طاہر رحیمی، ملتان، جامعہ رحیمیہ مسجد باب الرحمہ مغل آباد، دوسرا ایڈیشن ۱۹۸۵ء

۷۶۔ ''دہلی میں دفن خزینے'' عطاء الرحمن قاسمی، طیب پبلشرز انار کلی لاہور، اشاعت ۲۰۰۲ء

۷۷۔ ''در مسئلہ سماع ووحدت الوجود'' قاضی ثناء اللہ پانی پتی، دہلی، مطبع مجتبائی، ۱۹۰۴ء

۷۸۔ ''دیوان بوعلی شاہ قلندر'' بوعلی شاہ قلندر، سیالکوٹ، اشرف برنی پریس، ۱۹۳۳ء

۷۹۔ ''ریاض الصالحین'' الامام ابی ذکریا بن مشرف النووی، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ۱۹۸۹ء

۸۰۔ ''روز روشن'' مؤلف: محمد مظفر حسین صبا، بھوپال، مطبع شاہجہانی، اشاعت ۱۲۹۷ھ

۸۱۔ ''رود کوثر'' شیخ اکرام، لاہور، فیروز سنز ۱۹۵۸ء

۸۲۔ ''رسالہ تحفہ نذریہ'' قاری عبد الرحمن پانی پتی، مترجم: مولوی رحیم الدین، کراچی، میر محمد کتب خانہ، ۱۸۹۳ء

۸۳۔ ''رحمۃ اللعالمین'' قاضی سلیمان منصور پوری، ج: اول، کراچی، میر محمد کتب خانہ، ۱۸۹۳ء

۸۴۔ ''سفرنامہ ہند'' پروفیسر محمد اسلم، لاہور، ریاض برادر

۸۵۔ ''سوانح فتحیہ'' قاری طاہر رحیمی، ملتان، مسجد سراجاں حسین آگاہی، مطبع ۱۹۸۸ء

۸۶۔ ''سنین اسلام'' کریم الدین پانی پتی، امرتسر، گورنمنٹ سرکار، ۱۸۷۶ء

۸۷۔ ''سلم الادب'' کریم الدین پانی پتی، لاہور، مطبع سرکار، ۱۸۶۹ء

۸۸۔ ''سیر الاقطاب'' حضرت الہدیہ ابن شیخ عبد الرحیم، منشی نول کشور، ۱۸۸۹ء

۸۹۔ ''سیر المصنفین'' محمد یحییٰ تنہا ج: دوم، ۱۹۱۴ء

۹۰۔ ''سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات'' خلیق احمد نظامی، دہلی، ندوۃ المصنفین، ۱۹۵۸ء

۹۱۔ ''سنن ترمذی'' ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی، الجلد الثانی، سعید اینڈ کمپنی کراچی

۹۲۔ ''سنن ابو داؤد'' سلیمان بن اشعث ابی داؤد، مکتبہ دار الحدیث، بیرون گیٹ ملتان

۹۳۔ ''سنن ابن ماجہ'' ابو عبد الرحمن بن یزید ابن ماجہ، قدیمی کتب خانہ کراچی

۹۴۔ ''شرح سبعہ قراءات'' قاری محی الاسلام، ج: اول، لاہور، ادارہ اسلامیات، ۱۳۲۷

۹۵ ''شجرہ فتحیہ مشتمل بر سلاسل طیبہ اربع'' قاری فتح محمد اعمیٰ، کراچی، ایجوکیشنل پریس، ۱۳۸۷ھ

۹۶۔ ''شمائل واخلاق نبویؐ'' قاضی ثناء اللہ پانی پتی، مترجم: محمود الحسن عارف، لاہور، نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۸ء

۹۷ ''صحیح البخاری'' ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری، الجلد الاول والجلد الثانی، سعید اینڈ کمپنی کراچی

۹۸۔ ''طبقات اکبری'' نظام الدین خواجہ، مترجم: محمد ایوب قادری، اردو سائنس بورڈ ۱۹۴۷ء

۹۹۔ ''ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ غازی'' احمد بشیر، اردو اکیڈمی سندھ

۱۰۰۔ ''عمدۃ السلوک'' مولانا سید زوار حسین شاہ، کراچی، زوار اکیڈمی، مطبع پانچواں ایڈیشن ۱۹۹۸ء

۱۰۱۔ ''علم وعمل'' عبد القادر خان، مترجم: مولوی معین الدین، ج: اول، کراچی، آل پاکستان ایجوکیشنل پریس، ۱۹۶۰ء

۱۰۲۔ ''علوم القران'' مفتی تقی عثمانی، کراچی، مکتبہ دار العلوم، ۱۳۹۶ھ

۱۰۳۔ ''عنایات رحمانی شرح شاطبیہ'' شارح: قاری فتح محمد اعمٰی، ج: اول، ملتان، جامعہ رحیمیہ مسجد باب رحمت، ۱۹۸۴ء

۱۰۴۔ ''عوارالمعارف'' محمد شہاب الدین سہروردی، مترجم: حافظ رشید احمد شیخ غلام علی سنز، مطبع ۱۹۶۲ء

۱۰۵۔ ''فرہنگ آصفیہ'' مولوی سید احمد دہلوی، ج: اول، دوم، اردو سائنس بورڈ، طبع اول، ۱۹۷۷ء طبع دوم ۱۹۸۱ء

۱۰۶۔ ''فرہنگ آصفیہ'' مولوی سید احمد دہلوی، ج: سوم، چہارم، سائنس اردو بورڈ، طبع اول، ۱۹۷۷ء طبع دوم ۱۹۸۱ء

۱۰۷۔ ''فقہائے ہند'' محمد اسحاق بھٹی (دسویں صدی ہجری) ج: سوم، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ

۱۰۸۔ ''فقہائے ہند'' محمد اسحاق بھٹی (گیارہویں صدی ہجری) ج: چہارم، ادارہ ثقافت اسلامیہ

۱۰۹۔ ''فیوض رحمانی'' قاری عبد الرحمن پانی پتی، کانپور، مطبع قیومی پریس

۱۱۰۔ ''فضائل واحکام رمضان'' قاری فتح محمد اعمٰی، کراچی، دار العلوم نانک واڑہ ایجوکیشنل پریس ۱۳۸۶ھ

۱۱۱۔ ''قاریان ہند'' بسم اللہ بیگ، ج: اول، دوم، سوم، کراچی، میر محمد کتب خانہ

۱۱۲۔ ''کلیات نظم حالی'' مرتبہ: ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی، لاہور، مجلس ترقی ادب

۱۱۳۔ ''کلیات نثر حالی'' مرتبہ: محمد اسماعیل پانی پتی، حصہ دوم، لاہور، مجلس ترقی ادب

۱۱۴۔ ''کریم الغات مع اضافہ عظیم الغات'' کریم الدین، کانپور، مطبع رزاقی، ۱۳۴۴ھ

۱۱۵۔ ''کشف الحجاب'' قاری عبد الرحمن پانی پتی، لکھنؤ، مطبع بہار کشمیر، ۱۲۹۸ھ

۱۱۶۔ ''کاشف العسر فی شرح فاطمۃ الزہر'' شارح: قاری فتح محمد اعمٰی، کراچی، سول اینڈ ملٹری پریس، ۱۳۹۱ھ

۱۱۷۔ ''کنز الاعمال'' جلد دوم، مؤستہ الرسالہ بیروت

۱۱۸۔ ''لوائح خانقاہ مظہریہ'' مرتبہ: ڈاکٹر غلام مصطفٰی خاں، حیدر آباد، سندھ یونیورسٹی، ۱۹۷۲ء

۱۱۹۔ ''مقالات سلیمان'' مرتبہ: شاہ معین الدین احمد ندوی، ج: دوم، مطبع اعظم گڑھ، ۱۹۶۸ء

۱۲۰۔ ''منتخب التواریخ'' عبد القادر ملا بن ملوک شاہ بدایونی، مترجم: محمد احمد فاروقی، شیخ غلام علی اینڈ سنز، مطبع ۱۹۶۲

۱۶۱۔ ''مکتوبات شیخ احمد فاروق سرہندیؒ'' جلد اول، دوم، مکتبہ القدس، کانسی روڈ کوئٹہ

۱۲۲۔ ''مشکوٰۃ المصابیح'' علامہ ولی الدین محمد بن عبد اللہ، قدیمی کتب خانہ کراچی

۱۲۳ ''مجمع الزواہد'' نور الدین علی ابن بکر، الجلد الثامن، دار الکتب العلمیہ بیروت

۱۲۴۔ ''مقالات حالی'' الطاف حسین حالی، ج: اول، انجمن ترقی اردو پاکستان، بار چہارم، ۱۹۵۷ء

۱۲۵۔ ''مطالعہ حالی'' ڈاکٹر عبارت بریلوی، ادارہ فروغ اردو، ۱۹۵۶ء

۱۲۶۔ ''موج کوثر'' شیخ اکرام، لاہور، فیروز سنز، طباعت ہشتم، ۱۹۶۸ء

۱۲۷۔ ''مسدس حالی'' الطاف حسین حالی، تاج کمپنی لمیٹڈ

۱۲۸۔ ''مرحوم دہلی کالج'' ڈاکٹر مولوی عبد الحق، انجمن ترقی اردو پاکستان، اشاعت ۱۹۶۴ء

۱۲۹۔ ''مضامین سلیم'' مرتبہ: محمد اسماعیل پانی پتی، ج: اول، کراچی، انجمن ترقی اردو، ۱۹۶۱ء

۱۳۰۔ ''مضامین سلیم'' مرتبہ: محمد اسماعیل پانی پتی، ج: دوم، کراچی، انجمن ترقی اردو، ۱۹۶۱ء

۱۳۱۔ ''مضامین سلیم'' مرتبہ: محمد اسماعیل پانی پتی، ج: سوم، کراچی، انجمن ترقی اردو، ۱۹۶۱ء

۱۳۲۔ ''ماخذات احوال وشعراء'' سرفراز علوی رضوی، انجمن ترقی اردو، اشاعت اول، ۱۹۸۰ء

۱۳۳۔ ''مولود شریف'' الطاف حسین حالی، مطبع ۱۹۳۲ء، پانی پت، حالی بک ڈپو

۱۳۴۔ ''مخزن الکرامت'' کریم الدین پانی پتی، حیدر آباد دکن، مطبع رحمان چتر بازار، ۱۳۲۰ھ

۱۳۵۔ ''مختصر حالات شرف الدین بوعلی قلندر'' حکیم گل چین کرنالی، ملتان، اردو مشن، ۱۹۶۷ء

۱۳۶۔ ''مثنوی بوعلی شاہ قلندر'' بوعلی شاہ قلندر، مطبع مجیدی کانپور، ۱۳۳۹ھ

۱۳۷۔ ''معارف اقبال'' ڈاکٹر غلام مصطفٰی خاں، اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ، ۱۹۷۸ء

۱۳۸۔ ''ماثر الآمرا'' صمصام الدولہ شاہ نواز خان، مترجم: محمد ایوب قادری، لاہور، مرکزی اردو بورڈ

۱۳۹۔ ''مالابدمنہ'' قاضی ثناء اللہ پانی پتی، ملتان، مکتبہ شرکت علمیہ، ۱۹۵۶ء

۱۴۰۔ ''مقامات مظہری'' شاہ غلام علی دہلوی، مترجم: محمد اقبال مجددی، لاہور، اردو سائنس بورڈ، جولائی ۱۹۸۳ء

۱۴۱۔ ''معمولات مظہریہ'' نعیم اللہ بہرائچی، مترجم: محمد قدیر قریشی، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ۱۲۸۴ھ

۱۴۲۔ ''مالابدمنہ'' قاضی ثناء اللہ پانی پتی، حاشیہ: سعد الدین لکھنوی، لکھنؤ، ۱۲۵۷ھ

۱۴۳۔ ''مالابدمنہ'' قاضی ثناء اللہ پانی پتی، مترجم: محمد نور الدین چاٹگامی، کراچی، سعید اینڈ کمپنی، ۱۳۸۹ھ

۱۴۴۔ ''مشاہیر علمائے دیوبند'' حافظ فیوض الرحمن، ج: اول، لاہور، المکتبہ العزیز، ۱۹۷۶ء

۱۴۵۔ ''مولانا مفتی محمد حسن امرتسری اوران کے مشاہیر تلامذہ وخلفاء'' حافظ اکبر شاہ، ملتان، ادارہ تالیفات اشرفیہ ۲۰۰۱ء

۱۴۶۔ ''مفتاح الکمال شرح تحفۃ الطفال'' قاری فتح محمد اعمٰی، کراچی، لیتھو پریس

۱۴۷۔ ''متشابہا آلقران'' قاری رحیم بخش پانی پتی، حواشی واضافہ: قاری عبید اللہ حیمی، ملتان، اداری نشر واشاعت حسین آگاہی ۱۹۹۹ء

۱۴۸۔ ''نگار پاکستان'' فرمان فتح پوری، کراچی، انٹرنیشنل پریس، اشاعت مئی، جون ۱۹۶۴ء

۱۴۹۔ ''نقوش رفتگاں'' مرتبہ: مفتی تقی عثمانی، کراچی، ادارہ المعارف، ۱۹۹۸ء

۱۵۰۔ ''نورانی قاعدہ'' قاری فتح محمد امئی، کراچی، گاباسنز اردو بازار۔

۱۵۱۔ ''نزھۃ الخواطر'' مولانا عبدالحئی، الجزالسابع، حیدرآباد، دکن، مجلس دائرۃ المعارف ۱۳۹۹ھ

۱۵۲۔ ''نقوش'' مدیر: محمد طفیل، لاہور، ادارہ فروغ اردو، اشاعت فروری ۱۹۶۲ء

۱۵۳۔ ''نقوش'' مدیر: محمد طفیل، لاہور، ادارہ فروغ اردو، اشاعت جولائی ۱۹۶۴ء

۱۵۴۔ ''نقوش آپ بیتی نمبر'' مدیر: محمد طفیل، لاہور، ادارہ فروغ اردو، اشاعت جون ۱۹۶۴ء

۱۵۵۔ ''نقوش شخصیات نمبر ۲'' مدیر: محمد طفیل، لاہور، ادارہ فروغ اردو، اشاعت ۱۹۵۶ء

۱۵۶۔ ''نقوش شخصیات نمبر ۲'' مدیر: محمد طفیل، لاہور، ادارہ فروغ اردو، اشاعت ۱۹۵۶ء

۱۵۷۔ ''نقوش'' مدیر: محمد طفیل، لاہور، ادارہ فروغ اردو، اپریل ۱۹۵۳ء

۱۵۸۔ ''وصیت نامہ فتحیہ'' قاری فتح محمد امئی، ملتان، ادارہ کتب طاہریہ، مسجد باب رحمہ باب مغل آباد، ۱۹۸۵ء

۱۵۹۔ ''ہندوستان کے قدیم شہروں کی تاریخ'' وسیم احمد سعید، لاہور، فیکٹ پبلکیشنز

۱۶۰۔ ''ہندوستان کے عہد وسطی کی ایک جھلک'' سید صباح الدین عبدالرحمن، اعظم گڑھ، معارف پریس، ۱۹۵۸ء

۱۶۱۔ ''ہندوستان شاہان مغلیہ کے عہد میں'' مولانا سید محمد میاں، دہلی، برہان بازار، ۱۹۶۴ء

۱۶۲۔ ''ہمارا آقا'' محمد اسماعیل پانی پتی، لاہور، نقوش پریس، ۱۹۶۳ء

۱۶۳۔ ''ہندوستان کے سلاطین علماء ومشائخ کے تعلقات پر ایک نظر'' سید صباح الدین عبدالرحمن، اعظم گڑھ، معارف پریس، ۱۹۹۴ء

۱۶۴۔ ''ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت'' مناظر احسن گیلانی، ج: اول، دہلی، ندوۃ المصنفین، ۱۹۶۶ء

۱۶۵۔ ''ھدایات الرحیم فی آیت الکتب الحکیم'' قاری رحیم بخش پانی پتی، ملتان، ادارہ نشر واشاعت، مسجد سراجاں حسین آگاہی

۱۶۶۔ ''یادگار شعراء اردو'' اشپرنگ، مترجم: طفیل احمد، الہ آباد، ہندوستان اکیڈمی، ۱۹۴۳ء

۱۶۷۔ The Emperial Gazetter of India vol:IXX P:398

۱۶۸۔ "The Preaching of Islam" Thoms Arnold ,Lahore Shirkat-e-Qualam 1956.

•□•••□•